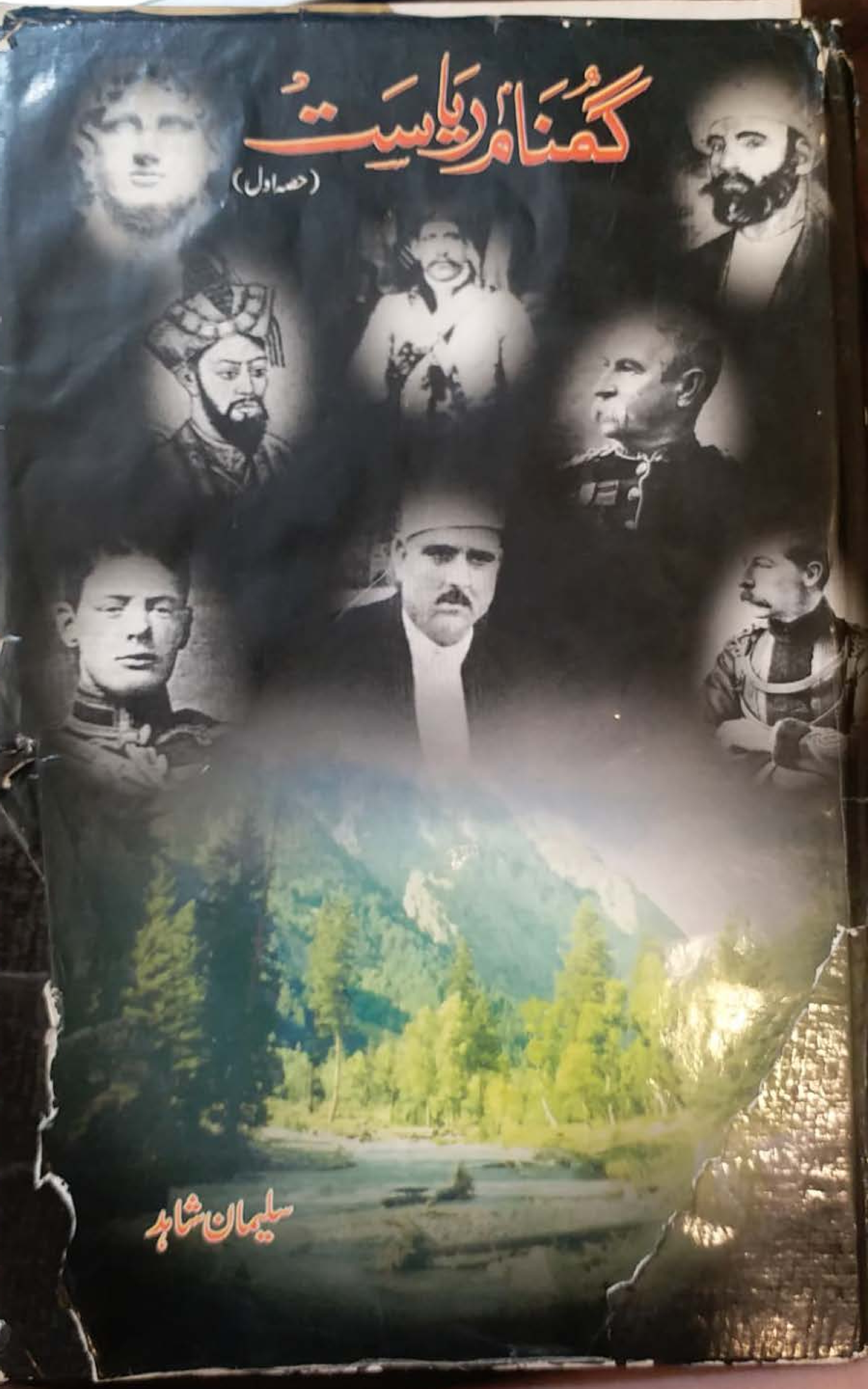


گمنام ریاست

(حصہ اول)

سلیمان شاہد

تاریخ ریاست دیر

وجہ تسمیہ لفظ ''دیر''

سوات اور باجوڑ کے ناموں کی طرح لفظ دیر کے معنیٰ پر مئورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے معلومات اکھٹی کرنے کے دوران پتہ چلا کہ دیر کا نام بے حد قدیم ہے لیکن وجہ تسمیہ میں اختلاف اسلئے ہے کہ، یہاں جو تہذیبیں پروان چڑھیں انکی زبانیں الگ الگ تھیں۔ اس نسبت سے ہر تہذیب کے ساتھ دیر کا نام اس تہذیب کی زبان کی مناسبت سے مختلف رہا۔

ایک اور بات جس سے دیر کی اصل وجہ تسمیہ تک رسائی مشکل ہے وہ یہ کہ ماضی میں مختلف اقوام کے مئورخین نے دیر کو اپنی قومیت اور دیر کے جغرافیائی خدوخال کی مناسبت سے یاد کیا ہے۔ جیسے سکندر اعظم کے ساتھ یونانی مئورخین دیر زیریں کے علاقوں میں آئے اور انھوں نے اپنی تحریروں میں دیر وادی کے زیریں حصے کو ''گورائے'' کے نام سے یاد کیا۔ بابر کے ساتھ آئے مغل مئورخین نے اپنی تحریروں میں دیر کو باجوڑ اور گلگت سمیت ''یاغستان'' سے یاد کیا۔ باقیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کا ایک رشتہ دار رشید سلطان ایک مہم پر دیر و باجوڑ آیا تھا۔ مرزا محمد حسن خان کے مطابق رشید سلطان نے ان علاقوں کا جو حدود اربعہ بیان کیا تھا۔ اس کے مطابق یہ بات سامنے آتی ہے کہ سولہویں صدی عیسوی میں دیر ''بلورستان'' کے نام سے بھی مشہور تھا۔

مساگا (Masaga)

جب یونانیوں نے 327 قبل مسیح میں مساگا پر حملہ کیا تو اس وقت دیر کا تالاش نامی علاقہ مساگا سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ ''مساگا ریاست'' دیر سے لیکر سوات و بونیر اور دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا اسلئے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دیر کا اصل اور سب سے قدیم نام مساگا تھا۔ یونانیوں کے آنے کے بعد تین سو سال تک دیر کو مساگا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کشان و اشوک کے دور تک یہاں کئی بادشاہتیں بنیں اور

زوال کا شکار ہوئیں، جس میں مساگا کا تختہ بھی الٹ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مساگا کے حکمرانوں کے ساتھ ان کی راجدھانی کا نام بھی مرورِ زمانہ کے ساتھ بگڑتا چلا گیا۔

دیر (دی ر)

پروفیسر جمیل یوسفزئی کے مطابق بدھ مت کے عروج کے وقت دریائے پنجکوڑہ کے کنارے بدھ مت کی کئی بستیاں آباد تھیں جس میں سینکڑوں خانقاہیں تھیں۔ عربی میں لفظ دیر کے معنی خانقاہ کے ہیں شاید اس تناسب سے اس علاقے کو یہ نام دیا گیا ہو۔ اب یہ سوال کہ کیا دیر عرب سرزمین ہے؟ یا یہاں پر عربی رائج رہی؟ دیر کے کوہستانی قبائل کے متعلق روایت مشہور ہے کہ ان کے آباؤاجداد تیسری صدی عیسوی میں جزیرۃ العرب سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے لیکن مؤرخ کی اس روایت سے پھر بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اورل سٹین کے مطابق چین کا ایک سیاح ہیون تسانگ بدھ مت کے عروج کے وقت پانچویں صدی عیسوی میں سوات آکر اپنی تحریروں میں لکھتا ہے کہ دریائے سوات کے کنارے چودہ سو خانقاہیں تھیں۔ چینی سیاح نے اگرچہ دیر کی خانقاہوں کی تعداد کا ذکر نہیں کیا لیکن یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دریائے پنجکوڑہ کے کنارے بھی تقریباً اتنی ہی خانقاہیں موجود تھیں کیونکہ اس زمانے میں سوات کے ساتھ دیر میں بھی بدھ مت کا بول بالا تھا۔ یاد رہے کہ اب ان خانقاہوں کے آثار باقی نہیں رہے۔

کافرستان

دسویں صدی عیسوی سے لیکر پندرھویں صدی عیسویں تک دیر پر کوہستانی کافروں کی حکومت رہی۔ ان کی یہ سلطنت، جو دیر کے زیریں علاقوں سے لیکر چترال میں کیلاش کی وادیوں تک پھیلی ہوئی تھی، کافرستان کے نام سے مشہور تھی۔ اسی نسبت سے دیر کا ایک قدیم نام کافرستان بھی تھا۔

دیر (دے ر)

پندرھویں صدی عیسوی کے بعد دیر میں یوسفزئی قبائل کا ظہور ہوا۔ دو سو سالوں میں کافرستان کی بیشتر رعایا پختون بزرگان دین اخون الیاسؒ، اخون لاہورؒ اور اخون سالاکؒ کی اسلامی تعلیمات کے

زوال کا شکار ہوئیں، جس میں مساگا کا تخت بھی الٹ چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مساگا کے حکمرانوں کے زوال کے ساتھ ان کی راجدھانی کا نام بھی مرورِ زمانہ کے ساتھ بگڑتا چلا گیا۔

دیر (دی ر)

پروفیسر جمیل یوسفزئی کے مطابق بدھ مت کے عروج کے وقت دریائے پنجکوڑہ کے کنارے بدھ مت کی کئی بستیاں آباد تھیں جس میں سینکڑوں خانقاہیں تھیں۔ عربی میں لفظ دیر کے معنی خانقاہ کے ہیں شاید اس تناسب سے اس علاقے کو یہ نام دیا گیا ہو۔ اب یہ سوال کہ کیا دیر عرب سرزمین ہے؟ یا یہاں پر عربی رائج رہی؟ دیر کے کوہستانی قبائل کے متعلق روایت مشہور ہے کہ ان کے آباؤاجداد تیسری صدی عیسوی میں جزیرۃ العرب سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے لیکن مورخ کی اس روایت سے پھر بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اورل سٹین کے مطابق چین کا ایک سیاح ہیون تسانگ بدھ مت کے عروج کے وقت چوتھی صدی عیسوی میں سوات آکر اپنی تحریروں میں لکھتا ہے کہ دریائے سوات کے کنارے چودہ سو خانقاہیں تھیں۔ چینی سیاح نے اگرچہ دیر کی خانقاہوں کی تعداد کا ذکر نہیں کیا لیکن یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دریائے پنجکوڑہ کے کنارے بھی تقریباً اتنی ہی خانقاہیں موجود تھیں کیونکہ اس زمانے میں سوات کے ساتھ دیر میں بھی بدھ مت کا بول بالا تھا۔ یاد رہے کہ اب ان خانقاہوں کے آثار باقی نہیں رہے۔

کافرستان

دسویں صدی عیسوی سے لیکر پندرھویں صدی عیسویں تک دیر پر کوہستانی کافروں کی حکومت رہی۔ ان کی یہ سلطنت، جو دیر کے زیریں علاقوں سے لیکر چترال میں کیلاش کی وادیوں تک پھیلی ہوئی تھی، کافرستان کے نام سے مشہور تھی۔ اسی نسبت سے دیر کا ایک قدیم نام کافرستان بھی تھا۔

دیر (دے ر)

پندرھویں صدی عیسوی کے بعد دیر میں یوسفزئی قبائل کا ظہور ہوا۔ دو سو سالوں میں کافرستان کی بیشتر رعایا پختون بزرگان دین اخون الیاسؒ، اخون لاہورؒ اور اخون سالاکؒ کی اسلامی تعلیمات کے

بدولت مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی ۔ بعد میں دیر کے ریاستی حکمرانوں نے سترہویں صدی عیسوی میں کافرستانی تہذیب اور ان کے شاہی خاندان کا بزورِ شمشیر خاتمہ کردیا ۔ یوسفزئیوں کے فتح کے بعد کافرستان پر فارسی زبان کا اثر شروع ہوا اور زمانے کے ساتھ ساتھ لواری پاس سے لیکر ترئی وادی تک کا علاقہ کافرستان سے تبدیل ہو کر وادی دیر کے نام سے مشہور ہوا۔

جہاں تک لفظ دیر کے متعلق معلومات اکھٹی کی گئیں، بعض بزرگوں سے روایت ہے کہ یہ نام کافی قدیم ہے ۔ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ دیر کو مختلف زبانوں میں پنجکوڑہ کے نام سے یاد کیا گیا۔ میاں کلی کے ایک بزرگ لفظ دیر کے بارے میں کہتے ہیں، کہ ''دیر،، فارسی زبان کا لفظ ہے جو (دے ر) پڑھا جاتا ہے جس کے معنیٰ ہے ''بہت دور اور کافی وقت لینے والا'' ۔ دیر چونکہ ایک سو بیس کلو میٹر لمبی وادی کے آخری سرے پر بلند و بالا پہاڑوں کے وسط میں واقع ہے ۔ پرانے زمانے میں دیر تک کا سفر پیدل، دشوار گزار اور طویل تھا اسلئے روایات کیمطابق اسی مشکل سفر کی وجہ سے اس علاقے کو دیر (یعنی وقت لینے والا) کا نام دیا گیا۔

لفظ دیر کے بارے میں یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دیر کا سب سے قدیم نام مساگا تھا۔ خانقاہوں کی کثرت کی وجہ سے ایک عرصے تک عربی زبان میں دیر (دی ر) کہلایا جاتا رہا۔ مغل مئورخین نے اس دیس کو بلورستان اور یاغستان کے نام سے یاد کیا۔ اسی طرح یوسفزئیوں سے پہلے یہ کئی صدیوں تک کافرستان کے نام سے مشہور تھا اور آخر میں یوسفزئی قبائل نے اس علاقے کو ایک دفعہ پھر دیر (دے ر) نام دیا۔

محلِ وقوع

پرانی ریاست دیر، جو کہ اب دو اضلاع پر مشتمل ہے، ۳۸-۳۴ عرض بلد شمالی تک اور ۳۰-۷۱ سے لیکر ۲۲-۷۲ طول بلد مشرق تک پھیلی ہوئی ہے۔

حدودِ اربعہ

دیر کے شمال میں چترال (قشقار)، مغرب میں افغانستان و باجوڑ۔ جنوب میں ارنگ برنگ (اتمان خیل علاقے)، ملاکنڈ ایجنسی جبکہ مشرق و شمال مشرق میں سوات و ہندوکش کے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔

رقبہ

یاد رہے کہ 1969ء میں دیر کی ریاستی حیثیت ختم کر کے اسے ضلع کا درجہ دیا گیا اور 13 اگست 1996ء کو اس ضلع کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے دیر بالا اور دیر پائین اضلاع کے نام دیئے گئے اس تقسیم کی رو سے آجکل دیر بالا کا رقبہ 3699 مربع کلومیٹر ہے۔ ضلع دیر بالا دو سب ڈویژنوں پر مشتمل ہے۔ سب ڈویژن دیر کا رقبہ 3050 مربع کلومیٹر اور واڑی سب ڈویژن کا رقبہ 649 مربع کلومیٹر ہے۔ اسی طرح دیر پائین کا رقبہ 1585 مربع کلومیٹر بنتا ہے جسمیں تیمر گرہ سب ڈویژن کا کل رقبہ 1162 مربع کلومیٹر اور جندول سب ڈویژن کا مجموعی رقبہ 423 مربع کلومیٹر ہے۔
پاکستان کا مجموعی رقبہ 796096 مربع کلومیٹر ہے جبکہ دیر بالا اور دیر پائین اضلاع کا مجموعی رقبہ 5284 مربع کلومیٹر ہے۔ پاکستان کا ایک فیصد رقبہ تقریباً 7960 کے لگ بھگ بنتا ہے جس کی رو سے دیر پاکستان کے ایک فیصد سے بھی کم رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔

آبادی دیر 1901ء 1961ء 1981ء

1901ء میں ملاکنڈ ایجنسی کے پولیٹکل ایجنٹ ایم سی ماھن M C Mahon نے اپنی کتاب (Report on Dir Swat and Bajaur) میں انڈین گورنمنٹ کی رائے شماری کے مطابق ریاست دیر کی آبادی ایک لاکھ (1,00,000) بتائی ہے۔
دیر و باجوڑ نامی کتاب کے مطابق 1961ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست دیر کی آبادی 38741 بیان کی گئی ہے اور 1981ء کی مردم شماری کے مطابق دیر کی مجموعی آبادی 767409 نفوس تک پہنچ چکی تھی۔

199 ء آبادی ضلع دیر بالا

1998ء میں ملک کی پانچویں اور اب تک آخری مردم شماری کے مطابق ضلع دیر بالا کے چھ سو سی گاؤں کی مجموعی آبادی 575858 نفوس پر مشتمل تھی۔ اس آبادی میں مردانہ آبادی 2915 اور زنانہ آبادی 284394 تھی۔ مجموعی آبادی میں دیر سب ڈویژن کی آبادی

343464 اور واڑی سب ڈویژن کی آبادی 232394 نفوس پر مشتمل تھی۔ اسی طرح اس ضلع میں مسلمان آبادی 99.8 فیصد جبکہ ایک کلومیٹر پر اوسطاً 155.7 افراد آباد تھے۔

1998ء آبادی ضلع دیر پائین

1998ء کی مردم شماری کیمطابق ضلع دیر پائین کی آبادی 717649 نفوس پر مشتمل تھی۔ اس آبادی میں مردانہ آبادی کا حصہ 355728 جبکہ زنانہ آبادی 361921 تھی۔ مجموعی آبادی میں تیمرگرہ سب ڈویژن کی آبادی 528292 اور جندول سب ڈویژن کی آبادی 189357 افراد پر مشتمل تھی۔ مسلمان آبادی 99.75 فیصد جبکہ ایک کلومیٹر پر 453.3 افراد بستے تھے۔

2004ء میں دونوں اضلاع کی آبادی چودہ لاکھ (14,00000) نفوس سے تجاوز کر چکی ہے۔ اسی طرح پاکستان کی آبادی بھی چودہ کروڑ سے بڑھ چکی ہے یعنی دیر کے دونوں اضلاع کی آبادی پاکستان کی آبادی کا تقریباً ایک فیصد بنتی ہے۔

جغرافیائی حیثیت

جغرافیائی لحاظ سے دیر چھ حصوں میں تقسیم ہے۔ وادی دیر، وادی جندول، وادی میدان، درّے، میدانی علاقے اور پہاڑ۔

وادی دیر

صوبہ سرحد کے شمال مغرب میں واقع دیر کے علاقے کو باجوڑ نے مغرب کی جانب سے اور سوات نے مشرق کی جانب سے اپنی بانہوں میں لیا ہوا ہے جبکہ شمالاً ھندوکش کی برف پوش چوٹیاں سفید چادر کی صورت میں اس پر اوڑھے ہوئے ہیں۔ اصل میں علاقہ دیر ایک لمبی وادی کا نام ہے۔ یہ وادی لواری پاس سے ترئی وادی (تنگ و تاریک پہاڑیوں کے دامن) تک ایک سو بیس کلومیٹر کے لگ بھگ ہے۔ شمال سے اس وادی کی چوڑائی پانچ کلومیٹر سے شروع ہو کر زیریں علاقوں میں بیس کلومیٹر تک پھیل جاتی ہے۔ وادی دیر کو دریائے پنجکوڑہ دو متوازی حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ وادی دیر کی درمیانی سطح کافی نشیبی ہے جو دریائے پنجکوڑہ (جو مقامی زبان میں پانچ خوزو یعنی پانچ ندیوں کا مجموعہ کہلاتا تھا جو کہ عندالعوام ہو کر پنجکوڑہ بن گیا) کے بہاؤ کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔

وادی جندول

یہ دیر وادی کے بعد سرزمین دیر کی دوسری بڑی وادی ہے۔اس کی سرحدیں شمال میں دره براول، مشرق میں وادی و میدان اور مغرب میں باجوڑ وافغانستان سے ملی ہوئی ہیں۔شمالاً غرباً شاہی پاس سے لیکر جنوب میں اُرنگ برنگ کے علاقوں تک اور مغرب میں باجوڑ تک اس وادی کا درمیانی حصہ ہموار میدانی علاقوں پر مشتمل ہے جبکہ سارے اطراف سے جندول کے علاقے کو دیوہیکل پہاڑوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

وادی میدان

جندول کے بعد دیر کی تیسری بڑی وادی ''میدان'' ہیں جو سینہ پھیلائے جندول اور دیر کی وادیوں کے درمیان سینڈوچ کی صورت میں نظر آتی ہے۔اس وادی کے شمال میں براول وادی ہے جس کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے میدان و براول وادیوں کو اپنی ماں وادی جندول نے بانہوں میں لے رکھا ہے۔ان تینوں وادیوں کا سنگم شاہی پاس ہے۔شمال کی جانب وادی میدان کلپانڑئی سر کے ذریعے درّہ براول سے ملتی ہے اور مغرب کی جانب میدان سے ایک سڑک ''سرلڑہ پاس'' کے ذریعے جندول میں اترتی ہے۔ان تینوں وادیوں میں گزشتہ پانچ سو سال سے ترکلانی قبائل کے علاوہ وردگ، مشوانی، صاحبزادگان، اتمان خیل، سرکانی، روغانی، تاجک اور کئی دوسری اقوام آباد ہیں۔

درّے

وادی دیر کے مشرق اور مغرب میں مختلف فاصلوں پر پہاڑی درّے واقع ہیں۔ دریائے پنجکوڑہ کے جنوب اور مشرق میں پیٹو درّہ، تنگی درّہ دچھوٹے درّے ہیں (یہاں سے شمال میں آنے والے درّے لمبے ہوتے جاتے ہیں)۔تنگی درّہ سے آگے سیار درّہ، آسیگی درّہ، رباط درّہ، طورمنگ درّہ، کارو درّہ، نہاگ درّہ، اوسوڑئی درّہ، کدی خیل درّہ، عشیرئی درّہ، ڈوگ درّہ، گوالدئی درّہ اور درّہ کوہستان مشہور درّے ہیں۔ان درّوں میں درجنوں بانڈے واقع ہیں۔ پرانے زمانے میں بانڈہ ایک ایسی چھوٹی وادی یا سبزہ زار کو کہا جاتا تھا جسمیں چراگاہیں اور گھاس پوس پائی جاتی ہو۔موسم سرما میں سخت سردی کی وجہ سے لوگ ان

باندوں سے نقل مکانی کرتے تھے لیکن اب اپنے مقامات پر لوگ مستقل طور پر بھی رہائش پذیر ہیں۔

اسی طرح درہ کوہستان کے بالائی شمال اور مغرب میں [illegible] درہ، [illegible] درہ، [illegible] درہ،
املوک نار درہ، سلطان خیل درہ، [illegible] درہ، [illegible] درہ اور [illegible] درہ مشہور درے ہیں۔ ان دروں کے
علاوہ خال میں القمان باندہ اور منجائی کے پاس پہاڑوں میں سر باندہ اور آسمان باندہ مشہور باندے
ہیں۔ ان دروں کی اوسط لمبائی پندرہ تا پچاس کلومیٹر اور چوڑائی ایک کلومیٹر سے لیکر پانچ کلومیٹر تک ہے۔
ان دروں میں برفیلے پہاڑوں کی برف پگھل کر ندیوں کی شکل میں دریائے پنجکوڑہ میں جا گرتا ہے۔

درّہ کوہستان

درّہ کوہستان دیر کی انتہائی شمال میں مشرقی جانب ایک بہت بڑا درہ ہے۔ دیر وادی جنوب میں
زولم پل (ترکی) نامی مقام سے لیکر شمال میں اپنی آخری حد اواری سر تک ایک سو میل کلومیٹر ہے جبکہ درّہ
کوہستان اپنے دروازے (گیٹ وے) خوگواو چنا می مقام سے کمراٹ تک ایک سو پچاس کلومیٹر لمبا ہے
اس درہ میں کمراٹ سے بھی آگے بہت بڑے وسیع لیکن غیر آباد علاقے واقع ہے۔ اہلیان کوہستان کا کہنا
ہے کہ کمراٹ سے آگے سوات کے حدود تک تیرہ باندے واقع ہیں۔ یہ جان کر حیرت ہوئی کہ صرف
کوہستان کا درّہ اتنا وسیع وعریض ہے کہ دیر و جندول وادیاں اس میں آسانی سے سمائی جا سکتی ہے۔

میدانی علاقے

سیند (سین)

جغرافیائی لحاظ سے یہ وادی دیر کا حصہ ہے۔ سیند پشتو زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دریا کے
ہیں۔ وادی دیر میں دریائے پنجکوڑہ کے کنارے جنوب میں خزانہ نامی مقام سے شمال میں خال قصبہ تک
میدانی علاقے واقع ہیں۔ مذکورہ علاقے دریا کی سطح سے نشیب میں ہونے کی وجہ سے اس کے پانی سے
سیراب ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ علاقے ریاستی دور میں سیند کے نام سے پکارے جاتے تھے جو اب بھی
رائج ہے۔

جندول و پایہ خیل (پائی خیل)

سیند سے مغرب کی جانب جندول کی طرف ولنی کنڈاؤ (ولنی پہاڑی) سے اتر کر باجوڑ کی طرف ارنگ برنگ کے کنارے جندول وادی کے میدانی علاقے شروع ہوتے ہیں۔ وادی جندول کے زیریں حصوں کو پائی خیل کا یہ نام یہاں آباد قوم اوتٰی خیل کی شاخ ''پایہ خیل'' کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ وادی جندول کا یہ سبزہ زار میدانی علاقہ دریائے جندول ''روڈ'' (بڑی ندی) سے سیراب ہوتا ہے۔

تالاش وادین زئی

وادی دیر کے جنوب میں سیند وادی ختم ہو کر کامرانی پہاڑ کے اس پار تالاش سے ادین زئی، چکدرہ، دیر کے وسیع ہموار (میدانی علاقے) ہیں۔ یہ علاقے کافی وسیع وعریض ہیں۔ نوابی دور میں یہ علاقے بنجر اور غیر آباد تھے لیکن اب ٹیوب ویلوں کے نظام کی وجہ سے یہ بنجر صحرا ایک سبزہ زار میں تبدیل ہو چکا ہے۔

اہم مقامات کی سطح سمندر سے بلندی (فٹوں میں)

مقام	بلندی	مقام	بلندی
چکدرہ	2240	گام سیر	4572
اوچ	2742	سیدگئی ڈنڈا	13388
شمشی خان	2624	پلم	5248
تیمرگرہ	2460	تارپتار	4592
منڈا	2952	دیر خاص	4920
بن شاہی	9095	براؤل (بانڈی)	4890
بن شاہی کنڈاؤ	7901	پاتراک	6926
طورمنگ گاؤں	3306	جاز بانڈہ (جھیل کوہستان)	13903
واڑی	3280	لاموتئ	6895
بھائی کنڈاؤ نہاگ درّہ	9712	تھل	7205
عشیری درّہ (گورکھی)	7645	کمراٹ (کوہستان)	7216

دیر کے پہاڑ

دیر کے پہاڑ [illegible]

لواری پاس [illegible] مغرب کی جانب افغانستان [illegible]

کے پہاڑوں سے مشرق کی جانب [illegible]

اونچائی تقریباً [illegible] ہزار (19000) فٹ سے [illegible]

چکدرہ کے آس پاس ان پہاڑوں کی اونچائی [illegible]

[illegible]

چوٹی کا نام	بلندی (فٹ)	[illegible]	[illegible]
اندو یر (دیر کی چوٹیوں کی ماں)	18860	[illegible]	[illegible]
[illegible] آن	16744	[illegible]	[illegible]
[illegible] کوہ آن	14788	[illegible]	10200
[illegible]	13676	[illegible]	[illegible]
[illegible] (شینگئی)	13237	[illegible]	7200

دیر کی جغرافیائی اہمیت

قدرت خداوندی نے [illegible] جغرافیائی حیثیت [illegible]

کا ثبوت یہ ہے کہ دنیا کے عظیم سپہ سالاروں نے [illegible]

رخ کیا۔ سکندر اعظم یہاں کابل کی طرف سے آئے [illegible]

کنشک اور اشوک گندھارا سلطنت کے عظیم حکمران [illegible]

ماہرین کا خیال ہے کہ ان بادشاہوں نے [illegible]

اس طرف مائل ہونا پڑا [illegible]

مغل بادشاہوں نے یہاں [illegible]

کی۔ خوشحال خان خٹک نے [illegible]

ہے۔ برطانیہ کے سابقہ وزیراعظم ونسٹن چرچل کے علاوہ برطانیہ کے کئی نامور جرنیلوں نے چکدرہ قلعے میں ایک عرصے تک قیام کیا۔ یاد رہے کہ چکدرہ دیر کا دروازہ ہے اِسی مقام پر شمال کی جانب دریائے سوات کا پل پار کر کے دیر کی حد شروع ہوتی ہے۔ جنوب کی طرف سے گندھارا سے ایک اہم ریاست مساگا جانے والے راستے پر ملاکنڈ کو مرکزی گیٹ وے کا درجہ حاصل تھا۔ باجوڑ اور ناواگئی نے کابل سے دیر کے لئے باب خیبر جیسا کردار ادا کیا اور شمالاً ھندوکش کے سلسلوں میں واقع شاہی پاس اور لواری پاس بھی عظیم سپہ سالاروں کی گزرگاہیں رہی ہیں۔

باب اوّل

ریاست دیر کا قدیم دور

ریاست دیر پر انسانی آبادکاری کا آغاز

عہد انگیشیہ کے (چھ سو تیس لگ بھگ) ریاستوں میں سے ایک ،ہندوکش کے عظیم پہاڑی سلسلوں کے سائے تلے "ریاست دیر" ہزاروں سال قدیم ،سنہری اور عظیم تاریخ رکھتی ہے۔ یہاں کے پ علاقے میں قدیم آثار کا نظر آنا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس سرزمین پر معلوم نہیں انسان کب سے آباد ہوا۔ یہاں کتنی بادشاہتیں گزری ہونگیں کتنی تہذیبیں پروان چڑھی ہونگیں لیکن مورخین اور آثار قدیمہ کے ماہرین دیر کی تاریخ کو اب تک صرف چار ہزار سالوں تک بنانے ،سنوارنے اور دریافت کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں ۔

دریائے پنجکوڑہ کا جنم

چار ہزار سال سے پہلے کی سرزمین دیر کی تاریخ چونکہ تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے اسلئے یہاں سب سے قدیم ترین تہذیب یا انسانی آبادکاری کے آغاز کا اندازہ لگانے کیلئے ہمیں دیر کی جغرافیائی اہمیت ،پانی ،سبزہ زاروں کی فراوانی اور چند دوسرے خدوخال پر نظر ڈالنی ہوگی۔ اللہ تعالی نے جب سے یہ زمین بچھائی اور اس پر ہندوکش و ہندوراج کے پہاڑ کھڑے کئے تو اس وقت ان فلک بوس پہاڑوں پر برف پڑی اور جب سورج کی کرنیں اس برف کو پگھلانے لگیں تو شاید اس وقت سے دریائے پنجکوڑہ نے جنم لیا ہوگا۔ زمین کی پیدائش اور پنجکوڑہ کے جنم کے بعد تیسرے مرحلے میں سبزہ زاروں اور گھاس پھوس نے دریا کے کناروں کو پھولوں کا ہار پہنایا ہوگا۔ ان سے نہ صرف مجموعی طور پر دلکشی اور خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا بلکہ یہی سبزہ زار اور دریائے پنجکوڑہ کی موجیں دور قدیم سے انسان کو اپنی طرف مائل بھی کرنے لگیں۔

دیر قدیم ترین تہذیبوں والی سرزمینوں کا پڑوس ہے

ثمرقند، کابل اور گندھارا کی قدیم سلطنتیں، انسانی آبادکاری کے لحاظ سے، ہزاروں سال پرانی تاریخ رکھتی ہیں۔ دیر کی سرزمین چونکہ ان کے پڑوس میں واقع ہے لہذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اگر ہزاروں سال قبل پتھر کے دور میں ان علاقوں پر انسان آباد تھے تو ہوسکتا ہے کہ انکی ہم عصر تہذیب یہاں بھی آباد رہی ہوگی اور یہ غلط ہوگا کہ دیر اور سوات کے گنگناتے دریا اور سبزہ زار اس زمانے میں انسانی آبادی سے خالی تھے۔

قدیم دور کے انسانوں کا سفر

قدیم دور کا انسان ہزاروں میل کا سفر پیدل یا گھوڑے پر آسانی سے کرتا تھا جیسے سکندر اعظم کا یونان سے یہاں آنا، تیمور بادشاہ کی فوجوں کا گھوڑے کی کمر پر ہزاروں میل سفر کرکے نہ تھکنا اور بابر بادشاہ کا، کابل سے ہندوکش کی طرف آنا یا ہندوستان پر حملہ آور ہونا، اس کی مثالیں ہیں۔ دورِ قدیم کے انسان کے سفر کے اس حوصلے اور ہمت کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہزاروں سال قبل کابل، ثمرقند یا گندھارا پر انسان آباد تھے تو وادی دیر کی پُرکشش سرزمین بھی ان تہذیبوں کی نظر سے زیادہ عرصے تک اوجھل نہ رہی ہوگی اور اس تہذیب نے بہت جلد اس علاقے کو بھی اپنی قیام گاہ بنایا ہوگا۔

جنگلی جانوروں کی بہتات

قدیم دور میں دیر اور سوات کی خوبصورت وادیاں ایک طرف انسانوں کیلئے دریاؤں، جنگلات، برف پوش پہاڑوں سے مالا مال اپنی حسن اور دلفریبی کے لحاظ سے جاذب کشش رہیں۔ وہاں پتھر کے دور کا انسان چونکہ جانوروں کے گوشت پر گزارہ کرتا تھا اور یہاں گوشت کی فراوانی ہوتی تھی یہی ایک اور وجہ ہوسکتی ہے کہ قدیم دور کا انسان یہاں بود و باش کیلئے آیا ہوگا۔ انہی باتوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دیر اور سوات کی سرزمینیں انسانی آبادکاری کے لحاظ سے اتنی ہی قدیم ہونگیں جتنی ہندوستان، ثمرقند اور کابل کی دوسری سرزمینیں ہیں۔

پتھر کا زمانہ Stone Age

پتھر کے زمانے سے مراد وہ دور ہے جب تقریباً دس سے پندرہ ہزار سال پہلے ہندوستان یا کابل کے سرزمینوں پر آباد قدیم دور کا انسان غاروں میں رہتا تھا۔ اس دور کا یہ انسان اپنے برتن، شکار کے آلات اور زرعی آوزار پتھر سے بناتا تھا اسلئے ان کا دور پتھر کے زمانے سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس دور کے قریباً سات ہزار سال بعد انسان پتھر کے دور سے نکل کر اپنی استعمال کی چیزیں پتھر کی بجائے تانبے سے بنانے لگا۔ امریکہ ہو یا یورپ، ایشیاء ہو یا افریقہ ہر جگہ پتھر کے زمانے کے انسان کا بہت کم حقیقت پر مبنی تاریخ موجود ہے۔ یہی حال قدیم گندھارا کا بھی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ گندھارا کے حصے "دیر" میں پتھر کے زمانے کی تاریخ تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہاں پتھر کے زمانے میں انسانی آبادکاری کے آثار پائے جاتے ہیں۔ دیر میں چند ایک مقامات پر قدیم زمانے کے غار ہیں۔ یہ قدیم غار املوک درّہ، نہاگ درّہ (جاگام) دارمال بالا، کامرانی سر کے مقامات پر واقع ہیں۔ یہ غار اپنی تاریکیوں میں بہت سے راز لئے ہوئے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ پتھر کے دور میں انسان نے جب گھر بنانا نہیں سیکھا تھا تو وہ ایسے ہی غاروں میں زندگی بسر کرتا تھا۔ ان غاروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں چند میٹر آگے جا کر آنکھوں کے سامنے گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے اور کافی تیز ٹارچ یا لالٹین کی روشنی بھی بے کار ہو جاتی ہے۔ امید ہے ان غاروں اور یہاں پتھر کے دوسرے آثار پر مستقبل میں ماہرین کام کرینگے اور دیر کی قدیم تاریخ کو اور بھی قدیم اَدوار تک لے کر جائینگے۔

دراوڑ تہذیب Dravadians

پتھر کے زمانے کے بعد دیر کی قدیم تاریخ میں دراوڑ قوم کا ذکر آتا ہے۔ یہ تہذیب اصل میں موہن جو دڑو اور ہڑپہ کا ہم عصر تہذیب ہے۔ باقیات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ سورج پرست تھے۔ بعض مؤرخین کے مطابق یہ تہذیب والے سانپ (کالے ناگ) کی بھی پوجا کرتے تھے۔ طاقتور قبائل آرین نے انھیں نہ صرف مغلوب کیا بلکہ انھیں اپنا غلام بنا کر داسو پکارنے لگے۔ تاریخ نے یہ بھی محفوظ کیا ہے کہ

---

[1] حال ہی میں ایک غار چکدرہ کرش پلانٹ کے مقام پر دریافت ہوا ہے۔

آرین کے حملوں کے وقت جب یہ قوم بڑی تعداد میں ہیبت کے مارے ہندوکش کی طرف فرار ہورہی تھی تو شدید برف باری اور برفانی طوفانوں میں اس تہذیب کے ہزاروں لوگ برف تلے دب کر مر گئے تھے۔

آرین (آریہ تہذیب) 1500 ق م تا 800 ق م

پشتو (پختو) زبان کی ابتداء پانچ ہزار سال قبل افغانستان (آریانہ) کے صوبہ باختر سے ہوئی دوسری جگہ مؤرخین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ عین اسی زمانے میں آرین اقوام باختر سے ہجرت پر مجبور ہوئیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض مؤرخین افغان پختون کو آرین سے منسوب کرتے ہیں۔ آرین کی اس ہجرت کے دوران ھند میں تین آرین قبائل بھارتا گروپ، بادو گروپ اور پکتیا گروپ کا ورود ہوا۔ بھارتا گروپ اور بادو گروپ ہندوستان کے میدانی علاقوں میں پھیل گئے جبکہ پکتیا نامی قبیلہ ھندوکش کے سائے تلے مشکل پہاڑوں میں آکر رہائش پذیر ہوا۔

مختلف مؤرخین کے مطابق آرین قبائل جب ان شمالی علاقوں میں نمودار ہوئے تو کچھ عرصہ بعد ان کے دس قبائل کے مابین مشہور جنگ ایک دریا کے کنارے لڑی گئی تھی۔ آرین کی مشہور کتاب ''رگ وید'' میں مذکورہ ''تریشاما'' نامی یہ دریا بعض مؤرخین دریائے گوری ''پنجکوڑہ'' سے منسوب کرتے ہیں۔ آرین قبائل ماتا دیوی کی پرستش کرتے تھے۔ ایک مؤرخ دیر میں چکیاتن (جگیہ آستین) علاقہ جو تین دریاؤں کا نقطہ اتصال ہے، کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہی مقام آرین کے ہاں بڑا مقدس تھا، پنجکوڑہ کے کنارے آباد آرین قبائل ایک خاص وقت پر یہاں جمع ہو کر قربانی کرنے کے ساتھ ساتھ مذہبی گیت گایا کرتے تھے، علاوہ ازیں اس موقع پر ان کے مذہبی پیشوا جمع ہو کر مذہبی قانون سازی بھی کرتے تھے۔

فاضل مؤرخ کے دلائل کی روشنی میں یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ 900 ق م میں لکھی گئی آرین کی مشہور مقدس کتاب رگ وید کے بعض حصے اس مقدس زیارت جگیہ آستین (چکیاتن) میں تخلیق ہو چکے ہوں گے۔ مؤرخین کے مطابق سات سو سال تک دیر کی سرزمین پر رہتے ہوئے آرین قبائل 800 ق م میں دریائے سندھ کے میدانی علاقوں تک واپس ہجرت کر گئے تھے۔

---

1 دیر میں داروڑہ کے نام سے ایک قدیم قصبہ بھی ہے۔ شاید یہ دراوڑ قوم کے نام سے منسوب ہو۔

2 دیر کی مختصر تاریخ (جمیل یوسفزئی)

آتش پرست تہذیب Achaemenian (522 ق م)

آرین کی واپسی پر دیر، سوات اور چترال سمیت گندھارا (ٹیکسلا تا ہندوکش کے علاقے) کو ایرانی بادشاہ داریوش اعظم نے فارس کی شہنشاہیت (Persian Empire) میں شامل کرلیا 522 ق م تا 327 ق م تک گندھارا ایرانی سلطنت کا ایک صوبہ رہا۔ ایرانی تہذیب کے غلبے سے یہاں آتش پرستی کا بول بالا ہوا۔ بلامبٹ کے مقام پر اِس آتش پرست قوم کا آتش کدہ دریافت ہوا، پروفیسر احمد حسن دانی کے مطابق یہ ایک بڑا آتش کدہ تھا اور اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ یہ آتش کدہ دریافت ہونے پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ تہذیب والے دریائے پنجکوڑہ کے آس پاس آباد تھے اور بلامبٹ کا آتش کدہ اس تہذیب والوں کی بڑی زیارت گاہ تھی۔ اِس قوم کو بعد میں یونانیوں نے مغلوب کیا۔

وادی دیر اور سوات کا گندھارا سے تعلق

تحقیق کے مطابق گندھارا سلطنت ٹیکسلا سے دریائے کابل اور دوسری طرف ہندوکش تک علاقوں پر مشتمل تھا۔ رگ وید کے مطابق گندھارا کے مشہور بادشاہوں ناگے اور اشوری کے زمانے میں گندھارا کی سلطنت ٹیکسلا سے کشمیر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سلطنت میں دیر اور سوات بھی شامل تھیں۔ مختلف اَدوار میں گندھارا کبھی کابل، ثمر قند، ایران، یونان یا مصر کے عظیم الشان سلطنتوں کا ایک صوبہ رہا اور کبھی کبھی ان عالمگیر سلطنتوں سے خودمختار رہ کر گندھارا خود ایک سلطنت رہا۔ تاریخ نے یہ بھی محفوظ کیا ہوا ہے کہ گندھارا سلطنت کے دارالخلافے مختلف زمانوں میں مختلف رہے جیسے پشاور، پشکلاوتی (چارسدہ)، ٹیکسلا، تخت بھائی، سیالکوٹ اور ھنڈ وغیرہ۔

دیر اور سوات کی حسین وادیاں ان راجدھانیوں کے طاقتور حکمرانوں نے جنگلات کی فراوانی جنگلی جانوروں کی بہتات اور زرخیزی کی وجہ سے اپنی سلطنت میں بزور شمشیر شامل کئے رکھا۔ دیر اور سوات پر ہر دور میں ایک حکمران کی اتنی فوج نہیں ہوتی تھی کہ وہ پشاور پر چندر گپت، اشوک اور کنشک جیسے لاکھوں فوج والے بادشاہوں کا مقابلہ کرسکتے اسلئے مجبوراً یہ علاقے ان کے سلطنتوں کے حصے رہے۔ دیر اور سوات سے اشوک، کنشک اور دوسرے حکمرانوں کے سکے برآمد ہونا اس کا ایک بڑا ثبوت ہے کہ ان بڑے بادشاہوں نے دیر اور سوات کو صوبوں کی حیثیت دے کر یا توان علاقوں پر براہ راست حکومت کی یا

دیراور سوات کے حکمران ان بڑے بادشاہوں کے زیر اثر رہے۔

یونانی تہذیب Greek Civilization (327ق م)

یونان کی ریاست مقدونیہ کے بادشاہ فلپ کا بیٹا سکندر اعظم (356ق م323ق م) دنیا فتح کرنے کی غرض سے وسیع ایرانی سلطنت کے مرکزی دارالحکومت کو قبضہ کرنے کے بعد شمال کی طرف سے کابل پر حملہ آور ہوا۔ کابل کے خزانوں سے چمڑے کی بوریاں بھر کر اسے سر بمہر کر کے اونٹوں پر یونان روانہ کرنے کے بعد یونانی لشکر براستہ ناواگئی ''باجوڑ'' میں داخل ہوا ۔ اولف کیرو کے مطابق بہادر اَسپاسی (Aspassi) قبائل موجودہ ڈیور ینڈ لائن کے دونوں طرف آباد تھے ۔ اس قبیلے نے انجانے میں یونانیوں سے ٹکر لی جس کے نتیجے میں ایک خونریز جنگ چھڑ گئی بھر پور مزاحمت کے باوجود اَسپاسی مغلوب ہوئے۔ یونانیوں نے ظلم و بربریت کی ایسی داستان رقم کی کہ پاس ہی ایک مشہور قبیلہ ''گورائے'' Guraios جو ''چنداول'' جندول کے قرب و جوار میں آباد تھا، نے یونانیوں سے لڑنے کی بجائے ڈر کے مارے جنگی تاوان کے لئے ہامی بھرلی۔

یہاں سے سکندر اعظم نے تینوں قبیلوں کے دو لاکھ سے زائد چاق و چوبند گھوڑوں اور اعلیٰ نسل کے بیلوں کو اپنی فوج کے ایک حصے کی کمان میں یونان روانہ کیا۔ اب یونانیوں کا اگلا ہدف ریاست مساگا تھی جس کے حکمران راجہ ارنس کی طاقت کے بارے میں انھیں کابل میں بتایا جا چکا تھا۔ راجہ پر چڑھائی کی غرض سے ہزاروں سپاہیوں پر مشتمل یونانیوں کے لشکر نے براستہ خزانہ دریائے پنجکوڑہ کی موجیں پار کیں اس دریا کو یونانی مئورخین نے (khoes) کا نام دیا ہے۔

ریاست مساگا پر یونانیوں کی یلغار

ریاست مساگا پر طاقتور حکمران راجہ ارنس، شاہ ایران داریوش سوم کا ماتحت تھا۔ اس راجہ کی قوم کا نام اَساکینی (Assakenoi) تھا۔ ''دی پٹانز'' (The pathans) اور ''افغان'' کتابوں کے حوالوں کے مطابق مساگا ریاست لواری تا اٹک اور بونیر، سوات و باجوڑ تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس ریاست میں تین بڑے شہر تھے، بازیرا (Bazera) (سوات بریکوٹ)، اورا (Ora) (سوات اوڈیگرام) اور

مساگا (Masaga) (دیر تالاش)۔ اولف کیرو اور پروفیسر احمد حسن دانی کے مطابق تالاش کا ایک گاؤں مچو (Machaw) ہی مساگا ریاست کی راجدھانی تھی۔

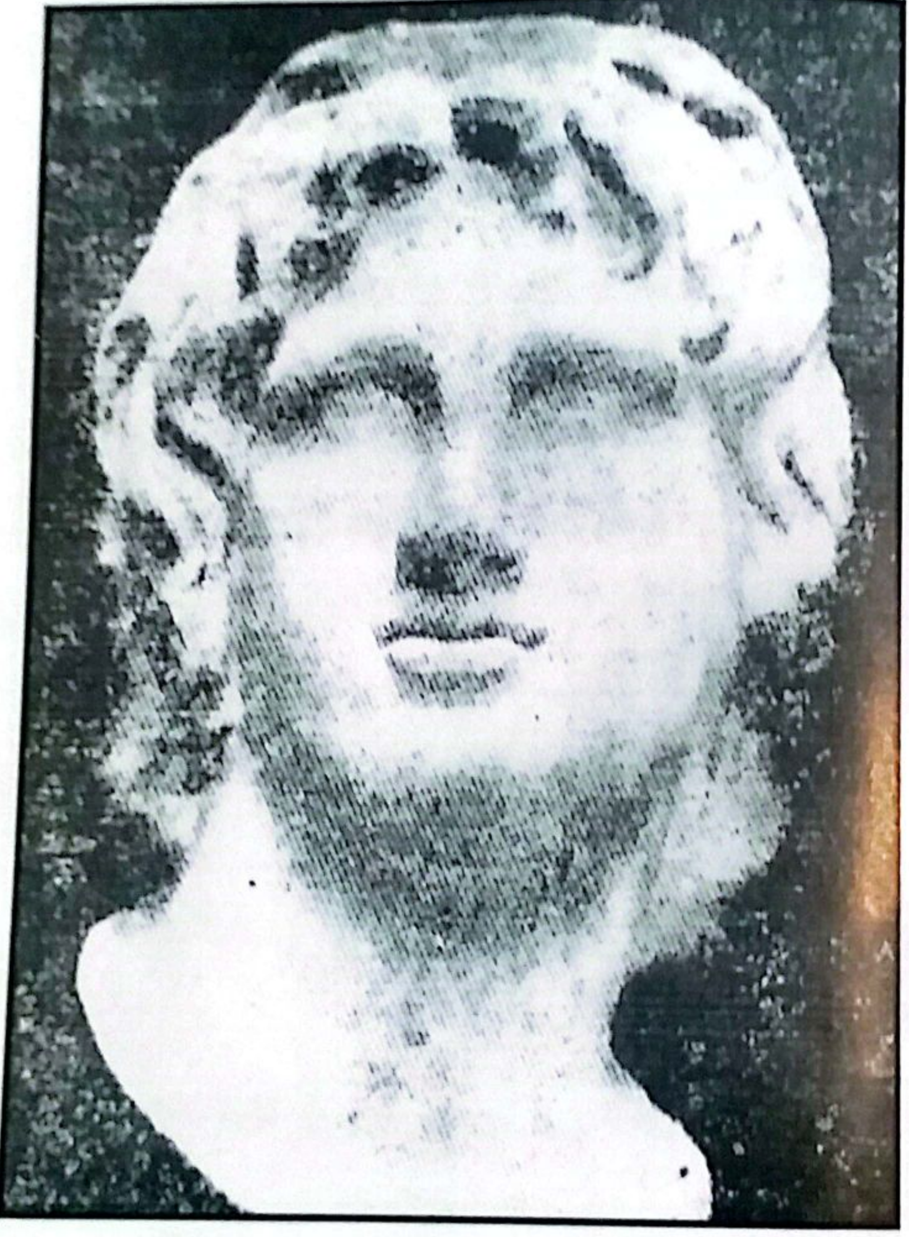
جنرل پٹولیم جو یونان کی فوج میں پچیس سالہ نوعمر جرنیل تھا۔ اس کی تحریریں سکندر کے بارے میں اہم ماخذ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اطاعت کے پیغام پر جنگ کو ترجیح دیکر راجہ ارکس کی فوج صف آراء تھی۔ یونانی لشکر مساگا میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ عین وسط میں ایک عظیم الشان برجوں والا قلعہ ہے اور اس کے سامنے پہاڑوں پر چھوٹے دفاعی قلعوں کے سروں پر ہزاروں تیر انداز چوکس کھڑے ہیں۔ دیر کے عجائب گھر کے ڈائیریکٹر، زین الوہاب کے بقول مشہور یونانی مورخ اریان لکھتے ہیں کہ "راجہ ارکس کی تیس ہزار فوج میں پیدل، ہزاروں گھڑسوار اور تیر اندازوں کے علاوہ تین سو جنگی ہاتھی بھی ہراول دستوں میں شامل تھے"۔ اتنی بڑی مقدار میں ہاتھی پالنے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مساگا کی ریاست اس زمانے میں ہرے بھرے اور گھنے جنگلات پر مشتمل تھی۔ راجہ کا سارا لشکر پہلے باہر تھا لیکن جیسے ہی انھوں نے یونانیوں کی تعداد اپنی فوج سے زیادہ دیکھی تو فوجی حربے کے طور پر راجہ کا لشکر قلعے کے اندر داخل ہوکر مورچہ زن ہوگیا۔

یونانی سینکڑوں جنگوں کا تجربہ رکھتے تھے لیکن راجہ کا لشکر بھی پرامید تھا۔ سکندر اعظم قلعہ کے عین سامنے پہاڑی پر چڑھے اور اپنی فوج کو قلعہ محاصرے میں لینے کیلئے حملوں کی ترکیب بتا رہا تھا۔ اس زمانے کی جنگوں کا اہم ہتھیار تیر کمان تھا۔ کہتے ہیں کہ صبح سے شام تک یونانیوں کی طرف سے قلعہ پر تیروں کی بوچھاڑ جاری رہی، قلعہ کی فصیلوں سے راجہ کا لشکر بھی مخالف پر کسی وار کو خطا نہیں جانے دیتا تھا۔ یونانی مورخین نے لکھتے ہیں کہ "راجہ کی فوج توقع کے برعکس زیادہ مزاحمت دکھا رہی تھی"۔

یونانی تیرانداز کا نشانہ

راجہ ارکس بھی اپنی فوج کے شانہ بشانہ لڑتے ہوئے قلعے کے اوپر جنگی منصوبہ بندی میں مصروف تھا کہ بدقسمتی سے ایک یونانی جرنیل کے تیر کی زد میں آئے جس سے کچھ دیر بعد قلعہ میں خاموشی چھا گئی۔ سکندر اعظم نے اندازہ لگایا کہ وہ فتح یاب ہو چکا ہے۔

۱۔ بعض مورخین اسی پٹولیم کو سکندر اعظم کا قاتل سمجھتے ہیں۔



سکندر اعظم

راجہ کی موت کے بعد جرنیلوں اور وزراء نے ملکہ سے مشورہ کیا۔ جس کے کچھ دیر بعد حسین دوشیزاؤں کی قیادت میں ملکہ اپنے بڑے بیٹے کو لئے سکندر اعظم کے پاس پہنچی ملکہ نے یونانی جرنیل کو سونے کی پیالی میں شراب پیش کیا اور اپنے بیٹے کو اپنی افواج اور رعایا کی جان بخشی کی غرض سے ان کے قدموں میں ڈال دیا۔

مختلف مؤرخین کے مطابق یونانی دیوتا نے ملکہ کی حسن سے متاثر ہو کر نہ صرف اسکی رعایا کی جان بخشی کی بلکہ راجہ کے بیٹے کو اپنی طرف سے مساگا کا حاکم بنا دیا۔ تاریخ کا یہ بھی حصہ ہے کہ اگلے سال ملکہ کے ہاں ایک لڑکے کا جنم ہوا جس کا نام الیگزینڈر Alexander رکھا گیا۔ زین الوہاب اس کے برعکس جنرل پٹولیم کی کتاب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ فتح یاب ہو کر سکندر کے جوشیلے الفاظ یہ تھے "اس قبیلے کے ہر فرد کو چن چن کر مارو اگر یہ لوگ بچ گئے تو یونانیوں کیلئے یہاں حکومت کرنا مشکل ہوگی۔"

یونانیوں نے وترا (Vitra) نامی علاقوں تک اُساکینوں کا تعاقب کیا۔ یاد رہے کہ راجہ تو قتل ہوئے لیکن اس نے یونانیوں کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے، اور ایک اہم واقعہ یہ کہ سکندر اعظم ساری دنیا فتح کرتے ہوئے اس لڑائی میں پہلی مرتبہ تیر لگنے سے شدید زخمی ہوئے۔

اولف کیرو نے نہ صرف مساگا کا پورا نقشہ بنایا ہے بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ سکندر معرکہ مساگا سے فارغ ہو کر منگلور کی طرف گامزن تھے کاٹ کلہ میں زخمی پاؤں کی سوجن محسوس کر کے اس نے اپنے ایک جرنیل سے کہا۔

"This my friend is blood, it is not ichor" (ichor دیوتاؤں کے پاؤں سے بہنے والا خون) یعنی سکندر اعظم جس نے ایران اور کابل کی عظیم الشان سلطنتیں فتح کیں لیکن اسے وہاں خراش تک نہ آئی تھی لیکن مساگا میں تیر لگنے سے اسے احساس ہوا کہ یونانی اسے مشتری کا بیٹا Jupitar پکارتے تھے۔ زخمی ہونے پر انہوں نے کہا کہ میں دیوتا نہیں انسان ہوں۔

ا "یوسفزئی افغان" اللہ بخش یوسفی

۲ "دی پٹانز" (The Pathans) صفحہ 53

سکندر اعظم کا فلم

دیر عجائب گھر کے انچارج ہدایت اللہ خان کے مطابق "3 جون 2001 کو دو یونانی طالب علم یونان سے اپنے ساتھ ایک نقشہ لائے تھے جس میں سکندر اعظم کے یہاں آنے اور واپس جانے کے سارے اشارے اور نشانات موجود تھے"۔ ان کا کہنا تھا کہ "ہم یونان سے براستہ ایران اور کابل آئے اور پھر باجوڑ۔ اور ہم دیر سے ہو کر اسی راستے پر جہاں جہاں سے الیگزینڈر کا لشکر گزرا تھا واپس یونان جائینگے"۔ ان کے مطابق "ہم سکندر اعظم کا اصل روٹ معلوم کر کے ایک فلم بنا رہے ہیں"۔

یہ طلباء اپنے نقشے میں کاٹ کولا Kotkula اور (مساگا) Messaga کے بارے میں معلومات چاہتے تھے۔ جس کے لئے ہم انہیں کاٹ کولا کیلئے اوچ خوڑ کے گاؤں اور مساگا کیلئے پلو گاؤں تلاش لے گئے جہاں یونانی فلم میکروں نے فوٹو گرافی کر کے فلم کے لوازمات پورے کئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یونانی نہ صرف معرکہ مساگا سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، بلکہ سکندر اعظم کی ساری فتوحات کے حالات واقعات کیساتھ قدیم نقشے بھی یونانیوں نے محفوظ کر رکھے ہیں۔

یونانی لشکر 327 ق م میں کابل سے جلال آباد اور وہاں سے ناوا گئی، چندول، مساگا، کاٹ کلا، منگلور، کنڑ اکنڑ، بونیر، امبیلہ سے ہو کر ہنڈ ہزارہ گیا۔ جہاں ایک مقام پر یونانی فوج کا اپنے اس حصے سے ملاپ ہوا جو کابل سے سکندر اعظم نے تقسیم کر کے براستہ خیبر دوسری مہمات کیلئے بھیجا تھا۔ ریاست مساگا کو یونان میں شامل کرنے کے بعد سکندر نے یہاں اپنے نام کے سکے جاری کئے۔ یونانیوں کے ان حملوں سے سوات اور دیر پر دو سو سال تک یونانی تہذیب کا اثر رہا۔ یاد رہے کہ دیر سے آگے پیش قدمی کے دوران صرف ٹیکسلا کے حکمران راجہ پورس تھے جنہوں نے اپنے راجدھانی میں ایک بار پھر یونانی دیوتا کی بھرپور مزاحمت کی تھی۔ الغرض "معرکہ مساگا" راجہ پورس سے یونانیوں کی جنگ کے بعد دیر اور پورے برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

موریہ خاندان Mauryan Empire

جب سکندر اعظم بتیس سال کی عمر میں بخار میں مبتلا ہونے سے وفات ہوئے تو عظیم یونانی سلطنت کا صوبہ گندھارا اس کے مشہور جرنیل سلوکس (Seleucs) کے حصے میں آیا کیونکہ تخت یونان کا

جانشین نہ ہونے سے وسیع یونانی سلطنت جرنیلوں نے آپس میں بانٹ لی تھی۔ سلوکس سے چندر گپت موریہ نے گندھارا قبضہ کر کے 321 ق م میں موریہ خاندان Mauryan Empire کی بنیاد رکھی چندر گپت فوجی لحاظ سے گندھارا کا ایک نامور اور طاقتور حکمران گزرا ہے جس کی فوج چھ لاکھ تنخواہ دار سپاہیوں، تیس ہزار گھڑ سواروں اور نو ہزار جنگی ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔

چندر گپت خود جین مت کا پیروکار تھا لیکن انھوں نے بدھ مت کی تبلیغ پر پابندی عائد نہ کی۔ چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا بندوسار، جانشین بنا جنہوں نے 300 ق م تا 273 ق م تک حکومت کی۔ موریہ خاندان میں بندوسار کے بعد چندر گپت کا پوتا اشوک اعظم 273 ق م تا 232 ق م گندھارا کا حکمران رہا۔ انھوں نے بدھ مت کو سرکاری مذہب کا درجہ دیا جس سے سورج پرستی، جین مت اور یونانی مذاہب کو زوال آیا۔

کشان خاندان kushan empire

موریہ خاندان کے زوال پر گندھارا سلطنت کا اقتدار باختری یونانیوں کے ہاتھ آیا جنہوں نے اس سلطنت کے حدود ہندوکش سے پنجاب اور کابل تک پھیلائے۔ باختری یونانیوں پر ایران سے پارتھی parthian قبائل اور وسطی ایشیاء سے ساکا (Scythians) قبائل نے حملہ ہو کر اقتدار چھین لیا۔ ساکا شہنشاہیت کا پہلا بادشاہ Azes1۔58 ق م میں گندھارا کا حکمران بنا۔

50 ء میں چین کے سرحد پر آباد Yueh.chi قبیلے کی ایک شاخ کشان کے بادشاہ Vima Kadphisis نے حملہ کر کے ساکا شہنشاہیت کا چراغ گل کیا۔ راجہ کنشک 78ء میں اس بادشاہ کا جانشین بنا۔ سلطنت گندھارا پر کشان خاندان کا یہ مشہور حکمران 120ء تک پشاور پر تخت نشین رہا۔ کنشک نے اشوک کے طرز پر بدھ مت اور گندھارا آرٹ کو بام عروج تک پہنچایا۔ یاد رہے کہ کشان خاندان کا تختہ ساسانی شہنشاہیت کے بانی شاہ پور نے 226ء میں الٹ ڈالا اور اسی طرح ساڑھے پانچ سو سال بعد گندھارا ایک بار پھر وسیع ایرانی سلطنت میں مدغم ہوا۔

بدھ مت Budhism

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے 403 سال قبل موجودہ ریاست نیپال کے سرحد کے قریب کپل وستو نامی ریاست میں بادشاہ کے ہاں مایا Maya نامی عورت کے بطن سے ایک بچے نے جنم

لیا۔ جوان ہو کر اس شہزادے نے تخت و تاج کو ٹھکرا کر فقیری کی زندگی اپنائی اور کئی عرصے تک جنگلوں میں جوگا بیا سا گھومتے پھرنے اور بہت سی تکالیف برداشت کرنے کے بعد ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اس شہزادے کا اصل نام سدھارتھ تھا جو بعد میں گوتم بدھ کے نام سے مشہور ہوا اور ان کے مذہب نے بدھ مت کا نام حاصل کیا۔ پروفیسر فدا اللہ سحرائی لکھتے ہیں کہ "گوتم بدھ نے اسی (80) سال کی عمر میں کوشی نارا کے مقام پر ایک بیماری کی وجہ سے وفات پائی۔ ان کی جائے وفات آج کل "کاسیا" کے نام سے مشہور بھارت کے صوبہ اترپردیش میں ضلع گورکھپور میں واقع ہے"۔

گوتم بدھ کی چتا جلانے کے بعد آپ کی راکھ کو آٹھ سلطنتوں کے بادشاہوں نے مساوی تقسیم کرتے ہوئے اپنی اپنی راجدھانیوں میں دفن کیا اور ان تبرکات پر آٹھ عظیم الشان سٹوپے تعمیر کئے۔ ان سٹوپوں کی عبادت کیلئے ہزاروں لوگ روزانہ حاضری دیتے۔ دو سو اٹھائیس سال گزرنے کے بعد راجہ اشوک نے اپنے دور میں ان آٹھ میں سے سات سٹوپوں کو کھولا اور گوتم بدھ کی مقدس راکھ کو اپنی سلطنت کے سینکڑوں شہروں اور ہزاروں قصبوں میں تقسیم کرتے ہوئے لاتعداد سٹوپے تعمیر کئے۔ اسی طرح گوتم بدھ کی راکھ کو لئے بدھ مت والوں نے دیر اور سوات میں بھی سینکڑوں سٹوپے تعمیر کئے۔ بدھ مت کا مذہب گندھارا (دیر، سوات سمیت) کے علاقوں میں نو سو سال تک رائج رہا۔

بدھ مت کا مذہب نیپال سے گندھارا کیسے پہنچا؟ صاحبزادہ زاہد شاہ لکھتے ہیں کہ "ایرانی سلطنت کے عروج کے وقت گوتم بدھ کا ایک بڑا پیروکار "رشی مدھیانتکیہ" اپنے پانچ سو چیلوں کے ہمراہ ریاست کشمیر آیا۔ وہاں سے یہ سینکڑوں مبلغین ایران کے سرکاری مذہب آتش پرستی پر غالب آنے کیلئے ایک دوسری ریاست جس کی راجدھانی موجودہ سیالکوٹ کے آس پاس تھی، میں چلے آئے۔ یہاں کے حکمران کا نام اترا سینا تھا۔ انھوں نے ان مبلغین کو نئے مذہب کے تعلیمات پھیلانے سے نہیں روکا بلکہ بھرپور معاونت کی۔ یہ دیر اور سوات سے پشاور تک بدھ مت کے آنے کی ابتداء تھی"۔ اس وقت سے بدھ مت رفتہ رفتہ پھیلتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد جب یونانیوں نے ایرانی سلطنت کا خاتمہ کیا تو بدھ مت کے مبلغین نے بدھ مت کی پرچار میں تیزی لائی اور سورج پرستی کو زوال آیا۔ یونانیوں کے بعد موریہ خاندان کا ایک حکمران مہاراجہ اشوک 273 ق م میں گندھارا کا حاکم بنا۔ انھوں نے گندھارا میں بدھ مت کو سرکاری مذہب قرار دیا اور یوں بدھ مت کا بول بالا ہوا۔



مہاتما بدھ (گوتم بدھ)





مہاتما بدھا (گوتم بدھ)



گوتم بدھ کے محل چھوڑنے کا منظر

چینی زائرین کی آمد

اشوک و کنشک کے اَدوار میں بدھ مت میں اصلاحات ہونے کے ساتھ ساتھ ہزاروں خانقاہیں قائم کی گئیں، مذہبی اصول بنائے گئے، ہر خانقاہ میں مہاتما بدھا کے درجنوں مجسمے نصب کئے گئے جس کے سامنے بدھ راہب نیم عریاں لباس میں وعظ میں مصروف رہتے تھے۔ تین سو سالوں میں بدھ مت کا چرچا یہاں سے ہر طرف پھیل گیا۔

تیسری صدی عیسوی میں چین سے ہندوکش کے برف پوش پہاڑوں کے راستے بدھ زائرین کے قافلے آنا شروع ہوئے ان زائرین میں فاہیان Fa.hien(339ءتا414ء) پہلا فلسفی چینی سیاح تھا جو سواستو Su.p,o.su.tu (سوات کا قدیم نام) آیا۔ 503ء میں سنگ ہیون اور (629ءتا645ء) میں ہیون تسانگ (Hiun - Tsang) آیا۔

اورل سٹین نامی ایک انگریز جو کہ ماہر آثار قدیمہ تھا اور 1925ء میں سوات آیا تھا۔ وہ اپنی کتاب میں ہیون تسانگ کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں کہ ''انھوں نے اپنے قیام کے دوران اپنی تحریروں میں لکھا تھا کہ دریائے سوات کے کنارے چودہ سو خانقاہیں ہیں اور ان میں اٹھارہ ہزار بھکشو (بدھ مت کے طلباء) علم و عبادت میں مصروف رہتے ہیں''۔

ہیون تسانگ کے بعد 752ء میں وو کنگ (wu.k,ung) آخری چینی سیاح جب سوات آئے تو وہ نہ صرف بدھ مت کی تعلیمات سے فیض یاب ہوئے بلکہ کافی عرصے تک سوات میں ایک خانقاہ کے راہب بنے رہے۔ یہ چینی زائرین انھی خانقاہوں سے علم حاصل کر کے تبلیغ کے لئے واپس چین جاتے آج بدھ مت چین کا ایک بڑا مذہب ہے جسے چینی زائرین نے اس زمانے میں ہندوکش کے کٹھن اور سخت پہاڑوں کے اس پار منتقل کیا تھا۔

گندھارا آرٹ Gandhara Art

اشوک و کنشک بادشاہوں نے بدھ مت کو سرکاری مذہب کا درجہ دیا جس کے باعث گندھارا کے نام سے ایک آرٹ نے جنم لیا جس میں سنگ تراشی، کندہ کاری، مجسمہ سازی، تختہ سازی کا فن اپنے

نمبر1: The Elexander Invasion P.25 (Aural Stein)

عروج کو پہنچا۔چینی سیاحوں کی تحریریں بتاتی ہیں کہ گندھارا کے علاقوں میں ہزاروں مزدور سرکاری تنخواہ پر
دن رات پتھر کی کانوں میں کام کرتے اور بڑے بڑے پتھر نکالا کرتے ، پھر یونانی، مصری اور مقامی مجسمہ
سازان پتھروں کو بڑی ہنرمندی سے تراش کرفن پاروں کی شکل میں ڈھالتے ۔ماہرین آثار قدیمہ کا دعویٰ
ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں گندھارا سلطنت کے کونے کونے میں گزرگاہوں کے کنارے دیوہیکل تختے
لگے تھے۔جس پر علاقوں کے فاصلے اور معلومات کے علاوہ بدھ مت کے مذہبی اصول کندہ ہوتے تھے۔
400ء میں گندھارا آرٹ بین الاقوامی سطح پر مشہور ہوا حتیٰ کہ ٹیکسلا کی یونیورسٹیوں میں آرٹ
وفن سیکھنے کیلئے یونان اور مصر سے بھی طلباء آکر مجسمہ سازی سیکھتے تھے۔530ء میں ھنوں کے حملوں نے
گندھارا آرٹ تباہ کر ڈالا اور 700ء میں بدھ مت کو بھی زوال آیا۔1800ء میں آثار قدیمہ کے
ماہرین نے ان تباہ شدہ مجسموں کو نکالا اور شیشے کی الماریوں میں مزئین کیا۔آج پورے برصغیر میں کوئی
عجائب گھر گندھارا آرٹ کے نمونوں سے خالی نہیں بلکہ ایسا عجائب گھر جسمیں گندھارا آرٹ کے نمونے نہ
ہوں نامکمل کہلایا جاتا ہے۔

دیر میں، بامبولئی، بت قلعہ، دھم کوٹ، باڑوان، جبہ گئی، مچو، املوک درّہ، راموڑہ، گنبد، کاٹ کلہ،
سدو وشیکولئی، انڈان ڈھیرئی، چٹ پٹ اور خیمہ نہ صرف بدھ مت تہذیب کی مشہور بستیاں تھیں بلکہ انھی
مقامات پر بڑی بڑی خانقاہیں بھی واقع تھیں۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ چالیس سالوں کی تحقیق کے
دوران یہاں سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں گندھارا آرٹ کے نمونے حاصل کئے جاچکے
ہیں۔

گندھارا آرٹ میں پتھروں پر کندہ تصویریں اس زمانے کی تہذیب وتمدن کو زبان دیتی ہیں۔
دیر عجائب گھر میں گندھارا آرٹ کا مشاہدہ کرکے اس زمانے کا عکس سامنے آتا ہے۔ایک پتھر کی تصویر میں
بدھا ایک جنگل میں درخت کے نیچے عبادت میں مصروف ہے، بادشاہ شاہی قافلے سے آگے تانگہ پر سوار
ہے، گھوڑا مہاتما بدھا کی طرف مڑا ہوا ہے، بادشاہ کے حکم سے ایک دربان نے خدائی کی تلاش میں نکلے
شہزادے (بدھا) کو کھانا پیش کیا ہے۔یہ خاموش پتھر ہمیں اشارہ دیتا ہے کہ گندھارا والے تہذیب وتمدن
سے آشنا تھے۔یہ تصاویر ہمیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ بائیس سو سال پہلے اشوک کے زمانے میں تانگہ کے
استعمال کے علاوہ اس تہذیب کے ماننے والوں کا لباس بھی سلیقہ مند تھا۔

سلطنت اورا

240ء میں سوات اور دیر پر راجہ بہیٹی کا دور شروع ہوا۔اس شہنشاہ نے تخت بھائی کے مشہور ''راجہ ورانڈھ'' کو شکست دے کر اس کے خاندان کی نوے سالہ بادشاہت کا خاتمہ کیا اور دیر و سوات پر بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔راجہ بہیٹی کے بعد، راجہ ہوڈی ان کے جانشین اور سلطنت کے حکمران بنے جن کے نام سے سوات کا قدیم ہوڈی گرام (اوڈیگرام) شہر بنا۔اس راجدھانی میں اس راجہ نے مضبوط قلعے بنائے جن کے آثار دیکھنے کیلئے آج بھی بیرونی ممالک کے سیاح سوات کا رخ کرتے ہیں۔اسی بادشاہ نے اپنے ہم عصر باجوڑ کے شہنشاہ راجہ رسالو کو بڑی خونریز جنگ کے بعد موت کے گھاٹ اتار کر باجوڑ کو بھی اپنی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کی ایک بیٹی جس کا نام ''منجادیوی'' تھا، دیر میں دریائے پنجکوڑہ کے کنارے شاہی محلات میں قیام پسند کرتی تھی۔اسی وجہ سے دیر کے اس گاؤں کا نام منجادیوی سے منسوب ہوا جو آج منجائی کہلاتا ہے۔

ھن قبائل Huns

پانچویں صدی عیسوی میں گندھارا میں وسطی ایشیاء کی طرف سے سفید ''ھن'' اور ان کے اتحادی قبائل نمودار ہوئے۔قد آور اور موٹے ہونٹوں والی اس قوم نے مذہبی نفرت کیوجہ سے گندھارا کے کونے کونے میں واقع خانقاہوں، اس میں موجود گندھارا آرٹ کے مجسموں اور بدھ آثار کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔سوات عجائب گھر کی معلومات کے مطابق ھن قبائل کا زمانہ مشہور بادشاہ مہرا گلا (مہیرالال Sun flower) 502ء میں تورامان بادشاہ کا جانشین بنا اور ''سیالکوٹ'' کو دارالخلافہ بنایا تاریخ نے محفوظ کیا ہے کہ مہر گلا کی کمان میں دس سالوں کے دوران ھن قبائل نے سوات اور اس کے آس پاس علاقوں میں سولہ سو خانقاہیں تباہ کر ڈالی تھیں۔ایک مئورخ لکھتا ہے کہ اگر ان آثار کو اس بے دردی کے ساتھ نہ مٹایا جاتا تو آج دیر اور سوات کو بھی مصر کی طرح عظیم آثار کی سرزمین کہا جاتا۔

ہندوشاہیہ تہذیب 822ء

ھنوں (Huns) کی واپسی پر ہندوشاہیہ نے ایک دوسری قوم کی یلغار سے پناہ گاہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ملاکنڈ کے پہاڑوں سے ہو کر سوات اور دیر کا رخ کیا۔اس قوم کے حکمرانوں کا دارالخلافہ ھنڈ تھا

جہاں سے یہ اقوام دیر اور سوات میں پھیل گئیں تو یہاں بھی ان پر مزید حملوں کا خوف سوار تھا کیونکہ بیرونی حملوں کے پیش نظر ہندو شاہیہ نے چکدرہ (دھم کوٹ پہاڑی) سے لیکر شمال مغربی پہاڑی سلسلوں میں تری وادی تک قلعے بنائے تھے۔

باقیات سے معلوم ہوا ہے کہ ان کی بیشتر آبادی بلند پہاڑوں پر تھی۔ چکدرہ سے دیر جاتے ہوئے جرنیلی سڑک پر بائیں جانب آج بھی تالاش اور قرب و جوار کے پہاڑوں پر ہندو شاہیہ کے قدیم کھنڈرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ ہندو شاہیوں کے مشہور بادشاہ کوآر، انند پال اور جے پال گزرے ہیں ہندو شاہیہ کے دوسو سالہ دور اقتدار میں راجہ گیرا آخری بادشاہ تھے۔ بعض مؤرخین کا اس پر اختلاف ہے کہ گیرا ہندو شاہیہ تھا۔ یاد رہے کہ اس تہذیب کے پروان چڑھنے سے بدھ مت کے آثار ہندو مت کے شدید غلبے کا شکار ہوئے تھے۔

اسلامی تہذیب Islamic civilization 998ء

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بھی ہندوستان میں عرب سے ہلکی پھلکی روشنی آئی تھی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھوں 712ء کے حملے میں ہندوستان میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا تھا لیکن دوسو چھیاسی (286) سال بعد بھی سوات، دیر اور باجوڑ پر بدھ مت، جین مت، ہندو مت کے مذاہب چھائے رہے اور آتش پرست اقوام کی بھی ان علاقوں میں چھوٹی موٹی آبادکاریاں تھیں۔ کابل سے محمود غزنوی نے دیر، باجوڑ، سوات اور بونیر پر حملے کا منصوبہ بنایا جہاں آرکیالوجسٹ پروفیسر فاروق کے مطابق ہندو شاہیہ کے آخری راجہ گیرا کی سلطنت تھی۔

محمود غزنوی نے راجہ گیرا پر حملے کیلئے سپہ سالار پیر خوشحال کی کمان میں آدھا لشکر ملاکنڈ کے راستے بھیجا۔ مزید احکامات کو بجالاتے ہوئے غزنوی کا دوسرا جرنیل آدھے لشکر کے ساتھ باجوڑ میں داخل ہوا۔ باجوڑ کو فتح کر کے کابل کا لشکر شام کو دریا کے کنارے ''دیارون'' نامی تاریخی گاؤں پر خیمہ زن ہوا۔ تھکے ہارے لشکر کو صبح سویرے غزنوی سپہ سالار کے حکم سے اٹھ کر دریائے پنجکوڑہ کی موجوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ رات کو اس لشکر کی نظریں سدو اور شیکولئی کے عظیم الشان جڑواں قصبوں پر تھیں جن میں مشعلیں جلتی نظر

آ رہی تھیں اور وہاں کے لوگوں کو بھی دریا کے اس پار لشکر کی خیمہ زنی کا پتہ چل چکا تھا۔

صبح ہوتے ہی غزنوی فوج کے گھوڑے ہنہناتے ہوئے دریا کے اس پار دم ہلا کر اپنے جسموں کے خشک ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ غزنوی سپہ سالار کے حکم سے لشکر حملہ آور ہوا۔ سدوشیکولئی راجہ گیرا کے لئے اہم علاقہ تھا لہٰذا انھوں نے دفاع کی خاطر اپنے گورنر کو ہزاروں کی تعداد میں فوج مہیا کی تھی جس کے سبب غزنوی لشکر کو سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ کی زد میں آنے سے خانقاہیں اور عمارتیں تہہ و بالا ہوئیں۔ اس خونریز جنگ سے فارغ ہو کر غزنوی کمانڈر نے اپنے لشکر کو دریائے سوات کے کنارے جانے کا اشارہ دیا جہاں دوسرا لشکر ملاکنڈ سے ہو کر گیرا کے مختلف شہروں کو فتح کر کے دارالحکومت ہوڈی گرام سے کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

غزنوی کے دونوں لشکر ایک مقام پر جا ملے اور راجہ کے سنگین قلعوں کا محاصرہ کیا۔ ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' میں اس جنگ کا ذکر کچھ یوں کیا گیا ہے ''کابل کے لشکر کیلئے سنگلاخ چٹانوں سے اونچے اور بلند و بالا قلعوں میں تیر اندازی اور ٹھیک نشانہ لگانا مشکل کام تھا''۔ محمد زمان ساگر اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ ''گیرا کی ایک بیٹی نے اس جنگ کے دوران میں اسلام قبول کیا اور مسلمان سپہ سالار کو ایک درباری ملازم کے ذریعے خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر پانی کا زمین دوز پائپ توڑ دیا جائے تو میرے والد کی فوج خود بخود باہر آنے پر مجبور ہو جائیگی''۔ یہ سن کر سپہ سالار نے بڑی رازداری سے خفیہ پائپ جسمیں شگئی سے ہوڈی گرام شہر تک دریائے سوات سے نہایت ہنرمندی اور خفیہ طریقے سے پانی لانے کا انتظام کیا گیا تھا، توڑ ڈالا۔ جب یہ پائپ توڑا گیا تو اس کے باوجود بھی گیرا کے فوج کے ساتھ قلعہ کے اندر ایسے بڑے بڑے مرتبان تھے جس کا پانی سات دن تک ساری فوج کے کام آیا۔ ساتویں دن جب پانی کی کمی کی وجہ سے گیرا کی غصیلی اور پیاسی فوج قلعے کا عظیم الشان دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل آئی تو ایک زبردست جنگ چھڑ گئی کہتے ہیں کہ غزنوی لشکر نے بڑی خونریز جنگ کے بعد طاقتور اور پہلوان راجہ گیرا کو شکست سے دوچار کر دیا لیکن غزنوی جرنیل پیر خوشحال فتح کی خبر سے پہلے جام شہادت نوش کر چکے تھے۔

---

1 آج بھی سدوشیکولئی کے ان مقامات پر کھدائی کے دوران نوٹ اور بت نکل آتے ہیں۔

2 غزنوی فوج کے سپہ سالار پیر خوشحال بٹ خیلہ کے مقام پر دفن ہے۔

اس عظیم فتح کے بعد گیرا کی راجدھانی ہوڈی گرم پر اوّلین مسجد بنائی گئی جس کے آثار آج بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ گیرا کو شکست دیکر غزنوی کی فوج تو کابل واپس لوٹ گئی لیکن سواتی اور دلہ زاک کے قبائل جو غزنوی لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے یہاں آئے تھے، مستقل طور پر آباد ہوئے۔

منگول حکمران امیر تیمور 1369ء

تیمور بادشاہ کی آپ بیتی پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے قندھار اور ثمر قند کے اقتدار کے حصول کیلئے کتنی مشکلات سہیں، کتنی لڑائیاں لڑیں، کتنے برف پوش پہاڑ سر کئے اور جنگی میدانوں میں کئی بار زخمی ہوئے لیکن آخر اپنی منزل پانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس مقصد کو پانے کی طے شدہ مہمات میں وہ دیر یا باجوڑ سے بھی ہوکر گزرے۔ دیر کے بزرگوں کی ایک روایت مشہور ہے کہ تیمور بادشاہ ایک مہم پر دیر سے بھی گزرے تھے۔ ان کے فوجی قافلے نے یونانیوں کی طرح بمقام خزانہ دریائے پنجکوڑہ پار کیا اور شیکولئی گاؤں سے شمال میں ایک کوس پر ایک پہاڑی ''تیمر ڈھیرئی'' پر تیمور بادشاہ اوران کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور تھکن دور کرنے کیلئے رات گزاری۔ دیر میں آج بھی چھ سو سال بعد یہ روایت نسل در نسل زندہ ہے۔

اس کے بعد اس علاقے کا نام تیمور گڑھ اور تیمور گرہ بنا اور آج تیمور کے نام سے یہ شہر "تیمر گرہ" کہلاتا ہے۔ تیمور بادشاہ کے متعلق یہ روایت صحیح بھی ہوسکتی ہے کیونکہ جب یونان سے گھوڑے کی کمر پر سوار یونانی لشکر سے آگے سکندر اعظم دیر آسکتے ہیں تو قندھار (پڑوس) دیس سے آکر تیمور کا دیر سے گزرنا بھی ممکن ہے لیکن حقیقت میں یہ قول اس بناء پر ناپختہ ہے کہ تزک تیموری یا کسی دوسری کتاب میں اس واقعہ کے متعلق ذکر موجود نہیں۔

پتھر کے زمانے سے لیکر پختونوں کے قبضے تک دیر پر تقریباً پندرہ سے بیس تک تہذیبیں پروان چڑھیں۔ اس سرزمین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر تہذیب کے لیے غمخانہ رہا کیونکہ یہاں پر جو بھی حملہ آور آیا تو مقامی تہذیبوں نے کافی مزاحمت کے بعد اس کے سامنے سرخم کئے۔ دوسری یہ کہ چند صدیوں بعد ہر تہذیب نے یہاں سے واپس ہجرت کی اور آخری تہذیب یوسفزئی (پختون) اور ان کے اتحادی قبائل یہاں 1519ء سے آباد ہیں۔ 2019ء میں ان قبائل کے اِس سرزمین پر پانچ سو سال پورے ہوجائینگے۔

بابِ دوم

ریاست دیر میں قدیم تہذیبوں کے آثار

قدیم تہذیبوں کے باقیات

دیر اور سوات قدیم اُدوار سے لیکر سلطان اویس کا تختہ الٹنے تک ایک سلطنت کا حصہ رہے۔ ان دونوں سرزمینوں پر گزشتہ چار ہزار سالوں کے دوران قریباً پندرہ سے بیس تہذیبیں پروان چڑھیں۔ ان تہذیبوں میں بعض تہذیبوں کے باقیات مٹ چکے ہیں اور بعض کے نقوش و نمونے اب بھی محفوظ ہیں۔ جیسے بدھ مت، کشان، ہندو شاہیہ تہذیب وغیرہ۔ ان باقیات میں بدھ مت کے آثار دوسری تہذیبوں کے بہ نسبت زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدھ مت کے عروج کے وقت گندھارا آرٹ نے جنم لیا اور پتھروں سے مجسمہ سازی کا آرٹ اور کندہ کاری بام عروج کو پہنچ گئی۔ اس آرٹ میں گوتم بدھ کے لاکھوں مجسمے بنائے گئے جو آج مختلف کھنڈرات سے برآمد کئے جاتے ہیں۔ تفصیلی ذکر آگے آئیگا۔

آثار قدیمہ پر کام کا آغاز

1926ء میں جیسے ہی ریاست سوات کو برطانوی حکومت نے تسلیم کیا تو ایک انگریز اورل سٹین Aural Stein کی سربراہی میں سوات میں نہ صرف آثار قدیمہ کی تحقیقات کا عمل شروع ہوا بلکہ ان مقامات کو جہاں قدیم آثار تھے، والی سوات کے حکم سے ریاستی ملکیت قرار دے دیا گیا۔ 1963ء میں پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے ہاتھوں سوات عجائب گھر کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور آثار قدیمہ کو اس کی زینت بنایا گیا۔ اس کے برعکس ریاست دیر میں نواب محمد شاہ جہان خان کی گرفتاری کے تین سال بعد 1963ء میں پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی، پروفیسر فرید خان، پروفیسر فرزند علی خان درانی، پروفیسر فدا اللہ خان صحرائی اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دیر کے مختلف مقامات پر پہلی مرتبہ آثار قدیمہ کا کھوج لگانے کا باقاعدہ آغاز کیا۔

اس تحقیق کے دوران انھیں دھم کوٹ، چٹ پٹ، انڈان ڈھیرئی، راموڑہ، کمال خان چینہ، جگبی، باڑوان، بامبولئی، بت قلعہ، کانکلہ، شمشی خان، املوک درہ، مچو، گنبد، باش قلعہ، باجوڑو، ڈوڈو، سدو اور شیکولئی، تیمرگرہ، بلامبٹ، کمبڑ اور خال کے مقامات پر قدیم کھنڈرات ملے۔

مشہور زمانہ ماہر آثار قدیمہ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی، جو آجکل قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں آرکیالوجی ڈپارٹمنٹ "ٹیکسلا انسٹیوٹ" کے ڈائریکٹر ہیں، کا کہنا ہے کہ "چالیس سال قبل دیر کے



انڈان ڈھیرئی کا سٹوپہ اور کونے میں ڈاکٹر احمد حسن دانی



مختلف کھنڈرات میں نوادرات ڈھونڈنے اور ان پرانے آثار کا بناؤ سنگار کرنے کیلئے ہم نے دس سالوں تک کام کیا۔ علاوہ ازیں اس مہم میں ہمارے ساتھ جرمنی کے ماہرین نے بھی حصہ لیا''۔ جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دیر قدیم گندھارا میں بدھ مت کا ایک اہم مرکز تھا۔

آثار قدیمہ کے مقامات (ExCavated sites In Dir)

ریاست دیر میں پائی جانے والی قدیم تہذیبوں کے باقیات اور کھنڈرات انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ اور حکمرانوں کی کم فہمی کی وجہ سے بری طرح متاثر ہو چکے ہیں ۔ پولیٹکل ایجنٹ ایم سی ماھن 1901ء میں اپنی تحریر میں لکھتے ہیں کہ'' دھم کوٹ کے قیمتی نوادرات Collene H.A Dean کی رہنمائی میں نکال کر کلکتہ و لاہور عجائب گھروں کے لئے لے جائے گئے''۔ 1895ء تا 1963ء کے زمانے میں نواب اول، دوم اور سوئم بھی اپنی کم فہمی کی وجہ سے ان آثار قدیمہ کی افادیت سے بے خبر رہے اور عوام بھی اس طرح کے بت و مجسمے اور قدیم راکھ بھرے برتن ضائع کرتے رہے۔

ڈاکٹر حسن دانی اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تحقیق کے دوران یہ دیکھا کہ دیر کے صرف چند کھنڈرات اصل حالت میں ہیں جبکہ باقی اپنوں کی سرد مہری اور امتداد زمانہ کے ساتھ یا تو مٹ گئے ہیں یا انتہائی خستہ حالت میں پڑے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ دیر کے سارے کھنڈرات کو حکومت کیلئے تحویل میں لینا مشکل تھا۔ آج صرف دھم کوٹ، چٹ پٹ اور انڈان ڈھیرئی کے مقامات حکومت کے زیر حفاظت ہیں اور باقی مذکورہ مقامات سے نوادرات سمیٹ کر عجائب گھر میں رکھا گیا اور یہ آثار آہستہ آہستہ صفحہ ہستی سے مٹتے جا رہے ہیں۔

انڈان ڈھیرئی

یہ آثار چکدرہ سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر اوچ سے ہو کر کوٹیگرام جانی والی سڑک کے کنارے واقع ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی لکھتے ہیں کہ'' انڈان ڈھیرئی کو سو سال تک لوٹا گیا اور انگریز بھی اپنے دور اقتدار میں یہاں کے نوادرات سمیٹ کر ہندوستان کے مختلف عجائب گھروں میں منتقل کر گئے''۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ جب احمد حسن دانی چالیس سال پہلے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں تحقیق کرنے

کیلئے پہنچا تو اس وقت بھی سمگلر وہاں نوادرات لوٹنے کیلئے کھدائی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔اس
سٹوپے پر بکھرے پتھروں کا ڈھیر یہ ثبوت دیتا ہے کہ کئی بار لٹیرے اس سٹوپہ کو لوٹ کر اس کو ویران چھوڑ
گئے۔

دیر عجائب گھر کا ایک بزرگ ماہر آثار قدیمہ سید علی کا کا جو کہ ابتداء سے لے کر آج تک اس عجائب گھر سے
وابستہ ہیں۔سینکڑوں بار ماہرین آثار قدیمہ، طالب علموں اور سیاحوں کے ساتھ انڈان ڈھیرئی جا چکے
ہیں، کا کہنا ہے کہ ''انڈان ڈھیرئی صوبہ سرحد کا سب سے بڑا سٹوپہ ہے''۔اس سٹوپے کے پاس ایک
درجن سے زائد چھوٹے سٹوپے بھی موجود ہیں۔ان آثار کا زمانہ 800ق م تا 100ق م بتایا جاتا ہے۔

اس سٹوپے کے پاس کھڑے ہو کر آس پاس دیکھنے کے بعد یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ بدھ
مت والوں نے اس سٹوپے کو ادین زئی کے بالکل وسط میں بنایا تھا۔یہاں سے چاروں طرف دھم کوٹ،
چٹ پٹ، راموڑہ، اوسکئی، شاہ ڈھیرئی، جیسے اہم بدھ مت قصبے اور شہر آباد تھے اور ان مقامات کے لوگ
اس مرکزی سٹوپے کو بطور عبادت گاہ استعمال کرتے تھے۔ڈاکٹر احمد حسن دانی کے مطابق انھیں یہاں سے
543 کی تعداد میں مختلف تہذیبوں کے مجسمے اور نوادرات ہاتھ آئے تھے جس سے انڈان ڈھیرئی سٹوپہ کی
اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

اس سٹوپے تک پہنچنے کیلئے بڑی سیڑھی لگی ہے۔اس سیڑھی پر بیک وقت دس آدمی اوپر چڑھ
سکتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سٹوپہ کی زیارت کیلئے روزانہ بڑی تعداد میں زائرین آتے تھے۔
سید علی کا کا کہتے ہیں کہ ''ایک عبادت گاہ کے علاوہ انڈان ڈھیرئی بدھ مت والوں کا ایک بڑا علمی
مرکز تھا۔بدھ مت کے طلبا یہاں آکر راہب (مذہبی سکالر) سے علم وفیض حاصل کرتے تھے۔

انڈان ڈھیرئی سٹوپے کی اندرونی حصے کو کنکر اور دریائی پتھروں سے بھر دیا گیا تھا۔اس سٹوپے
کے بیرونی دیواروں پر خوبصورت آرٹ والی تصاویر کندہ تھیں جو آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں۔ان
تصاویر سے بدھ مت کے دور کے رہن سہن، کھیل کود، موسیقی اور مذہبی روایات کے خدوخال کا پتہ چلتا
تھا۔اس سٹوپے سے پروفیسر احمد حسن دانی کے مطابق ڈیڑھ سو سے زائد سکے برآمد ہوئے جو کہ بدھ مت
ھن اور ہندو شاہیہ کے بادشاہوں کے دور کے ہیں۔ان سکوں پر مختلف بادشاہوں اور دیوتاؤں کے

ایک طرف مسلح سپاہی اور دوسری طرف عورتیں گانا گا رہی ہیں۔



کشان دور کے سکے جس پر مختلف اشکال نمایاں ہیں

تصاویر کندہ ہیں۔ مختلف تہذیبوں کے سکے برآمد ہونا ہمیں یہ ثبوت دیتا ہے کہ اندان ڈھیری بدھ مت کے علاوہ دوسرے تہذیبوں کا بھی مرکز رہا ہے۔

چٹ پٹ Chatput

چٹ پٹ کے معنٰی ہیں بڑے بڑے پتھر اور چٹانیں۔ اس مقام کو چکدرہ بازار کے جنوب میں پل کے اس پار دائیں جانب سڑک مڑ جاتی ہے۔ اس پل سے چٹ پٹ کے آثار چٹ پٹ وادی کے آخری سرے پر قریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیوں اس وادی کے آخری سرے پر عبادت گاہیں بنائی گئیں جس کا راستہ دشوار گزار، سبزہ زار کی کمی اور دھوپ و تپش زیادہ ہے۔ عجائب گھر کے ایک ماہر کا کہنا ہے کہ "1800 سال پہلے اس مقام کو اہم عبادت کا مرکز بنانے کی وجہ شکار کی فراوانی اور پرسکون ماحول تھا"۔ ان آثار کے پاس ندی (خوڑ) کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قدیم دور میں ٹھاٹھیں مار کر بہتی تھی۔ شاید پانی کی بہتات کی وجہ سے بھی بدھ مت والوں نے یہاں کا انتخاب کیا۔

چٹ پٹ کے آثار آجکل بھی کافی صحیح حالت میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں بڑے اور مرکزی ستوپے کو سیڑھیاں چڑھتی ہیں۔ ان دو اور بڑے ستوپوں کے علاوہ چھوٹے ستوپوں کا گچھا ہے اور ساتھ ہی پہاڑ سے لگے دیوار میں راہبوں کے بیٹھنے کی کوٹھڑیاں ہیں۔ یہ ستوپے تراشے ہوئے پتھروں سے بنے ہیں اور ان پتھروں کو جوڑنے کیلئے دریائی ریت کے علاوہ چونا اور مٹی ملائی گئی ہے۔ ان ستوپوں کی دیواروں کی بناوٹ اور صفائی کافی دلچسپ ہے۔ یہ دیواریں اس زمانے کے انسان کی کاریگری، محنت اور نقش نگاری میں اعلیٰ ذوق رکھنے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مرکزی ستوپے کے بارے میں ماہر آثار قدیمہ کہتے ہیں کہ "اس ستوپہ کی پانچ فٹ چوڑی اور اونچی دیواروں پر ایک گول چبوترہ بنا ہوتا تھا۔ اس ستوپے میں عبادت اور تعلیم و ترویج کیلئے سب سے بڑا راہب بیٹھا کرتا تھا جبکہ چھوٹے ستوپے نذرانے ستوپے ہیں۔ اس زمانے میں جب کسی بدھ مت والے کی دعا قبول ہوتی تو وہ نذرانے کے طور پر یہاں ایک ستوپہ تعمیر کرتا تھا"۔

راہبوں کے لئے بنی چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ ہر

کوٹھڑی میں اپنی حیثیت کے مطابق راہب بیٹھا کرتا تھا۔ جب زائرین آتے تو وہ متعلقہ راہب کے پاس پہنچ کر تعلیمات یا دعائیں حاصل کرتے تھے۔

چٹ پٹ کے ان عبادگاہوں پر آنے والے زائرین، راہب اور بھکشو تین سو میٹر زیریں علاقے میں رہتے تھے۔ ان قدیم قصبوں کو اب زرعی زمینوں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں پھر بھی قدیم دور کی دیوارں کے آثار خال خال دیکھے جاسکتے ہیں۔ انڈان ڈھیرئی کے بعد چٹ پٹ ہی ایسا مقام ہے جہاں قدیم زمانے کے انسانوں کی تعمیرات اور عبادت گاہوں کے متعلق دلچسپ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

دھم کوٹ Dhamkot

سابق برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل کی دیر میں قیام کی یاد میں تعمیر کی جانی والی عمارت ''چرچل پکٹ'' کے نزدیک پہاڑی دھم کوٹ اپنی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے مختلف تہذیبوں کیلیئے باعث کشش رہا۔ اس پہاڑی پر چڑھ کر دریائے سوات کے علاوہ دور دور تک خوبصورت کھیت کھلیان سبز قالین کی صورت میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جغرافیائی لحاظ کے علاوہ دھم کوٹ پہاڑی دفاعی لحاظ سے بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ پہاڑی سارے اطراف سے پاس پہاڑیوں سے کٹی ہوئی ہے۔ یہاں سے چونکہ چاروں طرف دور دور تک مخالف حملہ آوروں پر نظر رکھی جاسکتی تھی اسلیئے اس پہاڑی کو مختلف اقوام نے ایک مورچہ گاہ اور ریڈار کے طور پر استعمال کیا۔ یہاں سے خوبصورت نظارے یہ اشارہ دیتے ہیں کہ اس پہاڑی کو بعض قدیم بادشاہوں نے شاہی محل یا مہمان خانے کے طور پر بھی استعمال کیا ہوگا۔

دھم کوٹ پہاڑی پر واقع آثار قدیمہ پر پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے پینتیس سال قبل تحقیق کیا۔ یہاں سے جو نوادرات، مجسمے اور سکے ملے وہ بدھ مت، ھن قبائل اور ہندوشاہیہ تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دھم کوٹ نے زمانہ قدیم سے اپنے آپ کو سنورتے اور ویران ہوتے دیکھا یہاں محل بنتے اور کھنڈرات میں بدلتے رہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ ''بدھ مت کے دور میں یہاں ایک بڑی خانقاہ قائم کی گئی تھی جس کی عمارت ھنوں کے حملوں سے منہدم ہوئی۔

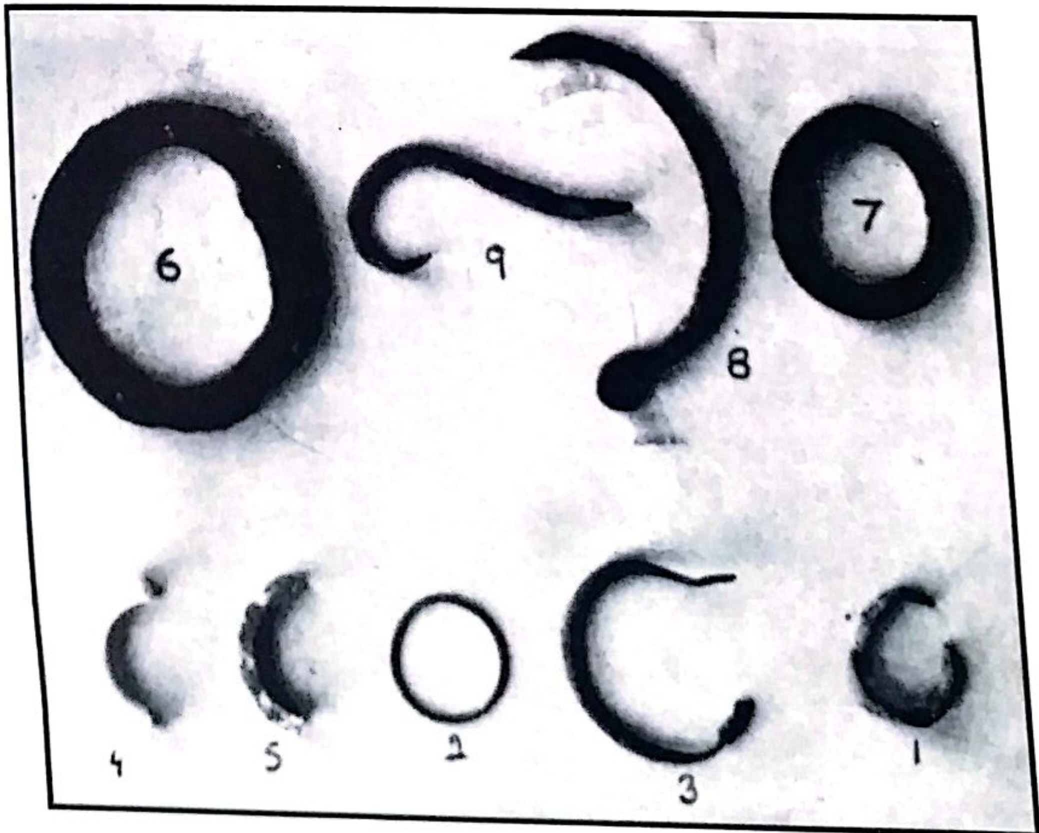
1 پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن آجکل لاہور میں پڑھا رہے ہیں۔



اناج کو ذخیرہ کرنے کا ایک قدیم مرتبان تصویر میں واضح ہے۔



مختلف آلات شکار



مختلف قسم کے زیورات بالیاں اور انگوٹھیاں وغیرہ

اس خانقاہ کے بعد ہندوشاہیہ نے اس پہاڑی پر ایک بلند و بالا دفاعی قلعہ تعمیر کیا''۔ دھم کوٹ پہاڑی پر آج بھی اس ہزار سالہ قدیم قلعے کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس قلعے کی دیواریں چار فٹ موٹی ہیں۔ جس کے اندر 64*66 فٹ مربع فٹ کے حدود میں کئی کمرے واقع ہیں۔ یہ زمین دوز تہہ خانے تھے کیونکہ کسی کمرے کو داخل ہونے کا دروازہ معلوم نہیں۔

دھم کوٹ کا قدیم قلعہ

دھم کوٹ کے اس قلعے کے وسط میں ایک سٹوپہ کے آثار ہیں جس کو سیڑھیاں اترتی ہیں ڈاکٹر عبدالرحمن کے مطابق ''اس سٹوپے کا ایک بازو تینیس فٹ لمبا جبکہ اس کے اوپر بنا گول چبوترہ زمین سے تقریباً نو فٹ اونچا تھا''۔ کھوج کے دوران پتہ چلا کہ سٹوپے کو اندر سے کنکریوں سے بھر دیا گیا تھا جبکہ اس کی بیرونی دیواریں گرینائٹ کے پتھر سے بنائی گئی تھی اور انہی پتھروں پر بدھا کی ایک تصویر بھی نقش کی گئی تھی۔ دھم کوٹ کے اس قدیم قلعے کے اندر ایک بھٹی کے آثار اور بڑی مقدار میں جلی ہوئی مٹی بھی پائی گئی اس بھٹی کے پاس لوہار کے آوزار اور ہتھوڑے وغیرہ بھی ماہرین آثار قدیمہ کے ہاتھ آئے۔ جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اس فصیل بند قلعہ میں ہندوشاہیہ کی فوج کیلئے اسلحہ اس بھٹی میں تیار کیا جاتا تھا۔

دھم کوٹ کے نوادرات

ہندوستان پر حکومت کرنے کے دوران دھم کوٹ پہاڑی کے نوادرات کو بیشتر انگریزوں نے کنگال لیا تھا اور پاکستان بننے کے بعد یہاں نوادرات نہ ہونے کے برابر تھے لیکن ڈاکٹر عبدالرحمن نے بڑی محنت اور لگن سے دھم کوٹ سے مزید نوادرات حاصل کر کے دیر عجائب میں ایک قیمتی اثاثے کا اضافہ کر دیا۔

دھم کوٹ قلعہ کے وسط میں واقع بدھ مت سٹوپہ سے کشان اور ساسانی تہذیبوں کے سکوں کے علاوہ تانبے کا ایک سکہ دریافت ہوا جس پر ہاتھی اور شیر کی تصویر کندہ تھی جبکہ چھ ایسے پتھر بھی یہاں سے برآمد ہوئے جس پر گھوڑوں کی تصاویر کندہ تھیں۔ دھم کوٹ کے آثار سے ماہرین کو جلی مٹی ملی جس سے اندازہ لگایا گیا کہ یہاں ایک آگ کی بھٹی تھی اس آگ والی جگہ پر ایک بڑا مرتبان بھی پایا گیا۔ یہاں ہاتھ آنے والی دوسری چیزوں میں سے آٹھ چوڑیاں جس میں دو کانسی اور دو تانبے کے بنے ہوئے ہیں۔ اسی

طرح تانبے کی بنی چار انگوٹھیاں، تانبے کی بنی گھنٹی، بالیاں، شیشے کی انگوٹھیاں، نیکلس، لوہار کے ہتھوڑے، زرعی آوزار تیز کرنے کے آلات جو گرینائٹ کے بنے ہوئے تھے، گندم پیسنے کے پتھر، اناج رکھنے کے چار مرتبان، ایک بڑا پیالہ، ایک درانتی اور ایک چاقو بھی پایا گیا۔ اس کے علاوہ schist کے بنے ہوئے نو چراغوں کے علاوہ مٹی کے چراغ بھی یہاں سے دریافت ہوئے۔ یہاں سے حاصل ہونے والی ایک برتن پر مور peacock کی تصویر بھی پائی گئی جس سے پتہ چلا کہ قدیم دور میں اس تہذیب کے لوگوں کو گھریلو برتنوں پر نقش و نگار بنانے میں کمال حاصل تھا۔

دھم کوٹ میں ایک چٹان پر بدھا نقش تھا۔ یاد رہے کہ اسی طرح چٹانوں پر بدھا کی نقش تصویریں ڈاکٹر حسن دانی نے خال اور تیمر گرہ کے مقامات پر بھی دریافت کئے تھے۔ دھم کوٹ کی پہاڑی نہ صرف بدھ مت والوں کا ایک اہم عبادت گاہ رہا بلکہ بعد میں ہندشاہیہ نے اس پہاڑی پر قیام کر کے بہت سے آثار چھوڑے۔

راموڑہ کے آثار

چکدرہ شموزئی سڑک پر تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر راموڑہ کے تاریخی قدیم کھنڈرات واقع ہیں۔ یہاں اگر چہ قدیم آثار محفوظ نہیں رہے لیکن کھنڈرات کے آثار وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ بعض ماہرین کا دعویٰ ہے کہ راموڑہ بدھ مت کے دور کا ایک بڑا شہر تھا۔ یہاں پروفیسر احمد حسن دانی کو ایک سٹوپہ ملا جو بری طرح متاثر ہوا تھا۔ یہاں کے آثار انڈان ڈھیرئی کے آثار سے ملتے جلتے ہیں۔ راموڑہ کے نزدیک کمال خان چینہ نامی مقام پر بھی قدیم کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔ پروفیسر احمد حسن دانی نے قدیم آثار کے لحاظ سے اس مقام کو بھی بہت اہم قرار دیا ہے۔

جبگئی سٹوپہ

چکدرہ سے باڈوان جانے والی سڑک پر پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر بمقام جبگئی ایک چٹان کے اوپر قدیم آثار واقع ہیں۔ یہاں دور قدیم کا ایک چشمہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہاں کے آثار وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے ہیں اور اندازہ ہے کہ یہ کھنڈرات سولہ سو سال سے لیکر چودہ سو سال پرانے ہیں۔ 1966ء میں پروفیسر احمد حسن دانی کو یہاں دو سٹوپوں کے آثار ملے ان کے مطابق جبگئی بدھ مت کے دور کا ایک



اندرا اور برہما دیوتا کو تبلیغ کی دعوت دے رہے ہیں



ملکہ مایہ (گوتم بدھ) کی ماں کا خواب



ایک گامزن قافلہ جس میں کئی بیل گاڑی کو کھینچ رہے ہیں۔



بدھ مت دور کے ایک افسانے کی تصویر پتھر پر نمایاں ہے۔

اہم مرکز تھا۔ اگر چہ یہاں کافی آثار تھے لیکن یہاں آنے والے سیاحوں اور چرواہوں (شپونکو) کی وجہ سے کافی حد تک متاثر ہو چکے ہیں۔

بامبولئی Bambolai

چکدرہ سے تیمرگرہ کی جانب دو کلومیٹر کے فاصلے پر مقام ''گل آباد'' وادی اسبنڑ کا گیٹ وے ہے۔ ادین زئی کے شمال مشرق میں سوات اور دیر کے آخری سرحد ''سرِبالا'' تک پھیلی ہوئی پندرہ کلومیٹر لمبی وادی اسبنڑ بدھ مت کے دور کا ایک اہم مرکز بتایا جاتا ہے۔ وادی اسبنڑ میں مقام بامبولئی جو چکدرہ سے تقریباً تیرہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں ڈاکٹر احمد حسن دانی نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کام کیا۔ یہاں انھیں ایک سٹوپہ کے آثار ملے جو کافی حد تک متاثر ہو چکا تھا۔ وادی اسبنڑ کا ایک اور مقام بدھ قلعہ بھی بدھ مت کے دور میں ایک اہم مرکز رہا بلکہ یہاں کا نام (بت قلعہ) بھی کافی مقدار میں بت پائے جانی کی وجہ سے مشہور رہوا۔

مچوگاؤں

چکدرہ سے تالاش کی طرف آتے ہوئے جنوب مغرب کی طرف پہاڑوں پر واقع ہندوشاہیہ قوم کے مورچے اور دفاعی قلعے نظر آتے ہیں۔ ان قلعوں میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے آثار قدیمہ کو بہت ڈھونڈا اور یہاں سے کافی مقدار میں نوادرات بھی برآمد کئے۔ اس سڑک پر آگے آتے ہوئے بمقام تالاش زیارت بازار سے جنوب مغرب میں مچو نامی تاریخی گاؤں آباد ہے۔ پروفیسر احمد حسن دانی لکھتے ہیں کہ ''مچوگاؤں قدیم کھنڈرات کے اوپر بنا ہوا ہے۔ اس گاؤں سے بھی لٹیرے بہت سے نوادرات اٹھا کر لے گئے''۔ یہ گاؤں ایک طرف اگر بدھ مت کی ایک بڑی بستی تھی دوسری طرف اس گاؤں کی دلچسپ اہمیت یہ کہ جب سکندر اعظم نے 327 ق م میں دیر پر حملہ کیا تو اس وقت مچو کا یہ گمنام گاؤں مساگا جیسے بڑے سلطنت کی راجدھانی تھی۔ یہاں ایک شدید جنگ کے بعد یونانی مقامی لوگوں پر غالب آئے تھے اسلئے اس گاؤں کو گندھارا کے علاقوں میں یونانیوں کی طرف سے اولین قدیم کالونی بھی کہا جاسکتا ہے۔

کاٹ کلہ، املوک درّہ، شمشی خان

ڈاکٹر احمد حسن دانی کے مطابق مقام کاٹ کلہ بدھ مت کا ایک اہم مرکز تھا۔ ساڑھے چار سو سال قبل یہاں کی اہمیت میں اس وقت اور بھی اضافہ ہوا جب کاٹکلہ کو ملیزئی اور ادین زئی قبائل کے درمیان سرحد رکھا گیا۔ تالاش میں زیارت بازار کے سامنے پہاڑی میں املوک درّہ نامی مقام (جسے یہ نام املوک نامی پھل کی فراوانی کی وجہ سے دیا گیا) پر ماہرین آثار قدیمہ کو ایک سٹوپہ کے آثار ملے جس کے آس پاس بھی بدھ مت کے آثار کے نشانات تھے۔ ڈاکٹر احمد حسن دانی اور ان کے ساتھیوں نے یہاں کام کیا۔

یہاں سیاحوں کی دلچسپی کیلئے ایک پچیس فٹ بلند غار واقع ہے اس کا نام غار بے نم ہے۔ یہ پرستانی غار سیاحوں کیلئے کسی عجوبے سے کم نہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ یہاں پکنک کیلئے آتے ہیں۔ شمشی خان چکدرہ کی جانب تالاش بازار سے آگے واقع ہیں۔ یہاں پروفیسر احمد حسن دانی کو ایک سٹوپہ کے آثار ملے جس کی صرف دیواریں باقی تھیں۔ وادی تالاش میں گنبد نامی مقام پر قدیم آثار پائے ہیں۔ گنبد کا نام بھی اس علاقے کو اس لئے ملا کہ یہاں پرانے زمانے میں بدھ مت کے دور کا ایک بلند مینار واقع تھا جبکہ وادی تالاش میں ڈوپ سر اور ڈوڈا نامی مقامات پر بھی ماہرین نے کچھ آثار دریافت کئے ہیں۔

تالاش کے باجوڑو نامی مقام پر چند سال پہلے ایک سٹوپہ کھڑا تھا جس سے کچھ فاصلے پر ایک چٹان پر شاردا زبان کے الفاظ بھی درج تھے۔ علاوہ ازیں اسی مقام پر ندی (خوڑ) کے وسط میں بڑے بڑے چٹانوں پر مختلف جانوروں کی اشکال جن میں مارخور، گائے، بکری، ہاتھی، سانپ اور دوسرے چھوٹے مختلف جانوروں کی تصویریں بھی ملیں۔ ان آثار کو سدو کے ایک ماہر آثار قدیمہ راحت اللہ خان (حال بریڈفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ) نے دریافت کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ''یہ آثار 10 Century B c کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں''۔

تیمرگرہ، بلامبٹ اور اوچ قبرستان Ancient Graveyard

ماہرین آثار قدیمہ کے مطابق تیمرگرہ کا قدیم قبرستان جو کہ فوڈ گودام کے احاطے میں واقع ہے آرین تہذیب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس قبرستان میں رکھی گئی لاشوں کو اب تک لگ بھگ ساڑھے دو ہزار سال گزر چکے ہیں۔ ان قبروں میں انسانی ہڈیوں کے علاوہ برتنوں میں جلی ہوئی راکھ پائی گئی ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ ان برتنوں میں شراب رکھی گئی تھی۔ ان قبروں سے قدیم زیورات اور اس دور کے انسانوں کے روزمرہ استعمال کی چیزیں بھی ملی ہیں۔ یاد رہے کہ تاریخ میں ان آثار کو گورستانی تہذیب یا Gandhara Grave Complex سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

بلامبٹ وکلاء بار کے سنگ واقع قدیم قبرستان ایران کی ہخمنین (آتش پرست) تہذیب سے تعلق رکھتا ہے اس قبرستان میں 700 ق م کے زمانے کے آتش کدہ کے آثار ملے۔ اس آتش کدہ سے ٹھیکری کی تین مورتیاں بھی برآمد ہوئیں جو دھرتی ماتا کی بتائی جاتی ہیں۔

اس طرح اوچ کا قبرستان بھی کافی قدیم بتایا جاتا ہے۔ یہاں تین سولہ کے لگ بھگ قبریں شرقاً غرباً بنی ہیں جس سے ماہرین نے اندازہ لگایا کہ یہ تہذیب والے آخرت کی زندگی کے قائل تھے۔ دیر زیریں میں شیکولئی بھی بدھ مت کے دور میں اہم مراکز تھے۔ یہ قصبے محمود غزنوی کے لشکر کے خلاف بھرپور مزاحمت سے برباد کر دیئے گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی یہاں ٹوٹے ہوئے بت دوران کھدائی نکل آتے ہیں۔ اسی طرح جندول، کمبڑ، خال، رانی، ماخئی اور خزانہ بھی اہم تاریخی مقامات بتائے جاتے ہیں اور انہی مقامات سے بہت سے نوادرات بھی نکالے گئے ہیں لیکن یہاں کے آثار تقریباً ناپید ہو چکے ہیں۔

دیکھا جائے تو تیمر گرہ، بلامبٹ کے علاوہ سینڈ وادی یا دیر بالا میں آثار قدیمہ کے کھنڈرات یا آثار کہیں کہیں ملتے ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ زمانہ قدیم میں ان مذکورہ علاقوں میں برف بہت زیادہ پڑتی تھی اور دوسری وجہ جنگلات کی فراوانی کی وجہ سے خونخوار جانوروں کی بہتات بھی تھی۔ شاید شدید ٹھنڈ اور خطرناک جانوروں کے خوف سے ان علاقوں کی نسبت دیر کے زیریں علاقوں میں قدیم انسانوں نے آباد ہونے کو ترجیح دی ہو۔

دیر سے نوادرات کی سمگلنگ

1970ء میں ریاستی دور کے خاتمے کے بعد دیر میں بتوں اور مجسموں کی سمگلنگ شروع ہوگئی۔ دیر میں جہاں کہیں بت مجسمے یا نوادرات نکل آتے تھے لوگ ان کو سمگلروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے اور وہ انھیں ملک کے اندر یا بیرون ملک دوسرے سمگلروں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں حتیٰ کہ کئی قبریں بھی کھودی گئیں جن میں مشہور اولیائے کرام کی قبریں بھی شامل ہیں۔

پرانے مجسموں اور سکوں کی سمگلنگ کے ساتھ ساتھ ایک دوسری قسم کی سمگلنگ آج بھی جاری ہے۔ سمگلر حضرات سوات اور دیر میں سینکڑوں سالہ پرانے حجروں اور مساجد کے دروازے، کھڑکیاں جن کی کندہ کاری سے بھرپور شاہکار نمونے اور برتن وغیرہ اونے پونے داموں خرید رہے ہیں۔ اس طرح ہمارا قیمتی اثاثہ آج بھی بے دردی سے لٹ رہا ہے۔

دیر عجائب گھر Dir Museum

8 اکتوبر 1960ء کو نواب شاہ جہان کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ اگر اس وقت حکومت پاکستان نواب کا سارا دفتری ریکارڈ، اسلحہ، فوجیوں کا لباس، عام لوگوں کا لباس، زرعی آوزار، زیورات، نوابی قلعوں کے ٹیلیفون سیٹ، ریسٹ ہاؤسز کا فرنیچر، کراکری کا سامان، نوابی بسیں، نوابی موٹریں، نواب کے ذاتی کپڑے، جوتے، شاہی کراکری اور دیگر اشیاء سمیت کر اس وقت ایک عجائب گھر میں محفوظ کرتی تو آج پورے پاکستان میں یہ عجائب گھر ثقافتی ورثے کے لحاظ سے بہترین مواد کا حامل ہوتا لیکن بدقسمتی سے پاکستانی اور نوابی افسران نے نوابی اثاثوں پر بلہ بول دیا۔ کوئی قالین لے گیا تو کوئی صوفہ، کوئی گلدان لے گیا تو کوئی نواب کی ذاتی بندوق اور اسی طرح دیر کا قیمتی ورثہ نواب کے جانشینوں کی نااہلی کے سبب لٹ گیا۔ دیر کے ثقافتی ورثے کا جو حال بیان ہوا اس کے لئے 1977ء میں چکدرہ میں دیر عجائب گھر بنایا گیا۔ حکومت کی غفلت اور سمگلروں کے ہاتھوں لوٹی ہوئی اس ریاست میں پھر بھی کھنڈرات سے گندھارا آرٹ، ہندومت اور بدھ مت کے نادر نمونے حاصل کئے گئے۔

دس سالوں کی تحقیق کے دوران جرمن ماہرین، پروفیسر احمد حسن دانی اور ان کے ساتھیوں کو دیر کے مختلف مقامات سے کئی مجسمے اور دوسرے نایاب نوادرات ہاتھ لگے۔ اس عظیم قومی ورثے کو محفوظ کرنے کیلئے 1970ء میں گورنر سرحد لفٹنٹ کے ایم اظہر نے بمقام چکدرہ دیر عجائب گھر کا سنگ بنیاد رکھا۔ 1976ء میں یہ عمارت پایہ تکمیل تک پہنچی۔ تین سال بعد 1979ء میں اس وقت کے گورنر سرحد لفٹنٹ جنرل فضل حق نے اس عجائب گھر کا باضابطہ طور پر افتتاح کیا۔

یہ عجائب گھر مذکورہ بالا مقامات سے حاصل ہونے والے مختلف تہذیبوں بشمول بدھ مت اور ہندومت کے دو ہزار سے زائد عجائبات پر مشتمل ہے۔ جن میں 1308 مجسمے 83 سکے، 83 تلواریں،

اوزار، ظروف، (؟) مجسمے، زرعی اوزار، آلات موسیقی اور روزمرہ استعمال کی مختلف چیزیں شامل ہیں۔ یہ تمام چیزیں انتہائی دلچسپ ہیں۔ اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ دیر کی سرزمین کسی زمانے میں گندھارا کا اہم مرکز ہوا کرتی تھی۔

آئندہ کتاب میں دیکھیے

نور محل تبرکات، غازی مقبرہ، بزرگان دین کے مزار، نواب ریسٹ ہاؤسز اور قلعے، شاہی محل دیر خاص، میاں [illegible] اور منڈا بنگلے، دیر شاہی قبرستان، میاں کلی کا ایک ہزار سالہ پرانا بازار، میاں کلے مسجد، باباجی مسجد، تعمیر کردہ مغل مسجد کوہستان، خال تاریخی حجرے، زرہ بنگلہ منڈا، چرچل پکٹ اور انگریزوں کے دوسرے آثار۔

پختون قبائل

یوسفزئی پختون

مؤرخین اور شجرہ نویسوں کے مطابق یوسف زئی افغان ہیں۔ افغان قوم کے متعلق بیشتر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل قبیلے سے تعلق رکھتی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد ہے۔ خان روشن خان لکھتے ہیں کہ شیخ ملی بابا نے 1523ء میں یہ شجرہ بنی اسرائیل سے حضرت یعقوبؑ تک ملایا تھا۔ اخون درویزہؒ، جو شہنشاہ اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں اور پیر بابا کے مرید تھے، نے اپنی تحریروں میں پختونوں کا شجرہ افغانوں سے ملایا ہے اور افغانوں کا رشتہ مزید بنی اسرائیل سے جوڑا ہے جس کی تائید بے شمار مؤرخین نے کی ہے۔

مغل شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں ان کے فوج کے سپہ سالار نعمت اللہ ہروی نے مخزن افغان کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ 1612ء میں مکمل ہونے والی اس کتاب میں وہ بھی پختونوں کا سلسلہ بنی اسرائیل سے جوڑتا ہے۔ اسی طرح دیر عجائب گھر کے ڈائریکٹر زین الوہاب کے مطابق بچہ باندھنا (گندغ)، بچے کی پیدائش پر فائرنگ کرنا، سر پر تیل لگانا، بچے کے سینے پر تعویز لگانا اور تجارت کا پیشہ اختیار کرنا ایسی مشترکہ صفات ہیں جو افغانوں اور بنی اسرائیل کا رشتہ جوڑنے میں مدد دیتی ہیں۔

---

1. تفصیل کے لئے "یوسفزئی کی سرگزشت" اور "یوسفزئی پٹھان"
2. صوبہ سرحد کے شمالی علاقوں میں بلکہ تقریباً سارے پختون مائیں نومولود بچے کے بازو اور ٹانگیں سیدھی کر کے اسے کپڑے میں لپیٹ کر اس پر فیتا یا کوئی بھی پتلی رسی لپیٹ دیتی ہے۔ تاکہ بچے کے اعضاء سیدھے رہیں اور اسے آرام و سکون بھی میسر رہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اکثر اور جدید مؤرخین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ پختون آرین ہیں لیکن تاریخی حوالوں باقیات کے لحاظ سے اول الذکر دعویٰ یعنی پختونوں کے بنی اسرائیل سے تعلق پر دلائل مضبوط ہیں۔

جدِ امجد قیس عبدالرشید

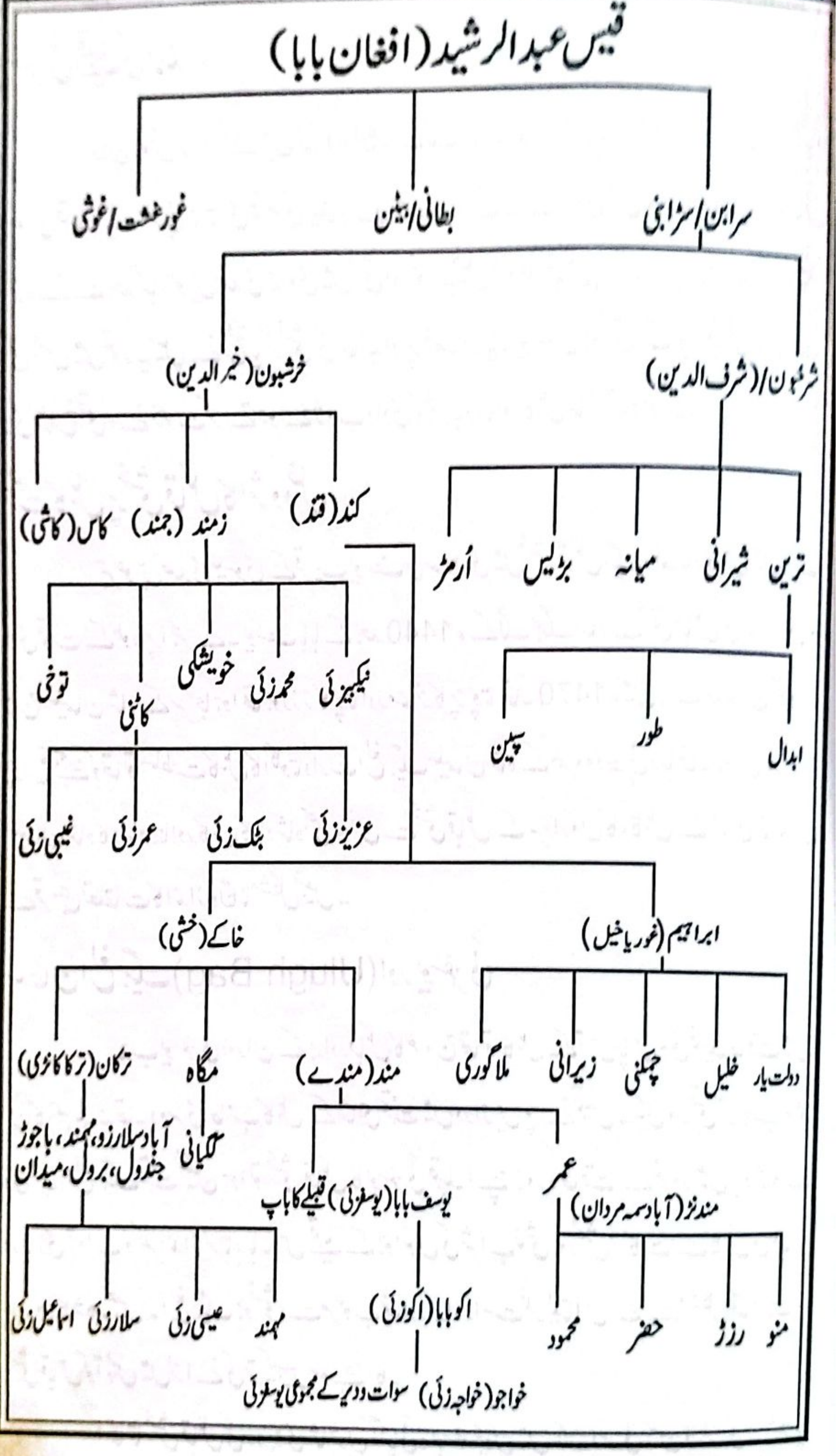
قیس عبدالرشید جو کہ افغان قوم کے جدِ اول ہیں۔ چند مؤرخین کے مطابق یہ بنی اسرائیل کے ایک قبیلے کا نامور سردار تھا۔ قیس نے حضورؐ کے زمانے میں اسلام قبول کیا اور قریش قبیلے کے ایک مشہور صحابی خالد بن ولیدؓ کا داماد بھی بنا۔ قیس نے ستاسی سال کی عمر میں 622ء کے لگ بھگ وفات پائی۔ بنت خالدؓ سے ان کے تین بیٹے تھے۔(1) سڑہ بن (2) بیٹن (3) غورغشت۔

یوسف بابا کا تعلق سڑہ بن کی اولاد میں خرشبون (خیرالدین) سے تھا۔ سڑہ بن کی اولاد بڑھ کر غوریہ خیل اور خشی کے نام سے دو بڑے قبائل بن گئے۔ خشی بعد میں مندرجہ ذیل چار قبائل میں تقسیم ہوئے۔

(1) گگیانی (2) یوسفزئی (3) ترکلانی (4) محمدزئی

یوسف بابا

یوسفزئی قبیلے کے جدِ اول یوسف بابا کی ابتدائی زندگی، سرداری یا سوانح حیات کے متعلق ''افغان''، ''پختون تاریخ کے آئینے میں''، ''تواریخ حافظ رحمت خانی''، ''یوسفزئی کی سرگزشت'' اور ''دی پٹانز'' جیسی کتابوں میں معلومات کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ ان کتابوں میں البتہ یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ یوسف نامی سردار کا زمانہ 1200ء تا 1350ء کے درمیان رہا۔ مزید یہ کہ تیرھویں صدی کے اوائل میں یوسف بابا اور ان کا بھائی عمر بابا بلوچستان (ژوب وادی) میں رہائش پذیر تھے۔ کسی قبائلی تصادم کی وجہ سے عمر بابا نے وہاں سے صوابی آ کر زیدہ نامی مقام پر رہائش اختیار کی۔ عمر کی وفات پر یوسف اپنی بھابھی اور یتیم بھتیجے مندڑ کو واپس ژوب وادی لے گئے۔ بعد میں یوسف نے مندڑ کو اپنا داماد بنایا۔ ان کی اولاد نے بڑھتے بڑھتے یوسفزئی اور مندڑ قبیلوں کے نام سے شہرت پائی اور سولہویں صدی کے بعد مجموعی طور پر یہ قبیلہ یوسفزئی کے نام سے مشہور ہوا۔


قیس عبد الرشید (افغان بابا)
سرابن/سڑابنی
بطانی/بیٹن
غور غشت/غوشی
شرخبون/(شرف الدین)
خرشبون (خیر الدین)
ترین
شیرانی
میانہ
بڑیس
اُرمڑ
ابدال
طور
سپین
کند (قند)
زمند (جمند)
کاس (کاشی)
نیکبیز ئی
محمد زئی
خویشکی
کاٹی
توخی
عزیز زئی
بنک زئی
عمر زئی
غیبی زئی
ابراہیم (غوریا خیل)
خاکے (خشی)
دولت یار
خلیل
چمکنی
زیرانی
ملا گوری
مند (مندے)
مگاہ
ترکان (ترکا کانڑی)
گگیانی
آباد سلارزو، مہمند، باجوڑ
جندول، برول، میدان
عمر
یوسف بابا (یوسفزئی) قبیلے کا باپ
مندنڑ (آباد سمہ مردان)
منو
رزڑ
حضر
محمود
اکو بابا (اکوزئی)
مہمند
عیسیٰ زئی
سلارزئی
اسماعیل زئی
خواجو (خواجہ زئی) سوات و دیر کے مجموعی یوسفزئی

یوسفزئی قبیلے کی ابتداء

خان روشن خان لکھتے ہیں کہ" 550ء کے لگ بھگ گندھارا (پشاور) اور گردونواح میں یوسفزئی قبیلہ ایک مغربی تاتاری قوم کی یلغار سے ہجرت کر کے ژوب وادی میں جا بسا تھا۔ چھ صدیاں گزرنے کے بعد گیارھویں صدی عیسوی میں خشی اور غوریہ خیل (برادر قبائل) کے درمیان ایک جنگ ہو گئی جس میں غوریہ خیل نے فتح پا کر خشی کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ یوسفزئی جو خشی کے چار قبائل میں سے بڑی شاخ تھی، نے ہجرت کرتے ہوئے ژوب وادی کو خیر باد کہا اور کابل جا کر آباد ہو گئے۔

تختِ کابل پر خشی قبائل کا اثر و دخل

تیرھویں صدی عیسوی کے قریب یوسف کی سرداری میں خشی قبائل ایک دفعہ پھر کابل میں ایک بڑی قوت کے طور پر ابھرے۔ یوسف بابا کے بعد 1440ء کے لگ بھگ سارے خشی قبائل کی سرداری کا تاج سلیمان شاہ کے سر سجا ہوا تھا جو رزڑ کا پوتا اور مندنڑ کا پڑپوتا تھا۔ 1470ء میں جب خاندان تیمور کا چراغ بجھنے کو تھا تو سلطنت کابل کا اکلوتا وارث الغ بیگ سلیمان شاہ کے گھر دودھ پی رہا تھا۔ جوان ہو کر یہ سلیمان شاہ کا داماد بنا اور کابل کا بادشاہ بھی، جس سے خشی قبائل کے سرداروں کا، کابل کے شاہی خاندان سے قریبی تعلقات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

سلطان الغ بیگ (Ulugh Bag) اور یوسفزئی

جب یوسفزئی اور ان کے برادر قبائل کا عروج تھا تو کابل کے آس پاس کوئی قبیلہ طاقت میں ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ دوسری جانب کابل کے شاہی تخت میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب نوعمر [illegible]لی عہد الغ بیگ تخت نشین ہوا تو خشی قبائل کا یوسفزئی قبیلہ اپنے زور و طاقت کے غرور میں بادشاہ کے [illegible]رباری آداب کو نظر انداز کرتا رہا۔ اس قبیلے کے جوانوں کی شراب نوشی اور فحش حرکات سے کابل کی گلیاں [illegible]امنی کا شکار تھیں۔ الغ بیگ جو خشی سے مرعوب تھا اور براہ راست ٹکر لینا اس کے لئے مشکل تھا اسلئے وہ [illegible]شی قبائل کو آپس میں لڑانے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

اتفاقاً خشی قبائل کی دو بڑی شاخوں گگیانی و یوسفزئیوں میں ملک احمد کی بہن فاطمہ کی رشتے پر

تنازعہ پیدا ہو گیا۔ الغ بیگ چونکہ اس موقع کی تاک میں بیٹھا تھا اس لئے اس تنازعہ کو اپنے درباریوں کے ذریعے مزید الجھا دیا۔ یہ بادشاہ کی کامیابی تھی کہ کابل کے مشرق کی جانب ایک سبزہ زار میں دونوں قبائل ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوئے۔ بادشاہ کا لشکر چوری چھپے گگیانی کی صفوں میں گھس گیا۔ ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' کے مطابق دونوں برادر قبائل نے ایک دوسرے پر کلہاڑیاں اور تلواریں برسائیں، اتنا خون بہا کہ جیسے خون کی بارش ہوئی ہو جس کی بنا پر یہ میدان جنگ (غوڑہ مرغہ) سے مشہور ہوا یہ جنگ بڑی خونریزی کے بعد یوسفزئیوں کی فتح پر اختتام پذیر ہوئی۔

الغ بیگ کی چال

بادشاہ کے خاص مشیر، گگیانی سردار شبلی اور حسن، کے اشاروں پر کچھ عرصہ بعد الغ بیگ نے دونوں قبائل کے سرداروں کو اپنے دربار بلا کر ان میں صلح کرائی۔ شاید چالاک بادشاہ دونوں قبائل کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ میں آپ کی بھلائی چاہتا ہوں۔ یہ اعتماد پیدا کر کے کچھ روز بعد یوسفزئی قبیلے کو ایک پر رونق دعوت دی گئی۔ اس محفل میں رنگ جمانے کیلئے پینے کی ابتداء خود بادشاہ نے کی اور اپنے امیروں کو بھی خوب پلایا۔ مہمانوں کو بھی عمدہ پلاؤ کے ساتھ لذیذ شراب پیش کی گئی جس میں مدہوش ہو کر کابل کا محل جوانوں نے سر پر اٹھا لیا۔ بادشاہ خاموش رہا اور جاتے ہوئے یوسفزئی سرداروں پر تجوریاں لٹا دیں۔ اعتماد میں لیکر کچھ عرصہ بعد یوسفزئیوں کو ایک اور دعوت دی گئی۔ پہلی دعوت میں بادشاہ کی طرف سے سرداروں پر قیمتی تحائف اور بھاری دولت نچھاور کی گئی تھی۔ اس لالچ میں آ کر اس بار کی دعوت میں جہاں کہیں بھی کوئی جنگجو اور بہادر سردار تھا وہ بادشاہ کا شکار بنا۔

اس دفعہ جب یوسفزئیوں کے سردار آئے تو بادشاہ کے حکم سے ان کا اسلحہ دربار کے صدر دروازے پر روکا گیا۔ محل کے اندر داخل ہو کر بادشاہ نے خوشامدی انداز میں سرداروں کو خوش آمدید کہا کچھ دیر کی گفتگو کے بعد پر تکلف خوان بچھائے گئے۔ مہمان جوں ہی کھانے کے دسترخوان پر بیٹھے دربار کے کونوں میں چھپے بادشاہ کے سپاہی نکل آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سات سو یوسفزئیوں نے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے پائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سلیمان شاہ کو چھوڑ کر باقی تمام کے سر قلم کر دیئے جائیں تا کہ وہ

[1] تواریخ حافظ رحمت خانی میں ''غوڑہ مرغہ'' کا معنیٰ ''خون سے تر میدان لکھا گیا ہے''۔

اپنے جوانوں کو یکے بعد دیگرے قتل ہوتے ہوئے دیکھ سکے۔

یوسفزئی سردار کی آخری خواہش

بادشاہ نے چونکہ سلیمان شاہ کے گھر دودھ پیا تھا بلکہ ان کے ہاں جوان بھی ہوا تھا سلئے قہقہہ لگاتے ہوئے اس نے سلیمان شاہ سے پوچھا کہ آج آپ کے دل کی کیا خواہش ہے تو انھوں نے جواباً تین باتوں کی درخواست کی۔ پہلی بات یہ کہ میری جگہ ملک احمد کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی جان بخشی کی جائے۔ دوسری بات یہ کہ مجھے سب سے پہلے قتل کیا جائے۔ تیسری بات یہ کہ باقی ماندہ یوسفزئی قوم جس میں بوڑھے، بچے اور عورتیں شامل ہیں جہاں جانا چاہیں جانے دیا جائے۔

بادشاہ نے درخواست منظور کر لی اور قتل عام کا حکم دیا۔ حکم سنتے ہی فوری طور پر تعمیل کرتے ہوئے خونخوار جلادوں نے سر اڑانے شروع کر دیئے۔ دربار میں خون کے فوارے ابل پڑے، موت کی غراہٹ سے قلعہ گونج رہا تھا۔ جلاد تھک گئے لیکن ظالم بادشاہ کے دل میں اس وقت تک رحم نہ آیا جب تک سارا محل خاموش نہیں ہوا۔ اس پر مستزاد یہ کہ باقی ماندہ قبیلے کو خیبر کی طرف بڑھتے ہوئے راستے میں کئی بادشاہ کے حواریوں نے لوٹا۔

سلیمان شاہ کا پندرہ سالہ بھتیجا ملک احمد جرگہ کے ذریعے ان کا جانشین بنا۔ ملک احمد بن سلطان شاہ بن ملک تاج الدین بن رزڑ بن مندنڑ تھے۔ جب سرداری کی پگڑی ان کے سر پر رکھی گئی تو راتوں رات ہجرت کے لئے یوسفزئی براستہ خیبر پشاور تک پہاڑوں کی طرف گامزن ہوئے۔ واقعات سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ سفر غمزدہ گھرانوں کے بچوں، بوڑھوں اور حاملہ عورتوں کیلئے کافی کٹھن تھا۔ وادی پشاور پہنچنے کے بعد ملک احمد نے مقامی لوگوں سے پناہ کی درخواست کی۔ پشاور سے دوآبہ، باجوڑ، ہزارہ، سندھ کوہستان تک دلہ زاک قبائل کا طوطی بولتا تھا۔ ملک احمد کی درخواست پر دلہ زاک جرگہ مشران نے بالترتیب دوآبہ، دانش کول و باجوڑ کے علاقے یوسفزئی قبائل کے تصرف میں دے دیئے۔

دلہ زاک قبائل کے مختصر حالات

قدیم تاریخ کی رو سے ساتویں صدی عیسوی کو گندھارا حکمرانوں کے زوال کے بعد دلہ زاک کابل سے خیبر کے راستے پشاور میں داخل ہوئے۔ اس زمانے میں پشاور اور گردونواح پر لاہور کے ایک

جابر اور عیاش حکمران کی حکومت تھی۔ دلہ زاک قبائل نے کئی جنگوں کے بعد اس حکمران سے پشاور قبضہ کر لیا اور اس طرح یہ پشاور سے سمہ (مردان) تک پھیل گئے۔ 998ء میں سردار تتی کی کمان میں دلہ زاک قبائل نے سوات پر حملے میں محمود غزنوی کا ساتھ دیا اور غزنوی فوج کے کابل واپس لوٹتے ہی دلہ زاک قبائل دیر اور سوات میں بھی جا بسے۔ 1160ء میں ایک نامعلوم قوم نے حملہ کر کے دلہ زاک کو دریائے سندھ کے اس پار دھکیل دیا لیکن سو سال بعد دلہ زاک قبائل اپنے علاقوں کو دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

ملک ھیبو کی ہٹ دھرمی

بدقسمتی سے جس وقت دلہ زاک جرگہ یوسفزئی مہاجرین کو یہ علاقے دے رہا تھا۔ اس روز دلہ زاک قبیلے کا مشہور سردار جندول کا حاکم "ملک سلطان ھیبو" غیر حاضر تھا۔ مہاجرین کی باجوڑ آمد دیکھ کر اس نے بے سروسامان قبیلے کو یہاں قدم نہ رکھنے کی قسم اٹھالی۔ ھیبو ایک عیاش حکمران تھا جس کی زیادہ شراب نوشی کے متعلق اخون درویزہؒ نے اپنی تحریروں میں ذکر کیا ہے۔ یوسفزئیوں نے ان کے ہاں جرگہ بھیجا بجائے لچک کے اس نے اسی رات بے سروسامان عورتوں اور بچوں پر شب خون مارا۔ یوسفزئیوں کے پرانے زخم ابھی مندمل نہ ہوئے تھے اسلئے ا[illegible] کا یہ حال دیکھ کر خشی کے دوسرے قبائل اپنی بھائیوں کی مدد کیلئے کابل سے جوق در جوق باجوڑ پہنچے۔

اسی طرح ایک اور آزمائش میں ملک ھیبو کی یلغار کا مقابلہ کرنے کیلئے یوسفزئی صف آراء ہو گئے۔ جندول کے خلیل قبائل نے یوسفزئیوں کا ساتھ دیا اور ملک ھیبو کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے سلطان ھیبو نے بھی دلہ زاک کی شاخ سرخانی و گھگڑ کے جنگجو قبائل سے لشکری قوت مانگ لی تھی۔ تعداد کے غرور میں اندھا ہو کر ملک ھیبو اپنے لشکر کی پہلی صف میں گھوڑے پر سوار صفیں باندھ رہا تھا۔ جب صلح کی کوشش بارآور نہ ہوئی تو لگامیں چھوٹ گئیں اور گھوڑے بدک کر ہنہنانے لگے۔ ایک خونریز جنگ کے اختتام پر یوسفزئی، ترکلانی و خلیل قبائل نے مل کر ملک ھیبو کے لشکر کو شکست فاش دی۔ ملک ھیبو اور اس کا بھائی جہان شاہ دونوں اس لڑائی میں مارے گئے اور اس کے لشکر کو جندول کی طرف بھگایا گیا۔

چند روز بعد اتحادی خلیل قبائل کے سردار جندول کی تقسیم پر یوسفزئیوں سے الجھ پڑے جس سے

اتحاد ٹوٹ کر خلیل و یوسفزئیوں کے درمیان ایک اور میدان سج گیا۔ خلیل اور اس کے اتحادی قبائل کے ہاتھوں شکست کھا کر یوسفزئی جندول باجوڑ سے اتمان خیل تک پسپا ہونے پر مجبور ہوئے۔ تین سال بنجر پہاڑوں میں رہتے ہوئے یوسفزئی قبائل نے اپنے گڑھ دوآبہ سے ایک بڑا لشکر لے کر باجوڑ سمیت جندول پر دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس بار خلیل قبائل کو شکست ہوئی اور یوسفزئیوں نے یہاں دوبارہ آبادکاری شروع کی۔

شلمانی سلطنت کا خاتمہ

ہشتنگر سے تخت بھائی تک دلہ زاک قبائل کے علاوہ طاقت ور شلمانی قبیلے کے حکمرانوں کا قبضہ تھا۔ ابتداء میں یہ قبیلہ سلطان سوات کی رعایا تھی لیکن بعد میں میر ہندہ نامی جنگجو سردار نے بغاوت کر کے سلطان سوات سے یہ حصہ کاٹ کر اپنی شہنشاہیت کا اعلان کیا تھا۔ کئی سالوں سے دلہ زاک و شلمانیوں میں روایتی اختلافات اور چپقلش چلی آ رہی تھی۔ ان قبائل نے آپس میں کئی جنگیں بھی لڑیں۔ جب یوسفزئی شلمانیوں کے حدود تک پہنچے تو دلہ زاک نے یوسفزئیوں کے ہاتھوں میر ہندہ کو شکست دینے کا فیصلہ کیا۔

دو سالہ جنگوں کے دوران یوسفزئی اور اتحادی قبائل نے کئی جنگوں کے بعد شلمانیوں کو ان کے مرکزی قلعے ہشتنگر تک محدود کر دیا۔ ایک فیصلہ کن جنگ کے بعد ہشتنگر کے مضبوط مرکزی قلعے سمیت قلعہ بیغم، قلعہ کلپانڑئی (تخت بھائی) قلعہ کاٹلنگ، قلعہ سنگاؤ اور دوسرے قلعے مال و متاع سمیت یوسفزئیوں نے شلمانیوں سے چھین لئے۔ شلمانی قبیلے کا حکمران میر ہندہ فرار ہو کر سلطان سوات کے پاس پہنچ گیا۔ اس طرح ہشتنگر تا مالاکنڈ کا سارا علاقہ یوسفزئیوں کے قبضے میں آ گیا۔ اس فتح کے بعد جندول، باجوڑ اور گرد و نواح میں آباد یوسفزئی قبائل ان علاقوں میں جائیدادسازی کیلئے جوق در جوق آ کر آباد ہونا شروع ہو گئے۔

(سلطنت سواستو/ Su.p,o.su.tu)

بونیر، دیر، تخت بھائی سمیت سواستو (سوات) سلطنت پر سوات کے سلطان کے آباؤ اجداد صدیوں سے حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اصل میں اس خاندان کا عروج ہندوشاہیہ کے زوال اور غزنوی لشکر کے کابل لوٹنے کے بعد شروع ہوا تھا۔

[1] شلمانی قوم آج بھی سخاکوٹ اور گرد و نواح میں کثیر تعداد میں آباد ہے

''تواریخ حافظ رحمت خانی'' کے مطابق (1440ء تا1480ء) پکھل نامی مشہور سلطان سوات اس خاندان کے نامور حکمران گزرے ہیں۔فن تعمیر کے شائق اس سلطان نے اپنی سلطنت میں خوبصورت شہر بنائے۔ان حسین بازاروں میں دریائے سوات سے مصنوعی نہریں گزریں تھیں جسے دور دور سے سیاح دیکھنے کیلئے آتے تھے۔

یوسفزئیوں کی باجوڑ میں بہادری اور اس قبیلے کے ہاتھوں اپنی سلطنت کو خطرے میں پا کر اس دوراندیش سلطان نے اپنے بیٹے ولی عہد اویس کے لئے ملک احمد کی بہن کا رشتہ مانگا۔زین الوہاب کے مطابق دو بڑی قوتوں کا رشتہ دیکھ کر مغل بابر نے کابل سے یہاں مداخلت شروع کی۔
بابر بادشاہ کے ورغلانے پر سلطان کی رعایا جب ملاکنڈ سے نیچے آتی تو یوسفزئی انہیں تنگ کرنے کے علاوہ ان کے قافلوں کو لوٹتے تھے جس سے رشتہ داری کی محبت نفرت میں بدل گئی۔دس سال دونوں مخالفین ایک دوسرے پر لشکرکشی کرتے رہے۔بار بار حملوں کی وجہ سے سلطان اویس نے طیش میں آ کر ملک احمد کی بہن کو قتل کر ڈالا۔یہ خبر سن کر یوسفزئیوں کے درجنوں سرداروں کا جرگہ اپنی بہن کا قصور پوچھنے کیلئے سلطان کے پاس پہنچا، جہاں جرگہ میں شلمانی سلطنت کا معزول حکمران میر ہندہ نے ناشائستہ زبان استعمال کرتے ہوئے جرگہ کی توہین کی۔

سلطنت سواستو پر حملہ

یوسفزئی جرگہ جیسے ہی لوٹا تو ایک بڑا لشکر ملاکنڈ کے پہاڑ کے دامن میں جواب کا منتظر تھا۔
ملک احمد نے یہاں پہنچ کر سلطان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ادھر دفاع کیلئے سلطان نے ہزاروں سپاہیوں کو ملاکنڈ میں مضبوط قلعوں کی تعمیر پر لگا دیا۔کچھ دن بعد یوسفزئیوں کا لشکر ملاکنڈ کے نیچے ہموار علاقوں تک جمع ہوا۔کئی حملوں کے باوجود یوسفزئی لشکر مشکل پہاڑی راستوں کی وجہ سے فتح میں ناکام رہا ملاکنڈ کی چوٹی کو سلطان اویس نے اہم فوجی چھاؤنی کی حیثیت دے کر ساری فوجی طاقت یہاں جمع کرادی۔جب یوسفزئیوں کا لشکر پیش قدمی شروع کرتا تو اوپر پہاڑیوں سے سنگ باری اور تیراندازی جنگجوؤں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کرتی۔

آخر ایک رات ملک احمد کی ترکیب سے خیمہ زن کیمپوں میں جگہ جگہ آگ جلائی گئی۔

سلطان کے سپاہی رات کو اسی آگ پر نظریں مرکوز کیئے ہوئے تھے، دوسری طرف کئی گھنٹے سفر کر کے ہزاروں یوسفزئیوں نے پہاڑی راستوں سے سلطان کے قلعوں پر پیچھے کی طرف سے آ کر خوفناک حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملے میں سلطان کا نیم خوابیدہ لشکر سنبھلنے کی کوشش کرتا رہا اور بھرپور مزاحمت کی۔ کافی خونریزی ہوئی، آخرکار سلطان کے لشکر نے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ یوسفزئی جوان برابر تعاقب کرتے رہے اور املوک درّہ تک کے علاقے پر قابض ہو گئے۔ اس اہم فتح سے یوسفزئیوں کو نہ صرف بے انتہا مال غنیمت اور اسلحہ ہاتھ آیا، بلکہ ملاکنڈ کی فتح سلطان کا دایاں ہاتھ کاٹنے کے مترادف تھا۔

ملاکنڈ پر فتح پاتے ہی یوسفزئیوں نے میدانی علاقوں میں اتر کر الہ ڈھنڈ کو سلطان سوات کے خلاف فوجی گڑھ بنا لیا۔ یاد رہے کہ یوسفزئیوں نے دیر و سوات قبضہ کرنے کیلیئے ساری جنگی مہمات کی تیاریاں یہاں سے کی تھیں۔ اس علاقے کی مزید اہمیت یہ تھی کہ ملک احمد، شیخ ملی اور شاہ منصور جیسے سردار یہاں رہائش پذیر رہے۔ ملک احمد کا مزار بھی یہاں واقع ہے جس کی زیارت کیلیئے آج بھی یوسفزئی پختون اس تاریخی گاؤں کا رخ کرتے ہیں۔

جنگ تانڑہ

ملاکنڈ میں شکست کی خبر پا کر منگلور (دارالحکومت) کے اصطبل خالی ہو گئے۔ گھڑسوار تھانہ کی طرف گامزن تھے۔ سلطان کی طرف سے یوسفزئیوں کی مزید پیش قدمی روکنے کیلیئے تھانہ میں فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ اگلے روز سلطان اپنے لشکر کے ہراوّل دستوں کے آگے زرق برق شاہی لباس زیب تن کئے، کانوں میں بالیاں پہنے مست گھوڑے پر سوار صف بندی میں مصروف تھا۔ کچھ وقت کے بعد فاصلے مٹے اور مخالف لشکر ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ ہنہناتے گھوڑوں اور روایتی ڈھول سرنا کی مستی کے ساتھ کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ کیل کانٹے سے لیس سلطان کا لشکر قابل داد حد تک مخالفوں پر وار کر رہا تھا۔ شام تک لڑی گئی اس خونریز جنگ میں اولیس کے بہت سے عزیز و اقارب، نامور پہلوان اور امیر مارے گئے۔ اولیس کے لشکر نے فرار کا راستہ اختیار کیا تو یوسفزئی جنگجوؤں نے برابر تعاقب کیا۔ اس ہیبت کے مارے لشکر میں سلطان بھی گھوڑے پر سوار چند میلوں تک بھاگتا رہا۔ افراتفری میں صحیح راستہ بھول کر تر ہنگ چلا گیا۔

[1] الہ ڈھنڈ اور تانڑہ دونوں قریبی دیہات ہیں۔

ایک خاردار جنگل میں پہنچ کر جب گھوڑے کیلئے جانا مشکل ہو گیا تو گھوڑے کے ساتھ شاہی لباس کا کچھ حصہ وہیں چھوڑا اور پیدل دوڑتا رہا۔

اسی تعاقب کے دوران ایک یوسفزئی سردار کو راستے میں رومال ملا جس میں سونے کی بالیاں پڑی تھی۔ یہ بھی بادشاہ نے اس خوف سے گرائی تھیں کہ کوئی ان کو پہچان نہ لے کیونکہ اس زمانے میں سونے کی بالیاں پہننے کا اختیار صرف سلطان کے پاس ہوا کرتا تھا۔ سلطان اویس اس غم میں کہ اسکی پوری سلطنت قبضہ ہو چکی ہے پہاڑوں میں تھکا ہارا مارا مارا پھرتا رہا لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ مال غنیمت، اناج اور مال مویشی جمع کرنے کے لالچ میں یوسفزئی منتشر ہوئے تھے جس کا فائدہ اٹھا کر سلطان کی بہادر رعایا نے ان کو ایک دفعہ پھر مشکلات میں ڈالا تھا۔

آخر ایک چرواہے کی زبانی خبر پا کر سلطان جلدی سے منگلور لوٹ گیا کیونکہ منگلور کا شاہی تخت اب بھی یوسفزئیوں کے قبضے سے باہر تھا۔ روایت کے مطابق جب بادشاہ تین روز خاردار جھاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے پھٹے ہوئے کپڑوں کے ساتھ شاہی محل میں داخل ہوا تو خاندان اور نوکر چاکر جو انہیں مردہ خیال کئے ہوئے تھے خوشی سے رو پڑے اور اس خوشی کی جشن میں بادشاہ کا محل ایک دفعہ پھر روایتی شاہی نقاروں سے گونج اٹھا۔

بابر بادشاہ کی یوسفزئیوں کے تعاقب میں دیر و سوات آمد 1518ء

اللہ بخش یوسفی لکھتے ہیں کہ "بابر نے پشاور تالواری جندول و باجوڑ قبائلی سرداروں کو خطوط بھیج کر کابل کے دربار بلایا۔ بادشاہ کو آداب پیش کرنے کیلئے ہر قبیلے نے اپنے سردار کابل روانہ کئے لیکن یوسفزئی سردار ملک احمد نے اپنے چچازاد بھائی ملک شاہ منصور کو بھیجا جسے بابر نے اپنی توہین سمجھا۔ بابر کی مہمان نوازی دیکھ کر ملک شاہ منصور نے لوٹ کر اپنے سرداروں سے کہا کہ اب ہمیں الغ بیگ کے پوتے سے اپنے آپکو بچانا ہوگا"۔

اِسی سال تیس ہزار لشکر سمیت بابر ناواگئی کے راستے باجوڑ کے راستے داخل ہوا۔ گبری قبائل نے کابل کے بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔ اس قبیلے کے بہادر حکمران سلطان میر حیدر علی گبری نے زبردست جنگ لڑی۔ بابر لکھتے ہیں کہ "میں نے سلطان باجوڑ کی فوج کی مردہ لاشوں کے سروں کا مینار

بنایا''۔ خوف زدہ گبری قبائل نے بابر کے لشکر کو عمدہ شراب پیش کی۔ کہتے ہیں کہ یہ قبائل شراب [illegible]
ماہر تھے۔ ان کی شراب کا ذکر بابر کے کئی جرنیلوں نے بھی کیا ہے۔

باجوڑ میں بابر کی بربریت دیکھ کر یوسفزئی پہاڑوں میں روپوش ہو گئے تاکہ بہتر انداز [illegible]
کی لشکر پر وار کر سکیں۔ بابر نے باجوڑ کے سارے قبائل کو اپنا مطیع بنایا اور جندول آ کر دریا کے کنارے خیمہ
زن ہوا۔ (بعض لوگ کہتے ہیں کہ بابر دیارون میں ٹھہرا لیکن اصل میں وہاں غزنوی کا لشکر ٹھہرا تھا)
سلطان سوات اویس جسے بعض تواریخ میں Wais یعنی Oweis بھی کہا گیا ہے۔ بابر کی آمد کی [illegible]
جندول آیا بادشاہ کی آؤ بھگت کی اور انہیں منگلور محل مدعو کیا۔

بابر بادشاہ کا ارادہ بدلنا

جندول کیمپ سے ایک روز بابر بادشاہ بھیس بدل کر فقیر کے روپ میں یوسفزئیوں کی روپوش
سرداروں کی جاسوسی کی غرض سے ''مہورہ'' پہاڑی آیا جو الہ ڈھنڈ گاؤں سے متصل ہے۔ اس گاؤں
میں ملک احمد، ملک شاہ منصور اور اہم سرداروں نے پناہ لے رکھی تھی اور اس تاک میں تھے کہ کب بابر کی
فوجیں مہورہ کا رخ کریگی۔

بابر نے مہورہ جانے سے پہلے ملک احمد کے گاؤں جانا مقدم سمجھا۔ جب بابر وہاں پہنچا تو دیکھا
کہ مبارکہ بی بی (ملک شاہ منصور کی نیک اختر) اپنے قبیلے کو آفات سے بچانے کیلئے نیاز بانٹ رہی تھی۔
بابر بھی جو فقیر کا روپ دھارے ہوئے تھا نیاز لینے پہنچ گیا۔ کسی کو کیا پتہ تھا کہ فقیر ہی بادشاہ ہے۔ بابر
یوسفزئیوں کے خون سے پنجکوڑہ کو رنگنے کیلئے آیا تھا لیکن اس پری صفت لڑکی پر فریفتہ ہونے سے اب اس
کا دل موم ہو چکا تھا۔ تالاش کے بزرگ روایت کرتے ہیں کہ بادشاہ نے جب ملک شاہ منصور کے گھر رشتہ
بھیجا تو خود انھیں اور ان کے قبیلے کے سرداروں کو یقین نہیں آ رہا تھا بلکہ وہ اسے جنگی چال سمجھ رہے
تھے۔ بابر نے انہیں یہ یقین دلانے کیلئے کہ وہ وہاں خود گیا تھا کہا'' جا کر دیکھو شاہ منصور کے گھر کے سامنے
ایک پتھر کے نیچے میں نے چند روٹیاں اور گوشت رکھ لیا ہے''۔ بعد میں جب دیکھا گیا تو بات صحیح نکلی۔ آخر
چار و ناچار کچھ خوشی اور کچھ خوف کا احساس لئے یہ رشتہ منظور کیا گیا، اگلے روز یوسفزئی نوجوان اپنی بہن
جس کا نام اولف کیرو کے مطابق ''بی بی مبارکہ'' تھا کو ڈولی میں بٹھا کر دریائے پنجکوڑہ تک لائے اور وہاں

سے بابر کے لشکر نے اس بارات کو بابر کے کیمپ تک پہنچایا۔

بابر کا منگلور میں قیام

رشتے کی وجہ سے پریشان سلطان اویس اب بھی بابر کو سلام وآداب پیش کرنے کا منتظر تھا۔ منگلور جانے کے لیے نئی نویلی دلہن کو دریا پار کرانے کیلئے پنجکوڑہ پر پل بنوایا گیا۔تواریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق جیسے ہی مغل لشکر تالاش غانے نامی پہاڑی پر پہنچا تو اس سبزہ زار میں بابر بادشاہ نے صنوبر کے دو خوبصورت پیڑ دیکھے جو آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ بابر کو یہ درخت بے حد پسند آئے اور انہیں کابل محل لے جانے کی خواہش ظاہر کی تو ذہین مشیر نے بھاری بھرکم درختوں کو پہاڑی راستوں سے لے جانے میں آنے والی مشکلات کی وجہ سے بادشاہ کا ارادہ بدلنا چاہا اور کہا، بادشاہ سلامت! اگر کابل لے جانے کی بجائے انہیں تیر مار کر چھوڑا جائے تو یہ آپکی ایک یادگار نشانی رہیگی۔ یہ سن کر بابر نے اس درخت پر تیر مارا اور تیر درخت کے تنے میں گڑ گیا۔ بابر کے جانے کے بعد ایک عرصے تک لوگ اسکی تقلید میں اس پیڑ کو تیروں یا پتھروں سے مارتے رہے جس سے یہ درخت چند سال بعد فنا ہو گیا۔ پھر کاٹکلہ سے ہو کر بابر منگلور پہنچا جہاں سے چند روز بعد تخت بھائی کے راستے واپس ہوا۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ بی بی مبارکہ سے بابر بادشاہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

یوسفزئی بیٹی سے بابر کے شادی کا مقصد

خان روشن خان لکھتے ہیں کہ پختون بادشاہ شہاب الدین محمد غوری 1187ء میں کابل سے آ کر دہلی پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوا۔شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک سے لے کر ابراہیم لودھی تک افغان پختون قوم کے چوبیس بادشاہوں نے (ترک غلاموں سمیت) یکے بعد دیگرے دہلی پر ساڑھے تین سو سال سے زائد عرصے تک حکومت کی۔ شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک، آرام شاہ، شمس الدین التمش، فیروز شاہ، رضیہ سلطانہ، علاؤالدین، فیروز شاہ، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، جلال الدین، علاؤالدین خلجی، قطب الدین، سلطان سکندر، مبارک شاہ، ملک غیاث الدین، محمد تغلق، فتح خان، ابوبکر، سلطان ہمایون اور ناصر الدین ان میں سے مشہور بادشاہ گزرے ہیں۔

---

1 یوسفزئی کی سرگزشت صفحہ ۲۸۵

بابر بادشاہ کابل سے ہندوستان پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا انھیں پختونوں کی طاقت اور اتحاد کا بخوبی اندازہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس نے یوسفزئیوں کے پاس آنے کا فیصلہ کیا۔ وہ پہلے زور آزمائی کرنا چاہتا تھا لیکن جب یوسفزئی خطرناک پہاڑوں میں روپوش ہوئے تو بابر نے ارادہ بدلا اور یوسفزئیوں کا داماد بننے کا فیصلہ کیا۔ فائدہ یہ ہوا کہ اس کامیاب سفارتی (ڈپلومیٹک) رشتے کے آٹھ سال بعد 1526ء میں بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ ابراہیم لودھی سے اقتدار چھینا گیا۔ پشاور تا ہندوکش کے پختون کوئی خاص مزاحمت نہ کر سکے اسلیئے کہ بابر نے پہلے سے یہی غرض حاصل کرنے کیلئے پختون زادی سے شادی کی تھی۔

سلطان اویس کی معزولی The fall of Sultan

بابر کے پختونوں سے رشتہ ہونے سے اویس کی طاقت کو دھچکا لگا۔ بابر کے لوٹنے کے بعد اویس اور یوسفزئیوں کے درمیان مشت وگریبانی ہوتی رہی۔ آخر ایک فیصلہ کن جنگ کے بعد منگلور کے محلات اور شایان شان قلعے یوسفزئیوں کے قبضے میں آ گئے۔ شہنشاہ اویس معزول ہو کر نہاگ درّہ گئے جہاں انہوں نے ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا، جس کی خوبصورتی اپنی مثال آپ تھی۔ یاد رہے کہ اویس کی سلطنت دیر، سوات و بونیر پر مشتمل تھی جس کے قبضہ کے بعد یوسفزئیوں کے مقبوضہ علاقوں میں نہ صرف کافی توسیع ہوئی بلکہ یہ یوسفزئیوں کی ایک بڑی کامیابی تھی۔

دلہ زاک و یوسفزئیوں کا بابر بادشاہ اور گگیانیوں کے خلاف اتحاد

سوات سے واپس لوٹ کر کچھ عرصہ بعد بابر نے کابل سے گگیانی قبائل بے دخل کیئے۔ ان کے سرداروں کا ایک جرگہ کابل سے براستہ باجوڑ الہ ڈھنڈ آیا اور ملک احمد سے بود و باش کے لئے جائیداد کی درخواست کی۔ یوسفزئیوں کو اگرچہ گگیانیوں کے ہاتھوں ماضی میں بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا لیکن پھر بھی بوجہ برادری ملک احمد نے اپنے قبیلے کے سرداروں کے مشورہ سے انہیں آبادکاری کیلئے دوآبہ کا علاقہ دے دیا۔ ذرا سنبھل کر گگیانیوں نے دلہ زاک سے دست وگریبانی شروع کی۔ ان قبائل کے مابین ایک جنگ میں مغل لشکر نے گھس کر دلہ زاک کو کافی نقصان پہنچایا تو اب یوسفزئی سمجھے کہ یہ بھی بابر کی ایک چال تھی۔

ایک اور جنگ میں یمہ وزئی کے میدان میں اب گگیانی ایک طرف تھے (جن میں بابر کا [illegible] شامل تھا) اور دلہ زاک و یوسفزئی ان کے خلاف متحد محاذ بنائے ہوئے تھے۔ تاریخ میں یہ مشہور جنگ [illegible] و یوسفزئیوں نے جیتی اور بابر اپنی چال میں ناکام رہا۔

دلہ زاک و یوسف زئیوں کے جنگیں

کچھ عرصہ بعد گگیانی قبائل پر یوسفزئیوں نے ایک دفعہ پھر ترس کھا کر اپنے مفتوحہ علاقوں میں حصہ دے دیا۔ اس بات پر دلہ زاک قبائل کے سردار برہم ہوگئے۔ انہوں نے اپنے اوباش جوانوں کے ذریعے یوسفزئیوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ ایک روز مقام کلپانی کے چشمہ (گدر) پر یوسفزئی لڑکی سے دلہ زاک نوجوانوں نے بدتمیزی کی اور اس کے سر سے دوپٹہ کھینچا جس کی شکایت پر دلہ زاک سرداروں نے کان نہیں دھرا، اس طرح کے واقعات اور بدامنی میں اضافہ ہوتا رہا جس کی وجہ سے دونوں قبائل کے درمیان جھڑپیں معمول بن گئیں۔

دلہ زاک قبائل نہ صرف جائیداد کے لحاظ سے کافی امیر تھے بلکہ ان کی آبادی بھی یوسفزئی قبائل کے نسبت کافی زیادہ تھی۔ لہٰذا ملک احمد نے ایک بڑی جنگ کے لئے دلہ زاک کے خلاف اتحاد میں شامل کرنے کیلئے ہر قبیلے کے پاس جرگے روانہ کئے۔ جس کے نتیجے میں گگیانی قبائل کی طرف سے کابل کی موسیٰ خیل شاخ نے سینہ تانا۔ کابل کے نزدیک (لغمان ریاست کے حکمران) ترکلانیوں نے مدد دینے کی حامی بھرلی۔ محمد زئی (ننگر ہار کے حکمران) کے سردار بھی لشکر کی تیاری کے لئے سرگرم ہوئے۔ اس طرح وردگ، مشوانی، راہونڑی، سواتی، شلمانی، اتمان خیل (دلہ زاک برادری) بھی اتحادیوں کے طور پر یوسفزئی قبائل کے ساتھ شامل ہوئے۔

جب اتنی بڑی قومیں خشی اقوام کیساتھ مل گئیں تو ملک احمد نے سارے قبائل کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ شہباز گڑھ میں اتمان خیل، گگیانی اور محمد زئی شیخ ملی کی کمان میں صف آراء ہوئے اور خشی قبائل سمیت دوسرے اتحادی قبائل ملک احمد کی سپہ سالاری میں کاٹلنگ تک جمع ہوئے۔

یوسفزئیوں کی تاریخ ساز فتح

اللہ بخش یوسفی کے مطابق جب ملک احمد نے کاٹلنگ کی طرف دلہ زاک کی بڑھتی ہوئی اور نہ ختم

ہونے والی صفیں دیکھیں تو انھوں نے پہاڑی پر چڑھے لشکر کو نیچے آنے کا حکم دیا۔ گدر نامی مقام تک یوسفزئیوں کی گھڑسوار اور پیدل فوج بھی حرکت میں آکر آگے بڑھی فاصلے ختم ہوئے اور دونوں مخالف لشکر ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ تیروں کی بوچھاڑ نے ہراوّل دستوں کی تعداد کو کم کر دیا۔ زخمی قبائلی اور گھوڑے آگے بڑھنے میں مشکلات پیدا کر رہے تھے۔ دو افغان قبیلے اپنے اتحادیوں سمیت تاریخی معرکے میں ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھے۔ ان قبائل کے درمیان بیک وقت دو محاذوں پر جنگیں لڑی جارہی تھیں۔ کہتے ہیں کہ اس دن سہ پہر تک خونریزی اور کشت وخون جاری رہا۔ آخر ملک احمد کی اچھی کمان اور عقلمندانہ سپہ سالاری نے یوسفزئیوں کو فتح دلا دی۔ دلہ زاک کے شکست خوردہ لشکر کا دس میل تک تعاقب کر کے دریائے سندھ کے اس پار تک دھکیل دیا گیا۔

ملک احمد نے فتح پاتے ہی لشکر کا ایک حصہ دوسرے محاذ پر بھیجا۔ جب یہ لشکر ادھر پہنچا تو شیخ ملی بھی مخالف قوت کو شکست دے کر بطور فاتح سپہ سالار کی جنگ کے خاتمے پر جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ نبھانے میں مصروف تھا۔ ''افغان'' کتاب کے مطابق اس دن مال غنیمت اتنا زیادہ تھا کہ فاتح لشکر والوں کے گھروں میں اَناج اور دوسری اَشیاء رکھنے کی جگہ کم پڑ گئی۔ 1523ء کا یہ دن یوسفزئیوں اور ان کے اتحادیوں کے لئے تاریخ ساز کامیابی کا دن تھا۔ 53 سال پہلے خیبر کے پہاڑوں سے اترنے والے بے سروسامان یوسفزئیوں نے شلمانی سلطنت، سوات سلطنت، جندول سلطنت پر قبضہ کرنے کے علاوہ اس دن دلہ زاک جیسے طاقتور قبائل کو بھی مغلوب کیا۔

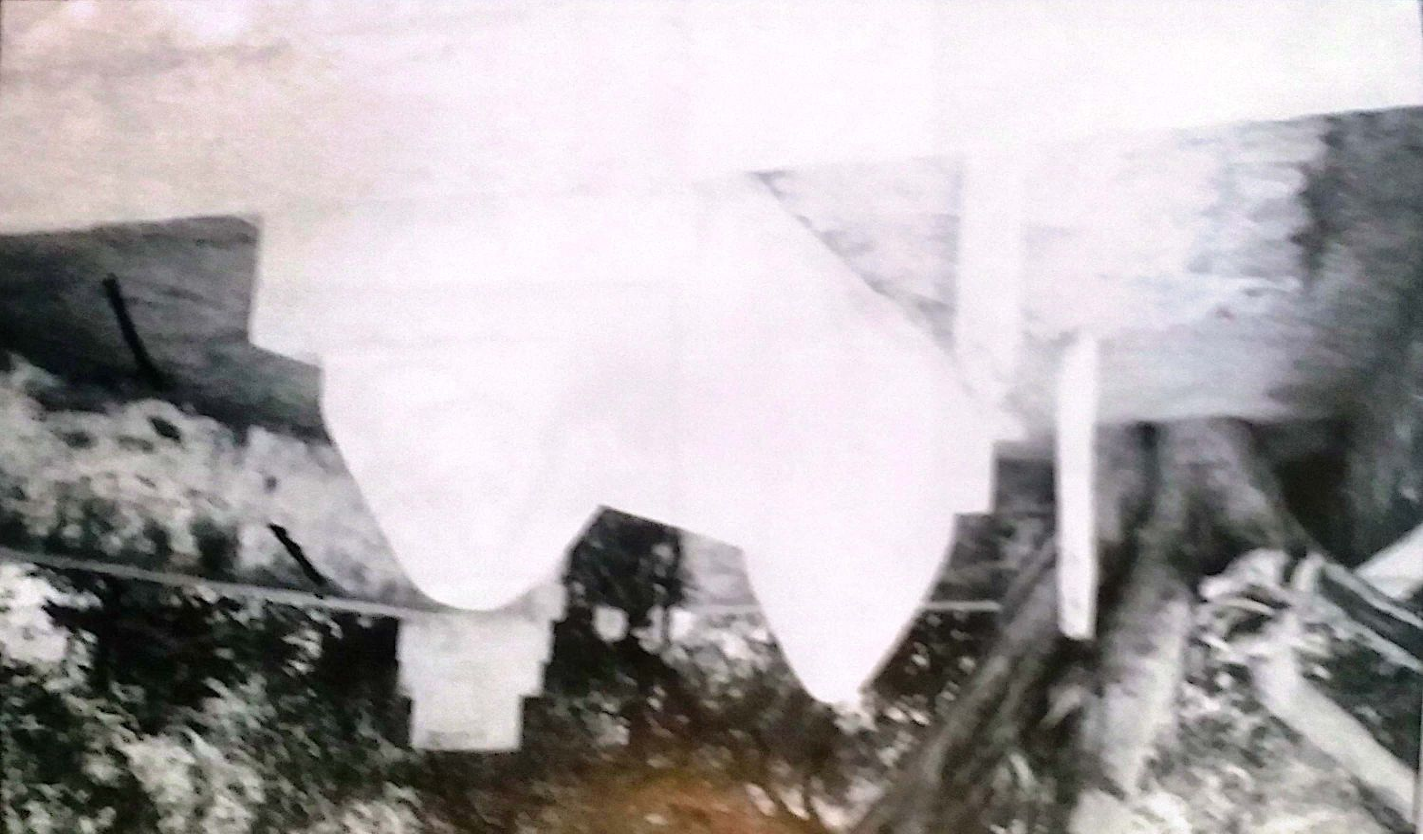
یاد رہے کہ دلہ زاک محمود غزنوی کے حملوں کے وقت کابل سے آکر یہاں آباد ہوئے اور پشاور کو اپنی راجدھانی بنایا۔ 998ء تا 1523ء یعنی پانچ سو پچیس سال دیر اور سوات پر حکومت کرنے کے بعد یوسفزئی قبائل نے دلہ زاک اور سواتیوں سے یہ علاقے چھین لئے اور انھیں ہزارہ اور مانسہرہ بھگا دیا۔ اس شکست کے بعد دلہ زاک کے بعض حصے واپس افغانستان اور کنڑ کے حصے میں چلے گئے اور یوں یوسفزئی قبائل کو مشکلات سے نکالتے ہوئے اور فتوحات سے ہمکنار کرتے ہوئے بالآخر ملک احمد بابا نے 1535ء میں وفات پائی۔ ان کا مزار الہ ڈھنڈ کے تاریخی گاؤں میں گل نرگس (گولینکسو گڑھی) کے مقام پر واقع ہے۔



مغل حکمران ظہیر الدین بابر



جلال الدین اکبر



شیخ ملی کی زمینوں کا فارمولا

ملک احمد و شیخ ملی نے اپنے بوڑھے چچا سردار سلیمان شاہ کی ذمہ داری سنبھال کر تاریخ ساز کامیابیاں پائی تھیں اور اپنے قبیلے کو بام عروج پر پہنچایا تھا۔ یوسفزئیوں نے ان کامیابیوں کے حصول کے لئے اول تا آخر مختلف قبائل کا سہارا لیا۔ پھر دلہ زاک سے بھی جنگ کیلئے یوسفزئیوں کے ساتھ درجنوں قبائل اتحادی بنے تھے اسلئے انھیں مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کا مسئلہ درپیش تھا جو فوری حل کرنا ضروری تھا۔

سردار شیخ ملی نے جو ایک بہترین سپہ سالار، اعلیٰ قانون ساز اور اچھے انجینئر تھے، اتحادی قبائل اور خشی قبائل کے درمیان زمینوں کی تقسیم کا فارمولا تیار کیا، جسکی تقسیم (ویش) کے سلسلے میں سارے قبائل کے سردار کاٹلنگ کے ایک میدان میں جمع تھے۔ اس عظیم الشان اجتماع میں ترتیب وار ہر قبیلے کا مشر (بزرگ) اٹھتا اور جرگے کے مشورہ پر شیخ ملی انہیں مقررہ علاقے دینے کا حکم جاری کرتا۔ اس روز محمد زئی کو ہشتنگر، گگیانوں کو تپہ دوآبہ، موسیٰ زئی کو گگیانی سردار کی درخواست پر نصف باجوڑ سے داش کول اور جتیر لاشوڑہ تا ناواگئی، چار منگو اور اتمان خیل کو اَرنگ برنگ کے علاقے دیئے گئے۔

ترکلانی قبائل جنہوں نے شیخ تیمور کی جنگ میں اور ملک حیبو کے خلاف یوسفزئیوں کی بھرپور مدد کی تھی۔ کاٹلنگ میں انھیں اس روز اس لئے حصہ نہیں دیا گیا کہ وہ اس آخری معرکے میں شامل نہ تھے، البتہ 1540ء میں یوسفزئیوں کے سردار ''خان کجو'' کی درخواست پر ترکلانیوں کو جندول، میدان، براول، سلارزی، مہمند اور باجوڑ کے علاقے دیئے گئے تھے۔ وردگ قبائل کو بھی جائیداد ترکلانیوں کی حدود میں دی گئی جہاں یہ مشترکہ طور پر آباد ہوگئے۔ اس روز مندنڑ اور یوسفزئی قبیلوں میں بھی مردان سمہ تا ہشتنگر، بونیر، صوابی، سوات اور دیر کے علاقوں کی برابر تقسیم ہوئی۔

نظام ویش

اس زمانے میں چونکہ نہری نظام نہ تھا اور آبپاشی کا انحصار بارش یا ندیوں کے علاوہ دریاؤں پر تھا اسلئے مختلف قبیلوں کے درمیان زرخیز زمینوں سے مستفید ہونے کیلئے ایک طریقہ وضع کیا گیا تھا۔

---

[1] شیخ ملی، وفات لگ بھگ 1543ء، مزار، سوات قمبر گاؤں۔

جسمیں پانچ سال بنجر زمینوں اور سات سال بارانی زمینوں پر قبائل رہائش پذیر رہتے یعنی جائیداد کی ملکیت عارضی ہوتی۔ جب یہ میعاد پوری ہوجاتی تو ہر قبیلے میں ویش (حسنڑے) کے ذریعے جائیداد کی دوبارہ تقسیم ہوتی۔ ہر قبیلہ اپنی برادری کے ساتھ گاؤں بدل کر اپنی اپنی زمینوں پر جاتے۔ اسمیں بڑی سطح پر بھی تقسیم ہوتی تھی۔ اس طریقے کو اپنا کر کئی زمانے تک مندنڑ قبائل پانچ سال کیلئے دیر وسوات آتے اور یوسفزئی سمہ مردان جاتے۔

اگر شیخ ملی نہ ہوتے تو جائیداد کے جھگڑوں میں تمام قبائل ایک دوسرے کو مٹانے میں ہمہ وقت لگے رہتے۔ اس عظیم قانون دان اور ریاضی دان نے بڑی سمجھداری سے زمینوں کی تقسیم کرتے ہوئے بڑے پیمانوں پر لڑائیوں کا مکمل خاتمہ کیا۔ اگرچہ اس نظام ویش کی انگریزوں نے بھی تائید کی ہے لیکن اس نظام کا ایک نقص یہ تھا کہ جائیداد کی تقسیم کے وقت جائیداد کی خرابی یا کم وبیش نکلنے پر اکثر لڑائی اور دشمنیاں پروان چڑھتی رہتیں۔ دیر اور سوات میں بھی یہ نظام رائج رہا جس کی رو سے جائیداد اور مکان کی ملکیت عارضی ہوتی اور کسان اپنی جائیداد اور کھیتوں کے زمین کے بنانے یا اس پر شجر کاری کرنے میں کم محنت کرتے۔

آئین سازی

1523ء کے اس تاریخ ساز اجتماع میں شیخ ملی نے مختلف قوانین بھی وضع کئے۔ اس قانون کو ''دفتر'' کا نام دیا گیا۔ ان قوانین کی رو سے گھر سے بھاگی لڑکی سے سزا کے طور پر سر کے بال منڈوائے جاتے، چور کو جوتوں کا ہار پہنایا جاتا، بے نمازی کا منہ کالا کر کے بچوں جوانوں کے جلوس کے آگے گدھے پر بٹھا کر بازار میں گھمایا جاتا اور قاتل کا گھر جلا کر اس کی جائیداد مظلوم کے حوالے کی جاتی۔

یاد رہے یہ قوانین 1880ء تک عمرا خان کے شرعی عدالتی نظام سے پہلے دیر، جندول، باجوڑ اور سوات میں مکمل طور پر رائج رہے۔ دیر میں سلطان خیل، پائندہ خیل قبائل 1960ء تک ان میں سے بعض قوانین پر عمل پیرا تھے اور نواب شاہ جہان کا عدالتی قانون ان پر لاگو نہ تھا۔ ان قبائل کے لوگ اپنے

---

1. شیخ ملی کی تقسیم کا یہ طریقہ ریاست دیر میں 1926ء میں نواب شاہ جہان نے 403 سال بعد اور ریاست سوات میں 1929ء میں والی سوات میاں گل عبدالودود نے 406 سال بعد ختم کر کے زمینوں کی مکمل تقسیم کی۔

معاملات یا قبائلی تنازعات جرگہ کے ذریعے خود حل کرتے تھے۔ آج بھی اگر نہاگ درہ میں کوئی ظلم کرے تو سارے گاؤں والے مشترکہ طور پر مجرم کا گھر جلاتے ہیں۔ اس کا جائیداد (دوتر) مظلوم کے حوالے کرتے ہیں اور اس کے خاندان کو علاقے سے نکال باہر کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اسی پانچ سو سالہ پرانی پختون آئین کا ایک حصہ ہے۔

اکبر بادشاہ کا دیر، سوات و باجوڑ پر حملہ 1586ء

مغل بادشاہ ہمایون کی وفات پر ان کا بیٹا اکبر تخت نشین ہوا۔ چند سال بعد انھوں نے اٹک کے تاریخی قلعے کا دورہ کیا۔ بادشاہ کی آمد کا سن کر پشاور سے لیکر سوات و دیر تک کے مختلف قبائل آداب پیش کرنے کیلئے گئے لیکن یوسف زئیوں کے سردار بادشاہ کو آداب بجالانے کیلئے پیش نہ ہو سکے۔ مختلف قبائل کے سرداروں کے ورغلانے پر اکبر بادشاہ نے اپنے سوتیلے بھائی ''زین خان کوکا'' کی کمان میں ایک لشکر جرار باجوڑ بھیجا۔

خبر پا کر یوسفزئیوں کے سردار مصری خان تیس ہزار جنگجوؤں کو لئے باجوڑ میں کوکا کے سامنے فولاد کی دیوار بن گیا۔ جب کوکا بار بار حملوں میں ناکام رہا تو اکبر بادشاہ نے اس بار ہندوستان سے ساٹھ ہزار کا مزید لشکر حکیم ابوالفتح اور مشہور درباری بیربل کی کمان میں ملاکنڈ کے راستے دیر اور سوات روانہ کیا۔ عید کے روز ''زین خان کوکا'' نے جندول پر حملہ کیا لیکن پسپا ہوا۔ اب وہ دوسرے لشکر کا انتظار کرنے لگا مغلوں کے دوسرے لشکر کے آنے کی خبر پا کر دیر اور سوات کے دفاع کی خاطر ہزاروں یوسفزئی ملاکنڈ میں جمع ہوئے۔ دو دن بعد انہیں نیچے ہموار میدانی علاقوں میں چیونٹیوں جیسے نظر آنی والی ہزاروں پیدل و گھڑ سوار فوج دوڑتی نظر آئی۔ زیادہ تعداد دیکھ کر یوسفزئی پہاڑوں میں روپوش ہوئے۔

تازہ دم لشکر کے پہنچنے سے پیغامات کے تبادلے کر کے بیربل نے ملاکنڈ اور زین خان کوکا نے باجوڑ کی جانب سے یوسفزئیوں کے علاقوں پر ایک ساتھ یلغار کی۔ یوسفزئی سردار مصری خان نے بہادری سے باجوڑ محاذ پر لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ اب اکبر کے دونوں لشکر فاتحانہ انداز میں چکدرہ میں آملے۔ اکبر کے بھائی زین خان کوکا نے دریائے سوات کے کنارے پر ایک مضبوط قلعے پر کام جاری کرنے کا حکم دیا۔ اس خیال سے کہ یہاں کے قبائل میں مزید دم خم نہیں رہا کیونکہ مصری خان سردار کی

شہادت اور شکست کے بعد یوسفزئی ایک بار پھر دشوار گزار پہاڑوں میں جا چکے تھے۔ دوسری جانب یوسفزئی جرگہ نے ایک پہاڑی پر مزید جنگی مہمات کو سنبھالنے کیلئے مصری خان کی جگہ کالو خان کو سردار بنا کر انھیں روایتی پگڑی (دستار) پہنائی۔

مغل لشکر کا گھیراؤ

مغلوں کا آدھا لشکر چکدرہ میں ٹھہرا اور باون ہزار (52,000) کے لگ بھگ فوج کرا کے راستے بونیر پہاڑوں میں روپوش یوسفزئیوں کی تعاقب میں روانہ ہوا۔ مغل لشکر جب بونیر کی طرف گامزن تھا تو کڑاکڑ کی پہاڑی پر گھنے جنگل سے اچانک ہزاروں یوسفزئیوں نے حملہ کر کے انھیں گھیرے میں لے لیا۔ اس ناگہانی حملے سے ان کے ہاتھی اور گھوڑے ڈر کے مارے بدکنے لگے۔ جہاں یہ جنگل مغلوں کیلئے انجان تھا وہاں مخالف لشکر کی تعداد کا اندازہ لگانا بھی مشکل تھا ایسا لگ رہا تھا کہ ہر جھاڑی اور درخت یوسفزئی جنگجوؤں کو جنم دے رہا تھا۔ اس خونریز جنگ میں دیکھتے ہی دیکھتے میدان جنگ لاشوں کا ڈھیر بن گیا۔ ''اخون درویزہ'' کی تحریروں اور ''افغان'' جیسے مستند کتاب کے مطابق اس جنگ میں آٹھ ہزار مغل سپاہی مارے گئے اور باقی لشکر اٹک قلعے تک فرار ہو گیا۔

یوسفزئیوں کے دوسرے لشکر نے چکدرہ قلعہ پر یلغار کر کے مغلوں کو شکست سے دوچار کر کے ملاکنڈ کے نیچے ہموار میدانی علاقوں تک ان کا تعاقب کیا۔ شکست کی خبر پا کر اکبر بادشاہ نے راجہ ٹوڈرمل اور راجہ مان سنگھ کی کمان میں ایک تیسرا لشکر روانہ کیا۔ روانگی کے چوتھے روز جب یہ لشکر یہاں پہنچا تو ہزاروں لاشوں میں بادشاہ کے حکم پر بیربل کی لاش کو بہت ڈھونڈا گیا لیکن اس کی لاش نہ مل سکی، جس کا بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا۔ بیربل سپہ سالار ہونے کے ساتھ ساتھ اکبر کا مشہور درباری اور مشیر خاص اور نورتن میں شامل تھا (نورتن سے مراد نو موتیاں ہیں۔ چندرگپت بکرماجیت اور اکبر بادشاہ کے ہاں اپنے اپنے زمانے میں نو انتہائی عقلمندوں کا گروہ نورتن کہلاتا تھا)۔

اکبر بادشاہ نے انتقامی طور پر کئی سال تک ملاکنڈ سے نیچے ہموار میدانی علاقوں میں یوسفزئیوں کے آنے پر پابندی عائد کر دی اور کئی سرداروں کو اٹک قلعے میں نظر بند کر دیا لیکن اس کا یہ حربہ ناکام رہا اور وہ اپنے حکومت میں اس قبیلے کو طاقت کے زور پر تابع نہ کر سکا۔

مغل اورنگزیب کا دور اور یوسفزئی

مغل حکمران اورنگ زیب عالمگیر جب اقتدار میں آئے تو انھیں یوسفزئیوں کی طاقت اور اس قبیلے کے ہاتھوں اکبر بادشاہ کی شکست کا بخوبی اندازہ تھا۔ باقیات سے پتہ چلتا ہے کہ مغل حکمران ہمیشہ دیر، سوات اور باجوڑ کے ان پہاڑی علاقوں میں آباد یوسفزئیوں کو اپنے تخت و تاج کے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگزیب عالمگیر نے بھی یہاں پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ اورنگزیب کی فوجوں نے بھی باجوڑ اور ملاکنڈ کی طرف سے حملہ کر کے یوسفزئیوں پر یلغار کی۔ ایک جنگ میں شکست دے کر اس نے یوسفزئیوں کی چیدہ چیدہ سرداروں کو الہ ڈھنڈ گاؤں سے گرفتار کر کے کئی عرصے تک باجوڑ کے جیل خانوں میں نظر بند کر رکھا۔ اورنگزیب عالمگیر نے باجوڑ کو ایک صوبے کی حیثیت دی اور سخی عرب خان کو اس صوبے کا گورنر مقرر کیا۔

اورنگزیب کے دور میں سخی عرب خان کا باجوڑ سے دیر اور سوات پر حکومت کا اثر ورسوخ رہا لیکن تاریخ نے محفوظ کیا ہے کہ یوسفزئیوں کی گوریلا انداز جنگ اور جنگلات کی فراوانی سے مغل لشکر کو چکدرہ یا منگلور میں قلعہ سازی کا موقع نہیں مل سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اورنگزیب بھی تلوار کے زور پر دیر، سوات اور بونیر کے یوسفزئیوں کو اپنی قابو میں رکھنے میں ناکام رہا۔

اورنگزیب عالمگیر نے اگر چہ پہلی مرتبہ یوسفزئیوں کو بزور شمشیر کسی حد تک قابو کر لیا اور ان پر ٹیکس بھی لاگو کیا لیکن دوسری طرف الہ ڈھنڈ میں قیام پذیر یوسفزئیوں کے بڑے بڑے سرداروں کو ہندوستان تک بلوانا اور انھیں قیمتی تحائف سے نوازنا اس کی بادشاہت کا ایک انداز تھا۔

یوسفزئی سے پہلے دیر پر آباد اقوام

کوہستانی قبائل

دیر اور سوات کوہستان میں آباد کوہستانی قبائل ایک باپ کی اولاد ہیں۔ محمد زمان سا[illegible]
کوہستانی قبائل کی ابتداء اور آباؤ اجداد کے متعلق جو تحقیق کی۔ ان کے مطابق کوہستانی اپنی تاریخ [illegible]
بیان کرتے ہیں "ہم صدیوں سے اپنے بزرگوں سے یہ روایت سنتے چلے آرہے ہیں کہ ہم کوہستانی [illegible]
عرب کے ایک مشہور قبیلے قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے جد اوّل (سوات کے قدیم شہنشاہ) [illegible]
راجہ گیرا تھا جس کے آباؤ اجداد اسلام کے ظہور سے پہلے سوات آکر آباد ہوئے تھے"۔

998ء میں جب محمود غزنوی کی فوج نے گیرا کو بڑی مزاحمت کے بعد شکست دی تو گیرا ا[illegible]
اہل وعیال سمیت ہوڈی گرام سے بھاگ کر سوات کوہستان کے پہاڑوں سے ہوتا ہوا دیر کوہستان می[illegible]
'پاتراک' پہنچ گیا۔ اس مقام کو ہم اپنی زبان میں راج کوٹ کہتے ہیں۔ گیرا یہاں پناہ گزینی کی زندگی گزا[illegible]
رہا تھا۔ کچھ عرصہ بعد وہ پاتراک سے ایک اور مقام لاموتیٔ جا کر رہائش پذیر ہوا۔ یادرہے کہ اس زمان[illegible]
میں جنگلی جانوروں، چرند پرند، گیرا کے خاندان اور نوکر چاکروں کے علاوہ باقی انسانوں کا نام ونشان تک
نہ تھا۔

راجہ گیرا کا ایک بیٹا تھا جس کا نام بیرا Bira تھا۔ بیرا کے دو بیٹے تھے کیس Khes اور
کین keen۔ پہلے دونوں بھائی دیر لاموتیٔ میں آباد تھے۔ ایک روز جائیداد کے تنازعہ پر دونوں بھائیوں
میں لڑائی ہوئی جسمیں کیس اپنے خاندان سمیت ملک بدر ہوکر سوات کے مشرقی پہاڑوں سے ہوتا
ہوا سوات کوہستان میں رہائش پذیر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد کین اپنے بھائی کو واپس لانے سوات گیا لیکن اس
نے بھائی کے ساتھ دیر واپس جانے سے انکار کیا۔

کیس اور کال کی لڑائی

کیس کی دو بیویاں تھیں انھوں نے چند سالوں میں دریائے سوات کے کنارے کئی کھیتیاں
آباد کیں۔ ایک روز وہ پہاڑی پر واقع اپنے گھر سے کھیتوں کا نظارہ کر رہا تھا کہ انھیں ایک شخص دور سے

اپنے لئے زمین قابل استعمال بناتا ہوا دکھائی دیا۔ کیس نے تیزی سے نیچے اتر کر اس انجان شخص کو پتھر مارے۔ کچھ دیر تک دونوں میں بحث ہوتی رہی۔ کوہستان کی خوبصورت وادی کی جائیداد نہ تو کیس کی تھی اور نہ اس شخص کی جو ہندوکش کے برف پوش پہاڑوں سے ہوتا ہوا چترال سے یہاں آیا تھا۔

کوہستان ایک بہت بڑا علاقہ تھا کیس بھی ایک انسان تھا اور اس کے لئے کوہستان کے حسین نظارے، گھاس اور سبزہ اور ندی دریا دوسرے انسانوں کے بغیر بے مزہ تھے اسلئے سوات کوہستان کی جائیداد کیس اور اس شخص جس کا نام کال تھا کے مابین تقسیم ہوئی۔

کال کے نام سے بعد میں ان کی اولاد کالام خیل کے نام سے مشہور ہوئی اور سوات کا ایک خوبصورت مقام کالام بھی کال کے نام سے منسوب ہے۔ کیس اور کال کی اولاد بڑھتے بڑھتے آج سینکڑوں شاخوں اور قبیلوں تک پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح دیر میں بھی کین کی اولاد درجنوں قبیلوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اگر چہ کئی صدیاں گزر گئیں، بلند و بالا پہاڑ اور سخت موسم دیر اور سوات کوہستان قبائل کو جدا کئے ہوئے ہیں لیکن آج بھی اگر آپ دیر اور سوات کوہستان میں جائیں تو دونوں طرف کوہستانیوں کے رسم رواج، تہذیب وتمدن، زبان، لباس کافی حد تک یکساں ہیں۔

کوہستانیوں کے اسلاف پہلے کافر تھے۔ گزشتہ چار سو سالوں سے پختون مذہبی بزرگان دین کی محنت اور تبلیغ سے یہ مسلمان ہوتے رہے۔ آج یہ پکے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ، قدیم روایتی رسم و رواج اور مہمان نوازی کیلئے مشہور ہیں۔ دشوار گزار اور برف پوش پہاڑوں میں آباد کوہستانی قبائل کوہستانی زبان بولتے ہیں۔ قدیم روایات اور ثقافت کے مطابق زندگی گزارنا کوہستان کے ہر فرد کا شیوہ ہے۔ موسم سرما میں شدید برف باری شروع ہوتے ہی کوہستان کے بیشتر خانہ بدوش قبائل مال مویشی سمیت پنجاب اور مردان کے میدانی علاقوں کی طرف ہجرت کرتے ہیں اور موسم گرما میں واپس لوٹ آتے ہیں۔ کاٹنی کوہستان قبائل کی ایک شاخ ہے جو براول، دیر خاص اور گرد نواح میں کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ کوہستانی قبائل کے بارے میں دیکھئے آئندہ کتاب۔

---

[1] کوہستانیوں کی زبان تحریری لحاظ سے ابھی تک معرض وجود میں نہیں آئی ہے۔

گوجر، اَجڑ

کوہستانیوں کی طرح گوجر بھی دیر کے قدیم ترین باشندے بتائے جاتے ہیں۔ ''یوسفزئی پٹھان'' نامی کتاب میں ذکر ہے کہ یہ قبائل بھی ایک ہزار سال پہلے محمود غزنوی کے لشکر میں شامل ہو کر دیر سوات قبضہ کرنے کے بعد یہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ ان کا تعلق نسلاً جاٹ قوم سے ہے۔ یہ گجری زبان بولتے ہیں۔ آجکل یہ جگہ جگہ بستے ہیں۔ مال مویشی چرانا انکا آبائی پیشہ ہے۔ گوجر وہ قبائل ہیں جو گائے بھینس پال کر ایک جگہ پر مستقل رہتے ہیں جبکہ اجڑ وہ قبائل ہیں جو بھیڑ بکریاں اور خچر پال کر خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ قبائل آپس میں اتفاق واتحاد کے لئے کافی مشہور ہیں۔

سواتی (صواتی) قبائل

ان قبائل کا ایک تعلیم یافتہ بزرگ کہتے ہیں کہ ''یہ قبائل محمود غزنوی کے لشکر میں شامل ہو کر کابل سے آئے تھے۔ غزنوی لشکر فتح حاصل کرنے کے بعد واپس لوٹ گیا اور دلہ زاک و سواتی قبائل مستقل طور پر دیر اور سوات میں آباد ہوئے۔ سوات میں رہتے ہوئے اس قبیلے نے ''سوادی'' نام حاصل کیا جو بعد میں سواتی بنا''۔ ایک اور سواتی بزرگ کے بقول'' سوات میں ہماری سب سے پرانی اور اصل گاؤں کروڑہ ہے۔

پندرہ ویں صدی عیسوی میں دلہ زاک قبیلے نے یوسفزئی قبائل کو سواتی قبائل پر حملے کیلئے ابھارا اس حملے میں شکست کھا کر سواتی قوم دیر اور سوات کو چھوڑ کر ہزارہ کی طرف پسپا ہوئی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یوسفزئیوں نے سارے علاقے قبضہ کر کے صرف ''کروڑہ گاؤں'' سواتی قبائل کے تصرف میں چھوڑ دیا۔ پہلے یہ قبائل یہاں تک محدود رہے اور بعد میں یہاں سے رفتہ رفتہ مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔ دیر ورسوات میں انکی شاخیں گبری، مالی، عالی، ستراوی، دودان (دودھیال) جیسے قبیلوں پر مشتمل ہیں۔ دیر میں جگہ جگہ آباد سواتی قبائل جہانگیر خیل، امیر خیل، موزیر خیل کی شاخوں پر مشتمل ہیں۔

دیر میں یوسف زئیوں کے اتحادی قبائل

اتمان خیل

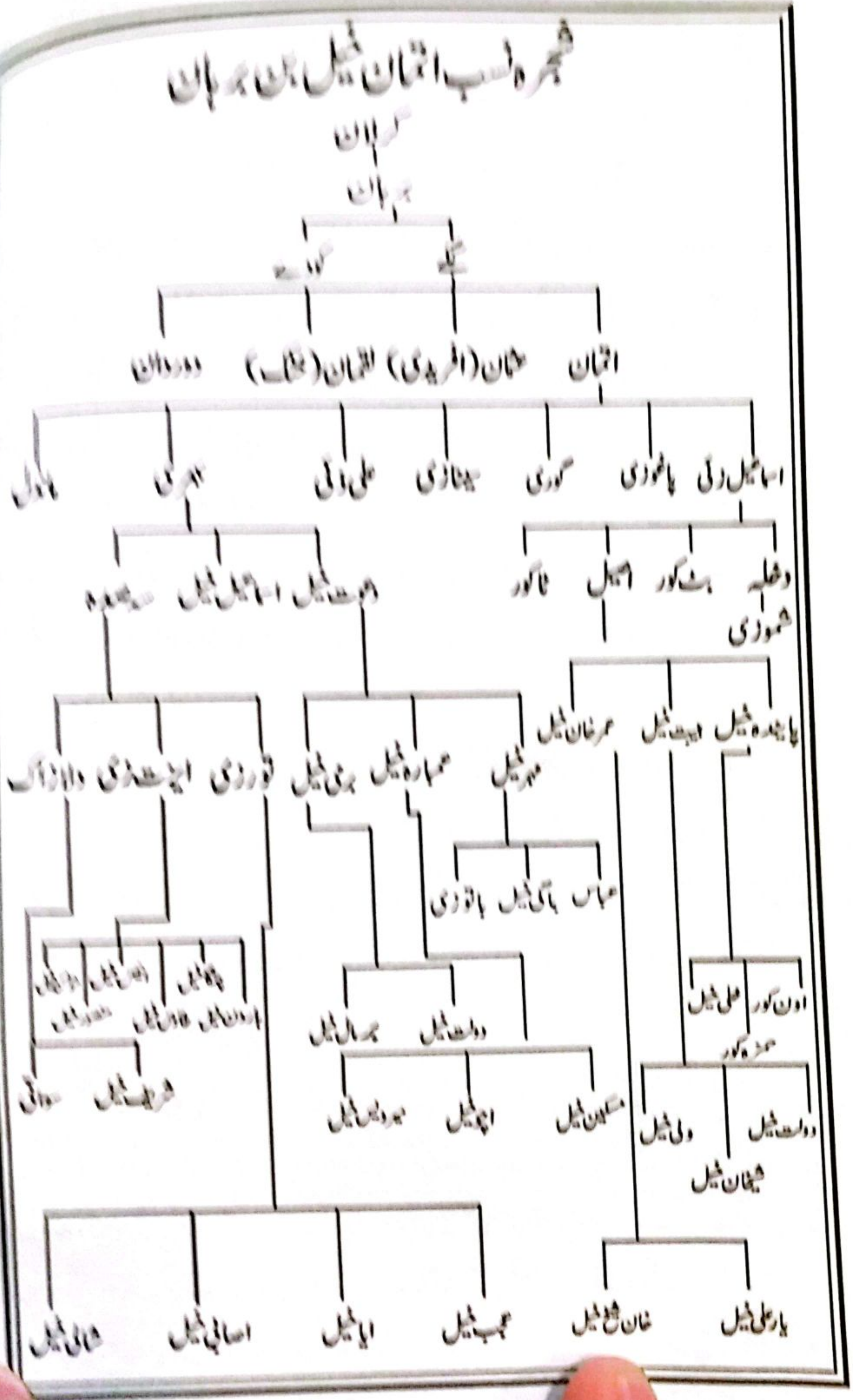
اس قبیلے کے ایک سردار کے بقول اتمان خیل دلہ زاک قبیلے کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے۔ اتمان خیل قبیلے کے جد اول "کرلان (کلاڑ ران)" کے والد کا نام عرقاف تھا۔ ایک روایت کے مطابق کرلان ایک نامعلوم شہزادے کا نام ہے جسے ایک بے اولاد بادشاہ نے گود لیا تھا۔ مورخین کے مطابق کرلانی افغانوں کا چوتھا بڑا قبیلہ ہے۔ اسی طرح بعض مورخین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ کرلان بابا کا تعلق قیس عبدالرشید کے بیٹے سڑوبن کی اولاد سے ہے۔ کرلان کے دو بیٹے کگے اور کودے تھے۔ کگے کا ایک بیٹا برہان تھا جس کے چار بیٹے تھے عثمان عرف آفرید (آفریدی قبیلہ) لقمان عرف خٹک (خٹک قبیلہ) جدران (دودان) اور اتمان جس کی اولاد آجکل (اُتمان خیل قبیلہ) سے مشہور ہوئی ہے۔

اتمان خیل کی جائیداد

جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ جب یوسفزئی اور دلہ زاک قبائل کے درمیان آخری معرکے کی تیاریاں شروع ہوئیں تو اتمان خیل نے اپنے بڑے قبیلے دلہ زاک کے خلاف یوسفزئیوں کا ساتھ دیا۔ جنگ تپور، جنگ جندول اور جنگ کاٹلنگ میں یہ یوسفزئیوں کے اہم اتحادی رہے اسلئے 1523ء میں شیخ ملی تقسیم میں انھیں قدانی، آگرہ، اُرنگ برنگ سے کوھی برمول تک اور باجوڑ کے کچھ علاقے دیئے گئے۔

اُرنگ برنگ سے دیر کی طرف ہجرت

اتمان خیل قوم ملیزی قوم کے ساتھ دیر کے کونے کونے میں آباد ہے۔ اس آبادکاری کی وجہ اتمان خیل کی ارنگ برنگ کی پدری جائیداد اگر ایک طرف بے آب وگیاہ اور بنجر تھی تو دوسری طرف ان قبائل کے مابین اپنی برادری میں روایتی دشمنیاں پروان چڑھتی رہتی تھیں۔ اس وجہ سے دشمن دار گھرانے وہاں سے نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوتے رہے۔ اتمان خیل قبیلے کے ایک بزرگ سید ملا حاجی کے بقول اتمان خیل دیر میں ملالہ اور ماخی درّہ سے لیکر لاجبوک درّہ تک آباد ہیں۔ جس میں شاہی درّہ، ملاکنڈ درّہ اور اسلام درّہ تک علاقے شامل ہیں۔ (یاد رہے کہ اتمان خیل کی یہ مختلف شاخیں ان درجہ بالا


شجرہ نسب اتمان خیل بن برہان
برہان
اتمان
عثمان (آفریدی)
اسماعیل زئی
علی زئی
اسماعیل خیل
عمر خان خیل
دولت خیل
ولی خیل
یار علی خیل
خان شیخ خیل

علاقوں میں ہموار میدانی علاقوں کی بجائے پہاڑوں میں آباد ہیں)۔ یہ جائیداد شیخ ملی تقسیم کی رو سے اوسی خیل (شیخ خیل) کے حصے میں آئی تھی۔

گزشتہ دوسوسالوں سے اتمان خیل نے اُرنگ برنگ سے دیر کی طرف ہجرت جاری رکھی بعض لوگوں نے یہ جائیداد شیخ خیل سے نقدی یا مال مویشی کے عوض خریدا یا کسان بن کر رہے۔ دیر کے پہاڑوں اور اُرنگ برنگ جیسے خشک خطے پر آباد اتمان خیل سخت جفاکش اور محنتی لوگ ہیں جو عام طور پر خشک میوے کا کام کرتے ہیں۔

اتمان خیل کی شاخیں

اتمان خیل کی بڑی شاخیں اسماعیل زئی، ماندل، علی زئی، متکی، پاغوزئی، بہمری، گوری اور سینازئی ہیں۔ دخلہ، اصیل خیل، بٹ کور، ٹھاکور خیل، شموزئی، پائندہ خیل (یاد رہے کہ آخر الذکر دو نام یوسفزئی قبیلے کی بھی شاخیں ہیں)، عمر خیل، سرکانی خیل، شہباز خیل وغیرہ ان بڑی شاخوں کی ذیلی شاخیں ہیں۔

پاغوزئی، بہمری اور سینازئی آگرہ، برڑو اور کوهی برمول وغیرہ کے علاقوں میں آباد ہیں۔ ٹھاکور خیل اور پائندہ خیل سمیت دوسری چھوٹی شاخیں ملیزئی قبائل کے ساتھ ملاکنڈ، شاہی درہ، لاجبوک، پٹیودرہ اور مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔ اسی طرح علی زئی قبیلہ جو باجوڑ خار کے اس پار کافی جائیداد رکھتا ہے۔ وہاں سے اتمان خیل کی اس شاخ نے پرانے زمانے میں ہجرت کی اور اب یہ ملالہ کے مضافات میں آباد ہیں۔ تالاش میں زرخرید یا کسانی جائیداد پر آباد اتمان خیل کی شاخیں پٹو، خونگو، بریکوٹ، بنڑ گے اور ڈھیرئی کے مقامات پر آباد ہیں۔

گوری خیل

اتمان بابا کے گیارھویں بیٹے کی اولاد گوری کہلاتی ہیں۔ گوری خیل ملالہ کے پہاڑوں سے لیکر ماخئی درہ میں آباد ہیں۔ ایک گوری بزرگ کہتے ہیں کہ ”ہمارے جد اوّل کا نام میر خان تھا اور ہمارا پدری جائیداد اور اصل علاقہ اُرنگ برنگ میں میر خان گاؤں ہے۔ کافی پرانے زمانے میں ہمارے قبیلے نے پائی خیل کے جائیداد میں آکر سکونت اختیار کی اور بعد میں اس جائیداد کو پائی خیل خوانین (خانان) سے زرخرید لیا“۔

متکی (متہ کی)

اتمان خیل کی شاخ ''متکی'' آجکل علاقہ متکو اور گردنواح میں آباد ہیں۔اس قبیلے کی ہجرت کی طرف وجہ ہجرت کچھ یوں ہے کہ قبیلہ متہ کی اور اتمان خیل کی ایک دوسری شاخ شموزئی کے درمیان کسی مسئلے پر ناچاقی پیدا ہوئی۔اس مسئلے کے حل کے سلسلے میں متکی قبیلے کے سردار کافی کثیر تعداد میں ارنگ برنگ کے گاؤں نارنج میں جمع ہوئے۔کسی بات پر تلخ کلامی ہوئی اور معاملہ ایک کشت وخون کی صورت اختیار کر گیا۔اس روز ایک خونریز تصادم میں شموزئی قبیلے نے مخالف قبیلے کے سرداروں کو ایک ایک کرکے بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا جبکہ شموزئی قبیلے کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ان سرداروں کے بال بچے اپنی جانیں بچا کر دیر کے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت کر کے آئی لیکن زیادہ تر علاقہ متکو میں آباد ہوئی۔بعد میں یہ گاؤں بھی اس قبیلے کے نام ''متکو'' کے نام سے منسوب ہوا۔

شیخ (ماندل)

دیر میں آباد'' شیخ یا شیخان''اتمان خیل کی شاخ ''ماندل'' سے تعلق رکھتے ہیں۔اس قبیلے کا جداوّل ''تور بابا'' تھا۔ایک روایت کے مطابق تور باباؒ بھی اخون الیاسؒ، شیخ میاں نورؒ کا ہم عصر اور حضرت بنوریؒ کا مرید تھا۔تور بابا کی اولاد شیخان سے مشہور ہیں۔یہ دیر، جندول اور باجوڑ میں آباد ہیں۔ایک روایت کے مطابق جہاں جہاں تور بابا کی اولاد شیخ آباد ہیں وہاں تور باباؒ کا مزار پایا جاتا ہے۔تالاش، منڈا، مورنئی، ظلم اور مانڑی بنڑ نزد تیمرگرہ سمیت تور بابا سات مقامات پر دفن ہیں۔روایات کے مطابق اصل تور بابا شیخ قبیلے کے جداوّل کا مزار باجوڑ چنگئی میں واقع ہے۔باقی ان کے بیٹوں کے مزار ہیں۔پرانے زمانے میں تور بابا کی اولاد میں گدی نشین متقی بزرگ کو بھی تور بابا کا نام دیا جاتا تھا۔یاد رہے کہ دیر میں بعض دوسرے بزرگان دین بھی ''تور بابا'' کے نام سے مشہور ہیں۔

وردگ، مشوانی

وردگ بابا اور مشوان بابا سید محمد گیسو دراز کے بیٹے تھے۔تواریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق یہ قبائل افغان پختون ہیں۔تاریخ خورشید جہاں کے مطابق وردگ کے بیٹے ممک، معیار، میر، لوزی، لڑم

اور محمد ائی تھے جس میں معیار کے اولاد نے کافی نام کمایا۔ معیار کے چار قبائل بن گئے، ملک یار خیل، خورم خیل، اوین خیل، مصری خیل۔

وردگ اور مشوانی (مشوانڑی) قبائل بھی دلہ زاک کے خلاف یوسفزئیوں کے شانہ بشانہ لڑے "تواریخ حافظ رحمت خانی" کے مطابق شیخ ملی تقسیم میں وردگ قبیلے کو بونیر میں دولت زئی قبیلے (یوسفزئی) کے ساتھ ٹکپائی (ٹکپارئی)، دیر میں ملیزئی (یوسفزئی) قبیلے کے ساتھ جندول، براول اور سوات میں بابوزئی (یوسفزئی) قبیلے کے ساتھ جائیداد میں حصہ دیا گیا۔

اسی طرح مشوان بابا کے آٹھ بیٹے تھے جن کے نام یاغن، لودین، مشکانی، سلمہانی، تغمض، کزبوتی، خربازی اور غریب تھے۔ مشوان کی اولاد میں پھر تغمض قبیلہ کی تعداد بڑھی۔ یہ بھی چار شاخوں میں تقسیم ہوئے جو کیسوڑ، ممند، بدور اور ترک کہلاتے ہیں۔

شیخ ملی تقسیم کے بعد مندڑ قوم کی شاخ اتمان زئی نے مشوانی قوم کو، کوہ کنگر کا علاقہ بھی دیا۔ آج کل کوہ کنگر، سری کوٹ، کنڈی اُمرخانہ اور گدوالیا میں ان کی آبادی دکھائی دیتی ہے۔ ان مذکورہ علاقوں کے علاوہ مشوانی اور وردگ اقوام مشترکہ طور پر افغانستان، ہزارہ، چھچھ اور ساول ڈھیر میں بھی بکثرت آباد ہیں۔ دیر میں وردگ اور مشوانی اقوام وڑہ براول سے لے کر جندول تک آباد ہونے کے علاوہ دیر خاص، رباط وڑہ، دوپور (میدان) میں بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ مؤرخین کے مطابق جندول کی جائیداد مشوانی قوم کو "شیخ ملی تقسیم" میں نہیں ملی تھی بلکہ یہ جائیداد اس قوم کو اپنے برادر قبیلے وردگ نے دی تھی۔

تاجک

تاجک قبیلے کے جدِ اول کا نام محمد امین تھا۔ اس بزرگ کا مزار وادی میدان کے ایک گاؤں ستارہ میں واقع ہے اور یہی گاؤں تاجک قوم کا سب سے قدیم اور آبائی گاؤں بتایا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ بھی پرانے زمانے میں افغانستان سے دوسرے قبیلوں سمیت ہجرت کر کے آیا تھا۔ دیر میں تاجک قوم کی شاخیں دیگان، مریزی، کماگر، حاجی خیل اور اخون خیل ہیں۔

اتمان خیل کے بعد ملیزئی قبائل کے علاقوں میں آباد تاجک ایک بڑی قوم ہے۔ تاجک قوم کے ایک بزرگ کے مطابق تاجک قوم دیر میں ادین زئی، اسبنڑ، تالاش، چپٹو درہ، یار خان بانڈہ، تیمرگرہ،

بلامبٹ، ملاکنڈ، کوھیرے، میدان، جندول اور وادی براول سے دیر خاص و کوہستان تک آباد ہے۔ یاد
رہے کہ تاجک قوم افغانستان کی بڑی قوموں میں شمار ہوتی ہے۔

شینواری

دیر میں آباد شینواری قوم کا جدّ اعلیٰ فخر الدین افغانستان کے علاقے سرخرود میں دفن ہے
روایت کے مطابق دیر کے شینواریوں کی ابتداء اسی مقام سے ہوئی تھی۔ فخر الدین کا ایک بیٹا فخر الاسلام تھا
جس نے اس زمانے میں اپنے والد کی خواہش پر بغداد اور مدینہ سے علم حاصل کیا۔ یہی بزرگ اور عالم
دین بعد میں شیخ باباؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا مزار افغانستان کے علاقے سران درّہ میں واقع ہے
شیخ بابا کے دو بیٹے محمد الیاس اور محمد یونس تھے۔

شینواریوں کا دیر میں اصل گاؤں لاجبوک درّہ کا غوڑ گے گاؤں ہے لیکن یہ وہاں سے رفتہ رفتہ
پھیل گئے۔ بارون، منجائی، کڈا اور ژرندو ڈھیرئی میں آباد شینواری محمد الیاس کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں
جبکہ حاجی آباد کے شینواری محمد یونس کے تین بیٹوں احمد اسلام، محمد اسلام اور نور اسلام کی اولاد ہیں۔ آبادی
کے لحاظ سے شینواریوں کو دیر کا سب سے چھوٹا قبیلہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

روغانی

روغانی قوم مشوانی قوم کی ایک چھوٹی شاخ ہے جو ڈوگ درّہ، لڑم درّہ، سیاورغڑ، ڈنڈا، رباط،
رانی، دانوہ، تیمر گرہ، کوٹو، میدان، درامدال، کسو، اسبنڑ وادی اور واڑی کے عین سامنے جیلاڑ درّہ میں آباد
ہے۔ اس قوم کا آبائی درّہ روغانو درّہ ہے جبکہ یہ قوم ڈوگ درّہ میں بھی کثیر تعداد میں آباد ہے۔ انکی عام
شاخیں مُلان، اینوزئی، محمود خیل اور یعقوب زئی ہیں۔ روغانیوں کی جائیدادیں شمال میں جیلاڑ درّہ سے
لیکر جنوب میں شل پلم تک اور دوسری جانب لقمان بانڈہ "ٹال" تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس قوم کے
بزرگوں کے مطابق ان کا اصل جائے مقام مردان (ساول ڈھیر) ہے۔

ایک روایت کے مطابق کسی زمانے میں ملک سلطان کی اولاد میں دلنگ اور ابا بکر قبیلوں میں
ایک جنگ ہوئی تھی جسمیں روغانی قوم نے کسی ایک فریق کا ساتھ دیا تھا۔ اِسی انعام میں سلطان خیل قبیلے
کی ایک شاخ نے انکی حدود میں جائیداد بخشی تھی۔ روغانی قوم چونکہ سلطان خیل

اسی وجہ سے پرانے زمانے سے کسی قبائلی تصادم میں سلطان خیل کا ساتھ دیتی چلی آرہی ہے۔

ادین زئی، اباز ئی، بابوزئی اور خادک زئی

ادین زئی کے حدود تالاش کاٹ کلہ سے شروع ہوکر شموزئی میں کمال خان چینہ نامی مقام تک پھیلی ہوئی ہے۔ادین زئی قبائل ملے بابا کے بھائی علاؤالدین کی اولاد ہے۔باڑوان، خادکزو، اَبازو بابوزو اور تھانہ کے وسیع علاقوں میں آباد یہ قبائل دیر کے ملے بابا کے تین چچاؤں اَبا، خادک، اور بازید کی اولاد ہیں۔ان علاقوں کے نام اسی نسبت سے اَبازو، خادک زو، بابوزو کہلاتے ہیں۔دیر میں اخون الیاسؒ جبکہ سوات پر پیر باباؒ وسیدو باباؒ کی اولاد نے حکومت کی لیکن ابازو، خادک زو اور بابوزو کے علاقوں میں کوئی مذہبی بزرگ پیدا نہ ہوا۔یہی وجہ تھی کہ یہاں روایتی خانیاں چلی آرہی تھیں۔کوئی خان ان علاقوں پر دیر وسوات کی طرح مرکزی حکومت بنانے میں ناکام رہا اور یہ علاقے نوابی دور کے خاتمے تک دیر حکمرانوں کے زیر اثر رہے۔

قریش (سادات)

دیر میں قریش کے دو قبائل آباد ہیں۔اوچ، تالاش، میدان، کوٹیگرام، راموڑہ اور دیر خاص میں آباد قریش حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ دیر خاص، اوچ، تالاش، بٹ خیلہ، موہا اور عشیرئی درّہ میں آباد قریش قبائل کا دعویٰ ہے کہ ان کا تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسل سے ہے۔قبیلہ قریش صدیقی سرزمین حجاز سے آکر کابل میں آباد ہوا تھا۔پندرھویں صدی عیسوی میں قریش صدیق کا ایک بزرگ ملاّ عبدالقیوم المعروف ملا قدم باباؒ کابل سے دیر آیا اور عشیرئی درّہ میں سکونت اختیار کی۔ان کے بیٹے الماس بابا المعروف کشمیری باباؒ اپنے زمانے میں ایک نامی گرامی عالم گزرے ہیں۔

کہتے ہیں کہ سوات کے سیدو بابا نے کسی زمانے میں اپنے سوتیلے بھائی کے ہاتھوں تنگ آکر دیر میں کشمیری باباؒ کی کافی عرصے تک شاگردی کی۔کشمیری بابا کے بیٹے خلیل الرحمٰن (المعروف دیر بابا و شاؤ بابا وفات 1894ء) بھی ایک مشہور مذہبی عالم اور سیدو باباؒ کے شاگرد خاص تھے۔انھوں نے عشیرئی درّہ سے دیر خاص جاکر سکونت اختیار کی۔ان کی اولاد صاحبزادگان کے نام سے مشہور ہے جو دیر خاص، صاحب آباد اور رساؤنئی (شرینگل) میں آباد ہے۔

ہوری، اخون درویزہ، اخون خیل اور بیج بابا میاں گان

پرانے زمانے میں حضرت ہوریؒ اور بیج باباؒ کے ساتھ جو پیچ کار لوگ مرید ہے انہیں میاں صاحب کے نام سے پکارا گیا لیکن آجکل بیج بابا اور حضرت ہوریؒ کی اولاد کے ساتھ بھی میاں کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہی بات ایک الجھن پیدا کرتی ہے کیونکہ آجکل ہر بزرگ کی اولاد کیلئے میاں کا لفظ استعمال ہونے لگا ہے۔ اسی طرح دیر خاص، میدان اور ادین زئی میں صاحبزادگان آباد ہیں۔ میاں کی طرح صاحبزادہ کا لفظ ایک بزرگ کی اولاد کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ میدان، ادین زئی اور دیر خاص کے صاحبزادگان بھی علیحدہ بزرگوں کی اولاد ہیں حالانکہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دیر کے سارے صاحبزادگان ایک بزرگ کی اولاد ہیں۔

ہوری میاں گان

دیر میں آباد ہوری میاں گان حضرت ہوریؒ کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ادین زئی چکدرہ اور گردونواح میں آباد ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہوریؒ وہ مشہور عالم دین تھے جن سے دیر کے شاہی خاندان کے جد اول اخون الیاس، شیخ میاں نور اور نوشہرہ کے کاکا صاحب نے علم وفیض حاصل کیا تھا۔

اخون درویزہؒ میاں گان

اللہ بخش یوسفی کے مطابق اخون درویزہؒ کی تحریریں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے والد کی طرف سے تاتاری (ترک نسل) اور والدہ کی طرف سے یونانی النسل تھے کیونکہ وہ اپنی ماں کا شجرہ نسب ذوالقرنین سے ملاتا ہے۔ تذکرہ علماء ہند کے مطابق اخون درویزہؒ کی پیدائش 1533ء میں ہوئی تھی۔ ان کے آباؤاجداد کا تعلق لغمان سے تھا جہاں سے وہ ننگرہار میں جا بسے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ننگرہار کو بھی خیر باد کہہ کر اخون درویزہؒ کا گھرانہ یوسفزئیوں کے علاقے میں آباد ہوا تھا۔

اخون درویزہؒ اپنے زمانے کا ایک مشہور عالم دین گزرے ہیں۔ وہ خود صاحب تصنیف تھے ان کی مشہور تصانیف مخزن اسلام، تذکرۃ الابرار والاشرار وغیرہ ہیں۔ یہ تصانیف پختون قوم کی تاریخ کا اہم ماخذ بھی ہیں۔ 1638ء میں ان کی وفات ہوئی اور ان کا مزار پشاور میں واقع ہے۔ پشاور، چارسدہ

مردان کے علاوہ دیر کے علاقے دانوہ اور دوسرے علاقوں میں اخون درویزہؒ کی اولاد بھی میاں گان کے نام سے مشہور ہے۔ یاد رہے کہ اخون درویزہ میاں گان اپنے نام کے ساتھ اخون خیل کی بجائے 'اخوند خیل'' لکھتے ہیں۔

اخون خیل میاں گان

اخون الیاسؒ (جداول دیر حکمران خاندان) کی اولاد اگر ایک طرف نہاگدرہ اور عشیرئی درہ میں اخون خیل سے مشہور ہے تو دوسری طرف لاجبوک درّہ میں آباد اخون الیاسؒ کی اولاد اخون خیل میاں گان کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔

دیر میں پیر باباؒ کی اولاد (سیّد)

اخون درویزہؒ نے پیر بابا کی سوانح حیات ان کی زبانی قلمبند کرکے اپنی کتاب تذکرہ الابرار کا حصہ بنایا تھا۔ ان کے مطابق سید علی ترمزی المعروف پیر باباؒ کا تعلق ترمز کے خاندان سادات سے تھا۔ پیر باباؒ کا خاندان قندوس (بدخشاں) میں رہائش پذیر تھا۔ ان کے والد سید قنبر علی مغل بادشاہ کے دربار میں اہم عہدے پر فائز تھے۔ پیر باباؒ قندوس سے علم کی تلاش میں پانی پت گئے۔ کچھ عرصہ انھوں نے مانک پور میں گزارا اور آخر میں اجمیر شریف پہنچ کر مشہور بزرگ شیخ سلوناؒ کے مریدوں میں شامل ہوگئے۔ علم و فیض میں کمال حاصل کرکے یہ مشہور عالم اپنے پیر کے کہنے پر پہاڑی علاقوں میں دینی اشاعت کے پھیلاؤ کی غرض سے اجمیر شریف سے روانہ ہوئے۔ اس سفر کے دوران آپ نے ایک سال دوآبہ (چارسدہ) میں گزارا اور بعد میں سوات اور بونیر کو گدی بنایا اور بونیر میں ہی دفن کئے گئے۔ پیر باباؒ کی وفات کے بعد ان کی اولاد بونیر کے علاوہ دوسرے علاقوں میں آباد ہوتی چلی گئی اور دیر تک آ بسے۔

بزرگوں کے مطابق دیر کا سید قبیلہ پیر باباؒ کی نسل میں ان کے بیٹے ''میاں مصطفیٰ'' بابا کی اولاد ہے جو افغانستان کے صوبہ کنڑ میں دفن ہیں۔ میاں مصطفیٰ کے بیٹے میاں عبدل بابا تھے جن کا مزار بونیر کے علاقے شیر بانڈئی میں ہے۔ مغل بادشاہ اورنگزیب کے زمانے میں میاں عبدل بابا کے بیٹوں میاں ساقی بابا اور میاں داود بابا نے مغلوں کے خلاف ایک جنگ میں یوسفزئیوں کا ساتھ دیا۔ اس جنگ میں یوسفزئی قبیلے کو شکست ہوئی تو اورنگزیب کی طرف سے صوبہ باجوڑ کے گورنر نجی عرب خان نے یوسفزئی قبیلہ کے

جنگجوؤں کی گرفتاریاں شروع کر دی۔ ان سینکڑوں قیدیوں میں یہ دو بزرگان دین بھی الہ ڈھنڈ گاؤں سے گرفتار ہوئے اور باجوڑ کے جیل خانے میں ڈال دیئے گئے۔

ایک روایت کے مطابق سخی عرب خان کو خواب میں ایک بزرگ آئے اور کہا کہ "آپ شاہی پلنگ پر سو رہے ہیں اور دو بزرگان دین خالی فرش پر لیٹے ہوئے ہیں"۔ صبح اٹھ کر سخی عرب خان نے نہ صرف انہیں آزاد کرایا بلکہ میاں ساقی بابا کو سیرئی کے طور پر وادی جندول کے جنوب مغرب میں ایک گاؤں دیا جو بعد میں میاں کلے کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح میاں داؤد بابا کو کامبٹ کا علاقہ دیا گیا۔ پیر باباؒ کے ان پوتوں نے ان علاقوں میں دین کی کافی خدمت کی اور وفات کے بعد انھی علاقوں میں دفن ہوئے۔

میاں ساقی بابا کی اولاد آجکل میاں کلی کے علاوہ تیمرگرہ، میاں بانڈہ، گڑگیہ، سیار درّہ میں خرکئی وقلعہ گئی، رباط، گانجلہ، گندیگار، میاں بڑنگولا اور سوات میں آباد ہے جبکہ میاں داؤد بابا کی اولاد آجکل کامبٹ، براول درّہ میں سرباٹ، گنوڑی، دیرخاص، کمبڑ اور شگئی کے علاقوں میں آباد ہے۔

مغل Mughal

1518ء میں بابر بادشاہ دیروسوات پر حملے کیلئے اپنے ساتھ ہزاروں کا مغل لشکر لایا تھا۔ یہ سمجھے کہ دیر میں پہلی مرتبہ مغلوں کی آبادکاری اس وقت سے شروع ہوئی تھی۔ جب بابر نے ہندوستان فتح کیا تو یہاں آباد مغلوں نے واپس ہندوستان کی طرف ہجرت کی جس کی وجہ سے دیر و باجوڑ میں مغلوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ مغل بادشاہ اورنگزیب نے جب باجوڑ کو صوبے کا درجہ دیا تو مغلوں نے ایک دفعہ پھر آبادکاری کی غرض سے دیر اور باجوڑ کا رخ کیا۔

آجکل دیر میں مغلوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ان مغلوں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ باجوڑ کے عیاش پرست مغل حکمرانوں کے برادری میں ایک برگزیدہ اور پاکدامن بزرگ کی اولاد ہیں۔ سخی عرب خان کے بعد باجوڑ صوبے پر مغلوں کے جن سرداروں نے حکومت کی وہ اپنی بزرگوں کی تعلیمات بھول کر دنیاوی دولت اور عیش وعشرت میں پڑے رہے شاید یہی وجہ تھی کہ باجوڑ میں مغلوں کی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

1. پرانے زمانے میں مذہبی بزرگان کو بطور نذرانہ جو جائیداد دی جاتی تھی وہ سیرئی کہلاتی تھی۔

انہی سرداروں میں ایک سردار کے بیٹے احسن نے حکمرانی کو ٹھکرا کر فقیرانہ اور درویشانہ زندگی اختیار کی اور پھر اپنے بیٹے (دیر کے مغلوں کے جد اوّل) احمد شاہ تیمور کو علم حاصل کرنے کے لئے دہلی بھیجا جہاں یہ اخون الیاس اور شیخ میاں نور کی طرح حضرت اخونؒ کے مریدوں میں شامل رہا۔ دینی علم سے فیض یاب ہو کر واپس پر وہ کوٹو گاؤں میں گدی نشین ہوئے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے اخون صاحب کا لقب حاصل کیا۔ ان کا مزار کوٹو گاؤں میں ہے۔ یہ گاؤں تیمرگرہ سے میدان کے راستے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اخون ہی کی اولاد مغل صاحبزادگان کے نام سے مشہور ہے۔ مغل قبائل باجوڑ کے علاوہ، جندول، مسکینی، داحل، میدان، تل، اوڈیگرام، سفرے، حاجی آباد اور براول میں آباد ہیں۔

ان اقوام کے علاوہ دیر و جندول میں سرکانی، بتاران، درانی، ڈیمنو، احمدی اور دوسری کئی اقوام بھی آباد ہیں۔ سترویں عشرے میں دیر کے شہری علاقوں میں عیسائی طبقہ آباد ہوا جو اکثر صفائی کا کام کرتے تھے اور ابھی تک آباد ہے۔

باب سوم

دیر کے یوسف زئی

دیر کے یوسفزئی (ملیزئی)

1523ء میں شیخ ملی تقسیم میں جنوباً ملاکنڈ سے لیکر شمال میں وادی سوات (شاہ گرام) اور وادی دیر میں (خان کس داروڑہ) تک جائیداد سردار ''اکو'' کے حصے میں آئی۔ سردار اکو بابا کے دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی ''رانی بی بی'' سے ان کی اولاد مخا، اتمان اور حلیم تھے۔ ان بیٹوں کو اکو بابا نے درگئی، سخاکوٹ سے لے کر ملاکنڈ کے بالائی حصوں پر مشتمل الہ ڈھنڈ ڈھیرئی، طوطہ کان، خار، بٹ خیلہ اور گردنواح کے علاقے دیئے۔ اسی نسبت سے ان علاقوں میں آباد یوسفزئی رانی زئی سے مشہور ہیں۔

اکو بابا کی دوسری بیوی مسماۃ گوہری سے چار بیٹے خواجو، اُبا، خادک اور بازید تھے۔ ان بیٹوں میں جائیداد کی تقسیم کرتے ہوئے اُبا، خادک اور بازید کو جو علاقے دیئے گئے وہ اُبازو، خادگزو اور بائی زئی سے مشہور ہوئے۔ اکو کے بڑے بیٹے خواجو کے حصے میں دیر وسوات وادیاں اور اس کے زیریں علاقے آئے۔ دیر وسوات میں آباد خواجہ کی اولاد اپنے جداوّل خواجہ بابا کے نام سے خواجہ زئی کہلاتے ہیں جس کی آبادی آج کل بائیس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

خواجو نے پھر اپنی مملوکہ جائیداد اپنے چھ بیٹوں ملے، سہ بجنی (ثابت) شامے، نیکپی، شاموا اور علاؤالدین میں بانٹ دی۔ اس تقسیم میں سوات کے مغربی کنارے ادین زئی سے لیکر شمال میں شاگرام تک، مغرب میں خادکزو، جنوب مغرب میں کاٹکلہ تک علاقے خواجو کے پانچ بیٹوں کو ملے۔ اس نسبت سے یہ علاقے شامیزئی، نیکپی خیل، ادین زئی جیسے ناموں سے مشہور ہوئے۔

ملے بابا (جداوّل دیر یوسف زئی)

ملے بابا سردار خواجو کا بڑا بیٹا تھا۔ ان کے حصے میں تالاش کاٹکلہ سے لیکر خان کس داروڑہ تک کے علاقے آئے جن میں دریائے پنجکوڑہ کے دونوں جانب کے علاقے شامل تھے۔ دیر کے یوسفزئی اپنے جداوّل ملے بابا کے نام سے ملیزئی کہلاتے ہیں۔ ملے بابا ایک مذہبی اور سیاسی سردار کی حیثیت سے کہنڈھیر (حاجی آباد) میں رہائش پذیر تھے۔ اپنے زمانے میں انھوں نے دیر وکوہستان کے علاوہ باجوڑ، تشقار (چترال) اور سوات تک بڑے اثر ورسوخ سے سرداری کی۔ ملے بابا کے مزار کے متعلق اختلاف پایا

شجرہ یوسف بابا

اکو — متی — عیسی — ملی — آوریا (بادی خیل)

الیاس

تواریخ حافظ رحمت خانی یا افغان کتابوں میں تفصیلی شجرہ دیکھئے

اولاد زوجہ اول مسماۃ گوہری

زوجہ دوم مسماۃ رانی (رانیزے) آباد سخا کوٹ تھانہ تالنڈا کے

مخا (مخازئی) — حلیم — اتمان

بازید (بائی) — خواجو (خواجہ زئی) اگلے صفحے — آبا (علاقہ آبازو) — خادک (علاقہ خادک زو)

اکاخیل (احمد خیل)

سہیل (سویزئی) — بابو (آباد علاقہ بابوزو) — سلیمان

محمد خیل (مدو خیل) — محسن خیل — ابراہیم خیل (ملک کوری) — حمزہ بابا

ناصر خیل (خان کوری)

ایسکو

آبا خیل — عزیز خیل

بارہ خیل — احمد خیل — لقمان خیل — متوڑ (متوڑے زئی) — پائی — موسیٰ خیل

شاہ بیگ — شخالی خیل — شرغہ خیل — خامی خیل — اسماعیل خیل — الا خیل — بہلول خیل — دوردانی خیل — خانا توخیل

شرف — خانہ

ملک متہ لنگر خیل — پایہ خیل — بابا خیل — شامت خیل — کوڑ خیل

بازید — علی — کنڈا — سہیل خیل (ناگوال)

متو خیل — بے خیل — علی خیل — ٹیر خان خیل

بارو خان — دولت خیل — ولی خیل

سلطان — حقداد — ترخان — میر آحمد — میر فتح خان خیل — بے خیل

خواجہ بابا (سوات و دیر یوسفزئیوں کا باپ)

- لے بابا (دیر یوسفزئیوں کا باپ)
  - سہ بوجنی / ثابت بابا
    - محبت خیل
      - بہلول خیل
      - سینا خیل
      - شا خیل
    - جونا خیل
      - نظر خیل
      - زنگی خیل
      - مدو خیل
- شامے بابا (شامیزے)
- شمو (شموزو کا باپ)
  - اسماعیل خیل
    - بائی خیل
    - تاجر خیل
    - مریم خیل
    - یعقوب خیل
    - بی بی خیل
      - بازید خیل
      - حیدر خیل
      - عزیز خیل
      - بنگخ
  - دوڑی خیل
  - علی خان خیل
    - موسیٰ خیل
    - ہندال
    - کامران
    - عیسیٰ
  - عمرزئی
    - سرابدال
    - کیمل
    - محمود خیل
    - مرجان خیل
      - عمر خیل
      - پیرا خیل
      - چندڑ خیل
    - اکا خیل
    - سلطان خیل
    - میر احمد خیل
    - بہرام خیل
    - بابا خیل
    - اوریا خیل
- (نیکبے) نیکی خیل
- علاؤالدین ادینزو کا باپ
  - یحیٰ ـ بختی
  - اتمان زئی
    - شرغا خیل
      - بہرام خیل
      - ناصر خیل
      - زوردست خیل
      - بوبو خیل
  - بابو خیل
    - میر حسن خیل
    - فاضل خیل
    - پاچہ خیل
    - کیمل خیل
    - رکمین خیل



ہوا تھا ہے۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا مزار تالاش (کاٹلکہ) میں ہے اور بعض اس روایت کی تردید کر کے کہتے ہیں کہ ان کا مزار افغانستان میں ہے۔

ملے بابا کی اولاد

خال کے ایک بچانوے سالہ بزرگ لائق سید اخون زادہ نے ایک روایت بیان کی جسے خال کے اخونزادگان اپنے اسلاف سے نسلاً در نسلاً سنتے چلے آرہے ہیں اور وہ یہ کہ سوات نیکپی خیل قبیلے کا غوریہ نامی ایک شخص جائیداد کے تنازعہ کے سلسلے میں اپنی برادری والوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کی بیوی دشوار گزار پہاڑوں سے ہو کر کہنہ ڈھیر آئی۔ یہ عورت کچھ عرصے تک ملے بابا کے گھر میں ملازمت کرتی تھی لیکن بعد میں ملے بابا نے اس نوکرانی سے شادی کی۔ اس رشتے سے یتیم لڑکا جس کا نام پائندہ تھا ملے بابا کا بیٹا بنا۔ ملے بابا کی پہلی بیوی سے دو اور بیٹے اویؔ اور نصر الدین تھے۔ پائندہ کی ماں سے جو دوسرا لڑکا پیدا ہوا ان کا نام سلطان رکھا گیا۔ اس طرح ملے بابا کے کل چار بیٹے تھے۔

روایات کی تردید

ملے بابا کی دیرکہنہ ڈھیر میں رہائش یا ملے بابا کا پائندہ اپنا بیٹا نہ ہونے کے متعلق سلطان خیل اور پائندہ خیل بزرگوں کی جو روایات ہیں انھیں اگرچہ تاریخ دیر کا حصہ بنایا گیا لیکن ان روایات کی جانچ پڑتال اور تحقیق کیے بغیر اسے تاریخ کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا۔ تاریخ میں اسی طرح کے سوالات اور روایات تب جگہ پڑتی ہے جب ایک قوم کی تاریخ محفوظ نہیں کی جاتی۔

اگرچہ دیر کے ملیزئی ملے بابا کی اولاد ہیں لیکن اختلاف اس بات پر ہے کہ ملے بابا اور ان کے بیٹوں کی رہائش کہاں تھی؟ وہ دیر میں رہے یا نہیں؟ یا ان کی مزار کہاں پر ہیں؟۔ ہمارے پاس ایسا تاریخی ذخیرہ موجود نہیں جس کو تلاش بسیار کر کے ہم ان حقائق تک پہنچ سکیں۔ البتہ چند ایسے سوالات موجود ہیں جو بزرگوں کی ان روایات کے برعکس ہمیں اصل حقائق تک پہنچا سکتی ہیں۔ وہ سوالات کچھ یوں ہیں۔

☆ شیخ تیمور اور کاٹلنگ جیسے تاریخی جنگوں میں ملے بابا کی شرکت یا سپہ سالاری کا کوئی ذکر موجود نہیں۔

☆ 1523ء میں جب بمقام کاٹلنگ شیخ ملی تقسیم ہو رہا تھا تو ملے بابا کو کس طرح اکیلے دیر جیسے

وادی کی جائیداد ملی۔

☆ شیخ میاں نورؒ اور اخون الیاسؒ کو وفات ہوئے تین سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس دوران انکی اولاد کی آبادی گزشتہ تین صدیوں میں چھ چھ ہزار نفوس سے تجاوز کر گئی۔ اگر ملے بابا پانچ سو سال پہلے دیر میں رہائش پذیر رہا تو ان کی اولاد کس طرح اس مختصر عرصے میں نو لاکھ نفوس سے تجاوز کر گئی۔

☆ پختون قوم کی قدیم دور سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ یہ نہ صرف اپنے بزرگوں کی کافی قدر و منزلت کرتی ہے بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے مزاروں کو صدیوں تک ویران نہیں ہونے دیتے۔ اگر لوگ ان باتوں سے اتفاق کرتے ہیں تو پھر دیر کے کسی بزرگ کو ملے بابا اور ان کے چاروں بیٹوں پائندہ، سلطان، نصر الدین اور اوسیٰ کے مزاروں کا پتہ کیوں معلوم نہیں؟۔

اصل حقیقت

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں ملیزئی چار قبائل پائندہ خیل، سلطان خیل، نصر الدین خیل اور اوسیٰ خیل کا مجموعہ تھا۔ ان قبائل کا جد اوّل ملے بابا تھا۔ دیر میں نہ ملے بابا نے رہائش اختیار کی اور نہ ان کے بیٹے یہاں رہائش پذیر رہے بلکہ دیر کی جائیداد ملے بابا کے چاروں بیٹوں کی اولاد (جو کہ قبیلے تھے) میں تقسیم ہوئی۔ تاریخی کتابوں نے محفوظ کیا ہے کہ پائندہ خیل، سلطان خیل، نصر الدین اور اوسیٰ خیل کے ان قبائل نے دیر میں آباد ہونے سے پہلے دیر اور سوات کو قبضے کرنے کی مہم میں باقاعدہ ولہ زاک اور سواتیوں کے خلاف جنگوں میں شرکت کی تھی۔ اسی طرح ایک مؤرخ لکھتے ہیں کہ" جب الغ بیگ کے ہاتھوں یوسفزئی سرداروں کا قتل ہوا اور یہ قبیلہ ملک ھیبو کے خلاف جندول میں صف آراء ہوا تو اس جنگ میں ملیزئی قبیلے سے پائندہ خیل نے بھرپور شرکت کی کیونکہ اس قبیلے کی آبادی اور جنگجوؤں کی تعداد دوسری شاخوں کی نسبت زیادہ تھی۔

رہی پائندہ کی ملے بابا سے تعلق کی بات

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر ملے بابا دیر میں نہیں رہے تو پائندہ کی ماں کس طرح سوات کے پہاڑوں سے کہنہ ڈھیر آئی اور ملے بابا سے شادی کی؟۔ یہ روایت کس طرح بگڑتی چلی گئی اس کی حقیقت کچھ اس طرح ہے کہ ملک پائندہ جو اصل میں ملے بابا کا اپنا اور سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اس کی ایک

بیٹی کی شادی ملک کدو (افغان مندنڑ) سے ہوگئی۔ ملک کدو اپنے قبیلے کے ایک مشہور سردار تھے
کدوزئی یا کتوزئی کا علاقہ ان کے نام سے مشہور ہے۔ جب ملک کدو فوت ہوئے تو پائندہ کے بیٹے
کے علاقے میں جا کر اپنی بہن اور اس کے بیٹے کریم داد کو لے آئے۔ ملک پائندہ نے اپنی بیٹی کو حصے کے
طور پر جغانج درّہ اور داروڑہ کے پاس ایک درّہ دے دیا۔ بعد میں کریم داد کی اولاد اپنے دادا کدی خیل
کے نام سے مشہور ہوئی اور داروڑہ کے پاس وہ درّہ بھی کدی خیل درّہ کے نام سے مشہور ہوا۔ زمانہ گزرنے
کے ساتھ اور تاریخ کی زبانی روایات کے ساتھ ملک کدو کی بات بگڑتے بگڑتے پائندہ سے منسوب ہوئی
اور یہ روایت بن گئی کہ ملک پائندہ ملے بابا کا اپنا بیٹا نہیں۔

ملے بابا کی بیٹوں میں جائیداد کی تقسیم

مَلِک اوسیٰ خان (اولاد المعروف بہ اوسیٰ خیل)

یہ ملے بابا کے آخری اور سب سے چھوٹے بیٹے کی اولاد ہے۔ قبیلہ اوسیٰ خیل کی جائیداد وادی
تالاش ''کاٹکلہ'' سے ''اشاڑی گٹ'' تک مشرقی جانب پہاڑی و میدانی علاقے پر مشتمل ہے جسمیں سدو،
شیکولئی، خونگی، پیٹو درّہ، تیمر گرہ اور تنگی درّہ اہم علاقے ہیں۔ اشاڑی گٹ کے اس پار کوٹو ندی (جو نالہ
میدان اور کھنائی سے مشہور ہے) سے لے کر کوٹو کہنہ ڈھیر (حاجی آباد) بلامبٹ، خزانہ، ملالہ، کوٹکی اور پایہ
خیل، غوبانہ (کوٹکی اور گوسم گاؤں کے درمیان گاؤں) تک کے علاقے بھی اُوسیٰ خیل کی جائیداد ہے۔
اُوسیٰ کی جائیداد بعد میں ان کے دو بیٹوں کی اولاد شیخ خیل اور نورک خیل میں تقسیم ہوئی۔
مشرق کی جانب کاٹکلہ سے اَشاڑی گٹ تک کا علاقہ ایک بیٹے نورک کی اولاد کو ملا جو نورک خیل
(نورہ خیل) کہلانے لگا اور مغربی علاقہ شیخ کی اولاد کو ملا یہ قبیلہ آجکل شیخ خیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔
بعد میں شیخ خیل کو تالاش میں نورک خیل کے ساتھ جائیداد دی گئی یعنی شیخ خیل اپنے علاقوں کے علاوہ
نورک خیل قبیلے کی حدود میں بھی آباد ہیں۔ یاد رہے کہ آج کل یہ قبائل مجموعی طور پر اُوسیٰ خیل کہلاتے ہیں۔

مَلِک نصر الدین (اولاد المعروف بہ نصر الدین خیل)

نصر الدین ملے بابا کا تیسرا بیٹا تھا۔ نصر الدین خیل کو مشرقی جانب اَشاڑی گٹ سے لیکر

شجرہ ملے بابا

چار بیٹے اوسیٰ بابا۔ نصرالدین بابا۔ پائندہ بابا۔ سلطان بابا

آبادیسند، تالاش

کوٹوتاباروں اور میدان ڈم کٹہ

اوسیٰ بابا

نصرالدین بابا (نصرالدین خیل)

لالی خیل　فاتح خیل　موتی/متی خیل　بابو خیل

شیخ عثمان (شیخیل)

نورا (نورک خیل)

سردار کا اولاد نہ تھا　حسن خیل (آباد تالاش خونگی)　ابراہیم خیل (تیمرگرہ)　عمر خیل سدو شیکولئی

میرک خیل　ولی خیل

مزار زنز دگرلز سیکنڈری سکول تیمرگرہ

خواجہ جعفر　انورے　بلی خیل　آباد　شیخ محمے　آباد　شیخ جلو بابا (جلوخیل)

حاجی آباد　ملاکنڈ پائین

خویدر خیل　سید احمد　جوہر　آلو خیل　اسماعیل خیل　مامی خیل　ملک خیل　رنگین خیل

خواجہ خیل　دریا خیل　طاوس خیل　طاؤس خیل

مانڑو خیل

وریلی خیل　فقیر خیل　مبارک خیل　بہلول خیل　آزک خیل　پائی خیل

کنڈرو، آنڈھیرے　خیمہ چرگوڑی، آنڈھیرے　آباد، گرڑہ، ملالہ، بنڑ، گرڈھی، دیارون



"شمر دین پڑاو" نامی مقام پر نام سیر ندی (نام سیر خوڑ) تک کا حصہ دیا گیا۔ اس حصے میں دانوو، سیارنزو،
رباط درہ کے علاقے شامل تھے جبکہ مغربی جانب دریائے پنجکوڑہ کے اس پار کوٹو ندی سے شمال مر
شہزادی گاؤں سے لیکر اوڈیگرام، منجائی، بارون گاؤں کے "کڑپہ" نامی مقام تک جائیداد بھی نصر الدین
قبیلے کو ملی۔ یاد رہے کہ اشاڑی گٹ کے عین سامنے مغربی جانب کوٹو ندی سے لیکر میدان وادی میں کلا
کالاڈاگ حیا سیرئی خکلی گئے "ڈم کٹہ قبرستان" تک کی جائیداد بھی نصر الدین خیل کو ملی تھی یعنی ڈم کرہ کا
یہ مقام ترکلانی اور ملیزئی قبائل کے درمیان بطور سرحد موجود ہے۔

نصر الدین کی اولاد نصر الدین خیل قبیلے سے مشہور ہے۔ یاد رہے کہ نصر الدین خیل کے حدود
میں شہزادی گاؤں (شجادئی) گزشتہ ساڑھے چار سو سالوں سے نوابی کے خاتمے تک نہاگ درّہ اور عشیرئی
درّہ کی طرح نہایت اہم علاقہ اور قبائلی دار الحکومت رہا ہے۔

مَلِک سلطان (اولاد المعروف بہ سلطان خیل)

سلطان بابا پائندہ سے چھوٹا اور دوسرا بڑا بیٹا تھا۔ "نام سیر" ندی سے لیکر اخگرام "سپینو خاورہ"
نامی مقام تک مشرقی جانب سلطان خیل کی جائیداد ہے۔ اس طرح دریائے پنج کوڑہ کے اس پار مغربی
جانب بارون کڑپہ نامی مقام سے لیکر خال، شل پلم، سلطان خیل درّہ، صاحب آباد سے "خان کس" داروڑہ
تک جائیداد بھی سلطان خیل قبیلے کے حصے میں آئی۔ خال قصبے کے سامنے مشرقی پہاڑوں میں سلطان خیل
کی جائیداد طور منگ درّہ کے آخری برے سرخ گٹ علاقے سے ہو کر وادی اسبنڑ تک پہنچتی
ہے۔ یاد رہے کہ اسی مشرقی جانب جائیداد کے بدلے پائندہ خیل کو مغربی جانب کیر درّہ بدلے میں دیا
گیا۔

عشیرئی درّہ، سلطان خیل اور پائندہ خیل کے درمیان دو برابر حصوں میں تقسیم ہوا۔ یہی وجہ ہے
کہ آجکل عشیرئی درّہ کے آدھے حصے میں سلطان خیل اور آدھے حصے میں پائندہ خیل آباد ہیں۔ یاد رہے
کہ ان قبائل کے درمیان عشیرئی درّہ میں گام سیر نامی مقام سرحد کا کام دیتا ہے۔

ملک پائندہ خان (اولاد المعروف بہ پائندہ خیل)

پائندہ ملے بابا کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ دیر میں پائندہ خیل قبیلے کی جائیداد سلطان خیل کی آخری سرحد اخگرام سپینہ خاورہ سے شروع ہو کر مشرق کی جانب جرنیلی سڑک کے ساتھ ساتھ خان کس دا وڈہ تک پہنچتی ہے۔ پائندہ خیل کی اس جائیداد میں مشرقی جانب نہاگ دڑہ، کارو دڑہ، جوغاتی اور اجم کے علاقے شامل ہیں جبکہ آدھے عشیری دڑہ کے علاوہ بیبیوڑ کے سامنے کیٹر دڑہ بھی پائندہ خیل کے حصے میں آیا۔

ایک روایت کے مطابق ابتداء ہی سے پائندہ اور سلطان میں بہت پیار و محبت تھی۔ بعد میں ان کی اولاد بھی نواب شاہ جہان کے دور تک اتحاد و اتفاق سے رہی۔ پائندہ خیل قبیلے کے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ”نواب شاہ جہان کے اقتدار سے پہلے یہ قبائل مشترکہ طور پر سپینہ خاورہ کے مقام پر جمع ہو کر اپنے تنازعات باہمی مشاورت سے حل کرتے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے یہ قبائل ہر دور میں طاقتور رہے“۔ آج کل پائندہ خیل کی آبادی چار لاکھ اور سلطان خیل کی آبادی ساڑھے تین لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔

سلطان خیل اور پائندہ خیل میں دو بزرگان دین کا ظہور

اگر سوات، چترال، جندول اور باجوڑ کے حکمران خاندانوں کی تاریخ دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد مذہبی لوگ تھے۔ ریاست سوات کے چار مشہور حکمرانوں میں دو حکمران سید اکبر شاہ اور سید عبدالجبار شاہ پیر باباؒ کی اولاد میں اور دو (والیان) میاں گل عبدالودود اور ان کا جانشین عبدالحق جہانزیب سیدو باباؒ کی اولاد میں سے تھے۔ جندول کے مست خیل قبیلے (حکمران قبیلے) کا تعلق بھی مذہبی گھرانے سے تھا۔

اسی طرح ریاست دیر میں بھی سترھویں صدی میں اخون الیاسؒ اور اخون لاہورؒ کا ظہور ہوا۔ ان بزرگوں کی مذہبی خدمات کے سبب دیر و باجوڑ سے نہ صرف سرخ و سیاہ کا فروں کا خاتمہ ہوا بلکہ بعد میں انہی بزرگوں کی اولاد کو ریاست دیر پر حکومت کرنے کا موقع ملا۔

سلطان خیل

ابا بکر (خال وگردونواح)
دلگک (طورمنگ ورہ)

سید احمد (برلوئے)
خواجہ خضر (کوزلوئے)
الیاس خیل
عباسی (آباز خیل)

خوشحال خیل
بکال خیل
بانی خیل
شادخیل
حسن خیل

ماسم خیل
شاہی خیل
رحیم خیل
برم خیل
اصیم خیل

شاہی خیل
جاناخیل
حسین خیل

چوراخیل (سلجر)
ابراہیم خیل
سید احمد خیل

حیار خیل
جاگی خیل
خواجوخیل
سلطان ویس خیل

حسین بابا (مذہبی گھرانہ)
ولی بیگ (جاگیردار گھرانہ)
اللہ داد خیل
برم خیل

ظفر خیل
آراک خیل

رضا خیل
شخیل
زوال خیل

پینڈے
(دلزاک)
مسعود خیل
بنجار خیل
عظمت خیل
سینور خیل

ملاردت

سید احمد خیل (لقمان بانڈہ)
بنگالی خیل
ولی خیل
امام گدائے
خیری خیل
شاہ عزیب خیل

میاں نور (المعروف بنڑ بابا (جداول خال اخوزادگان)

اخوزادہ حافظ بابا
اخوزادہ پاچہ بابا
اخوزادہ ملابابا

مزید خیل
متہ خیل
غازی خیل
حیبت خیل

گلاب اخوزادہ
عظیم جان اخوزادہ
قابل اخوزادہ

عبدالعزیز
عبدالرؤف
حسین

قابل اخوزادہ
محمود اخوزادہ

عبدالعظیم
خان رسول
بگل
عبدالسعید

تورا خوزادہ
نانے اخوزادہ
امیراجان اخوزادہ
سیفورا خوزادہ



شیخ میاں نورؒ المعروف ''اخون لاہور''

یہ متقی عالم دین دیر کے ایک مشہور قصبے خال میں قبیلہ سلطان خیل میں ''ملا ردت بابا'' کے ہاں پیدا ہوئے۔ خال میں آپ بنڑ بابا کے نام سے مشہور ہیں کیونکہ یہ بزرگ جس قبرستان میں دفن ہیں وہ پرانے زمانے سے بنڑ کہلاتا ہے۔ میاں نور کے والد ملا ردت بن حسین بن چورا بن خواجہ خضر بن ابا بکر بن سلطان بن ملے بابا تھے۔

میاں نور نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے گھر پر حاصل کی اور مزید علم حاصل کرنے کے لئے لاہور جا کر ایک پیر کے ہاں تین سال رہے۔ وطن واپسی پر انھوں نے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ قبائلی تعلق اور رشتہ داری کی نسبت نہاگ درّہ کے ایک درویش تور بابا کو میاں نور کے اس ارادے کا پتہ چلا تو وہ اپنے بیٹے الیاس کو آپ کے ساتھ ہندوستان بھیجنے کیلئے ملا ردت کے گھر خال لے آئے۔

جب ہندوستان کے لمبے سفر پر یہ طالبان نہاگ درّہ کے علاقے کو وہاں سے رخصت ہو رہے تھے، تو روایت مشہور ہے کہ الیاس کی ماں نے چودہ سالہ بیٹے کو چوما اور بار بار نورے (میاں نور) کو یہ تاکید کرتی رہی کہ انجان راستوں پر اس دبلے پتلے لڑکے کا خیال رکھنا۔ ان دونوں کو برٹھ کی روٹیاں پکا کر دی گئی تھیں تاکہ راستے میں خوراک کے طور پر کام آئیں۔ رخصتی کے دن نہاگ درّہ میں گاؤں والے اور رشتہ دار، مکانوں کی چھتوں سے دور تک ان کا نظارہ کرتے رہے اور ارد گرد کھیتوں میں بھی لوگ کام چھوڑ کر انہیں بغل گیر ہو کر الوداع کہتے رہے۔

ایک انجانے سفر پر یہ لڑکے دو ماہ بعد ہندوستان پہنچ کر مشہور پیر حضرت بنوریؒ کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ پائندہ خیل بزرگوں کے مطابق بنوریؒ کے مریدوں کی تعداد جب ایک لاکھ پچیس ہزار کے لگ بھگ تک پہنچ گئی تو مغل حکمران شاہ جہان نے اس پیر کے مریدوں کی روز بروز بڑھتی تعداد کو مغل شہنشاہیت کے لئے خطرناک سمجھتے ہوئے انھیں ہندوستان چھوڑنے کا حکم دیا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاہ جہان نے جب اپنی ملکہ تاج کو کسی بات پر طلاق دی تو واپس نکاح میں لانے کے لئے اس نے چند روز ملکہ کو حضرت بنوریؒ کے نکاح میں دے دیا۔ مقررہ میعاد پوری ہوئی لیکن حضرت بنوریؒ کی فقیرانہ زندگی سے

---

[1] بنڑ کے معنی ہیں گھنے درختوں والا قبرستان۔

متاثر ہو کر ملکہ نے پھر بھی بادشاہ کے پاس جانے سے انکار کیا تو بادشاہ نے حضرت بنورؒ کو ہندوستان چھوڑنے کا حکم دیا۔

بادشاہ کا حکم سن کر یہ پیر اپنے ہزاروں مریدوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہوئے، اس قافلے میں ان کے ساتھ ان کے تابع دار شاگردوں الیاس اور نورے کے علاوہ نوشہرہ کے مشہور عالم کاکا بھی شامل تھے جو بعد میں کاکا صاحبؒ سے مشہور ہوئے۔ دیکھا جائے تو کاکا صاحبؒ اور اخون الیاسؒ کی اولاد نے تین صدیوں تک نہ صرف نزدیک تعلق رکھا بلکہ دونوں خاندانوں کے ایک دوسرے سے کئی رشتے بھی ہوئے۔

اخون الیاس کی خوش قسمتی

کئی سال ہندوستان میں اور چھ ماہ مکہ میں گزارنے کے بعد حضرت بنورؒ کے شاگرد دینی علوم سے فیض یاب ہوئے۔ عام روایت ہے کہ بیعت دیتے وقت عبادت میں مشغول حضرت بنورؒ نے تین دفعہ یہ آواز دی ''اے میاں نور! اے میاں نور ! اے میاں نور !''۔ یہ اشارہ خال کے میاں نور کو تھا جو اتفاقاً اس وقت حاضر نہ تھے۔ اخون الیاس نے حاضر ہو کر مئودبانہ انداز میں جواب دیا کہ اخون باہر ہے اور اخون غلام حاضر ہے۔ اندر جا کر حضرت بنورؒ نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ اخون الیاس کی اولاد میں ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ ''ہاتھ کا یہ نشان ہمارے خاندان کے بزرگوں کی کمر پر پانچویں پشت تک چلا آرہا تھا''۔ اخون الیاس کو وظیفہ دیتے وقت مرشد نے ایک جوڑا تسبیح اور جائے نماز بھی دی اور ان کی اولاد کو اپنے علاقے یعنی دیر پر حکومت کی خوشخبری سنائی اور ساتھ یہ الفاظ فرمائے کہ تمہارے گھوڑے کی لگام اخون میاں نور کے ہاتھ میں ہوگی۔ حضرت بنورؒ کے ان الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ کی اولاد دیر پر حکومت کرے گی تو وزراء ملا نور کی اولاد سے ہوں گے۔

حضرت بنورؒ کی یہ پیشنگوئی اس وقت صحیح نکلی جب نواب شاہ جہان سلطان خیل قبیلے کے عشیرئی درّہ اور سلطان خیل درّہ کے گاؤں میرہ کے سرداروں کے ساتھ سختی سے پیش آیا اور خال کے اخونزادگان کو بھی ملک بدر کر دیا۔ جس سے سلطان خیل قبیلے نے نواب کے خلاف ہر محاذ پر بغاوت کا علم بلند کیا اور یوں اس اہم قبیلے کا اعتماد کھونا بھی شاہی خاندان کے زوال کا ایک

مکہ سے واپسی پر دیر آ کر اخون الیاسؒ نے نہاگ دڑہ (کوہان) جبکہ میاں نورؒ نے خال (زورمنڈئی) میں رہ کر اشاعت دین وتبلیغ شروع کی۔ زورمنڈئی گاؤں خال قصبے میں دریائے پنجکوڑہ کے کنارے آباد ہے۔ اسی گاؤں کو ساڑھے چار سو سال پہلے سلطان خیل قبیلے کے سرداروں نے آباد کیا تھا۔ میاں نور بابا کو بھی لوگ سیرئی (جائیداد اور مال مویشی) دیتے تھے، لیکن دنیاوی مال و دولت کا شوق نہ رکھنے والے یہ عالم و فاضل کئی سال دیر میں دین کی خدمت کرتے ہوئے خال میں وفات پا گئے۔ ان کا مزار بنڑ قبرستان میں بنڑ بابا کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کے تینوں بیٹوں حافظ بابا، پاچہ بابا، ملا بابا نے بھی جاگیردارانہ زندگی کی بجائے والد کے نقش قدم پر چل کر دیر کے عوام کی دینی خدمت کی۔ وہ بھی اپنے والد کے سنگ اسی قبرستان میں دفن ہیں۔

ریاست دیر پر شیخ میاں نورؒ اور ان کی اولاد کا اثر ورسوخ

شیخ میاں نورؒ کا اپنے زمانے میں دیر، سوات اور باجوڑ تک مذہبی اثر ورسوخ کا اندازہ خوشحال خان خٹک کی کتاب سوات نامہ کے ایک ورق سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کا انگلش ترجمہ ڈاکٹر شکیل نے کیا ہے اسمیں میں لکھتے ہیں کہ "جب خوشحال خان خٹک مغل حکمران اورنگ زیب کے خلاف پختونوں کو متحد کرنے کی مہم پر سترہ ویں صدی عیسوی میں دیر و سوات آئے تو اس زمانے میں دیر، باجوڑ، سوات اور بونیر پر شیخ میاں نورؒ کا مذہبی اثر ورسوخ تھا۔

اخون درویزہؒ (مرید پیر باباؒ) کی مشہور کتاب "مخزن اسلام" پر خوشحال خان نے تنقید کی تھی۔ اصل میں اس کتاب کے دو نکات پر خوشحال خان خٹک کی رائے مختلف تھی۔ شیخ میاں نور چونکہ اخون درویزہؒ کا پیروکار تھا۔ جب انھیں اس تنقید کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے مریدوں کو خوشحال خان کے خلاف ابھارا جس کی وجہ سے وہ سوات اور دیر کے پختون قبیلوں کو متحد کرنے میں ناکام رہے۔ اس کے بارے میں خوشحال خان خٹک نے سوات نامہ میں جو شعر کہا ہے۔

لشکر و یې د تلو اولس سازشي — بیا له دَه له فعله بل فعل آغازشي

یعنی میرے ساتھ لشکر جانے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن میاں نور کی وجہ سے دوبارہ یہ لشکر رک جاتے ہیں۔

ا سوات نامہ صفحہ ۲۰

خوشحال خان نے الزام عائد کیا ہے کہ شیخ میاں نور کا مغل حکمران اورنگزیب سے خفیہ تعلق تھا جس کی وجہ
سے انھوں نے میری مخالفت کی۔ اس کتاب میں یہ بھی ذکر ہے کہ اخوان درویزہ کی کتاب کے ان [illegible]
شیخ میاں نور اور خوشحال خان کے درمیان ایک درخت کے نیچے مناظرہ ہوا تھا جس میں خوشحال خان نے
میاں نور کو شکست دی تھی اور ان سے ایک بڑے جرگے کے سامنے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ مغل حکمرانوں کا
مزید ساتھ نہیں دیں گے۔ خوشحال خان نے لکھا ہے کہ اس وعدے کے باوجود بھی شیخ میاں نور مغلوں کی خفیہ
مدد کرتے رہے۔

شیخ میاں نور کی اولاد میں ایک بزرگ لائق سید اخونزادہ کا کہنا ہے کہ ہم نے یہ بزرگوں سے سنا
ہے کہ آج ہمارا جو پرانا حجرہ (دربار) ہے انہیں خوشحال خان خٹک ہمارے پردادا کے پردادا سے لشکری
قوت کی درخواست کرنے آئے تھے لیکن انھیں معذرت کرتے ہوئے یہ بات کہی گئی تھی کہ اگر آپ کی
لڑائی ایک مسلمان حکمران کی بجائے ایک کافر بادشاہ سے ہوتو میں آپکو سلطان خیل و پائندہ خیل کے جنگجو
قبائل دینے کو تیار ہوں۔

یاد رہے کہ اولف کیرو (Olaf caroe) نے خوشحال خان خٹک کے نہاگدرہ جانے کا بھی
ذکر کیا ہے۔ خوشحال خان کا میاں نورؒ کے ساتھ اخون درویزہؒ کی کتاب پر مناظرہ، ان کے قبائل کو ساتھ
بھیجنے کی درخواست، شیخ میاں نورؒ کی مخالفت اور اس کی وجہ سے خوشحال خان خٹک کی اورنگزیب کے خلاف
لشکری قوت تیار کرنے میں ناکامی، ان سب باتوں سے ہم آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں، کہ اس زمانے
میں دیر اور سوات کے علاوہ بونیر و باجوڑ تک نہ صرف شیخ میاں نور کا مذہبی اثر و رسوخ تھا، بلکہ سلطان خیل و
پائندہ خیل بھی اس بزرگ کے تابع تھے۔

اخونزادگان اور ان کے سردار

شیخ ملی تقسیم 1523ء کی رو سے خال میں دو پختون برادری قبیلے آباد ہیں۔ ولی بیگ خیل اور
اخونزادگان۔ ولی بیگ قبیلے کے آباؤ اجداد جاگیردار رہ کر دنیاوی تجارت و جائیداد میں مشغول رہے جبکہ
اخونزادگان کے آباؤ اجداد نے دین کو مشغلہ بنایا۔ ولی بیگ اپنے نام کے ساتھ ملک استعمال کرتے ہیں
اور اخونزادگان اپنے نام سے اخونزادہ۔ آجکل ولی بیگ قبیلہ خال میں اخونزادگان کی نسبت کم تعداد

میں آباد ہے۔

قبیلہ اخونزادگان آجکل تین شاخوں پاچہ خیل، مُلا خیل اور حافظ خیل میں تقسیم ہے۔ شیخ میاں نور کے بعد ان کے دو بیٹے پاچہ بابا اور مُلا بابا ''نام سیر کلے'' اور خال میں رہائش پذیر تھے۔ تیسرے بیٹے حافظ بابا کی رہائش خال زور منڈئی گاؤں میں تھی۔ شیخ میاں نور کی اولاد خال اخونزادگان کے نام سے مشہور ہوئی۔ آج کل اخونزادگان کی آبادی چھ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور ان میں پچانوے فیصد خال اور گردونواح میں آباد ہیں۔

اخونزادگان پاچہ خیل

شیخ میاں نور کے بعد اس کی اولاد کا بھی ہر دور میں ریاست دیر پر بہت بڑا اثر دخل رہا۔ سلطان خیل قبیلے کے اکثر سرداروں کا تعلق خال اخونزادگان، عشیرئی درّہ یا سلطان خیل درّہ کے ایک گاؤں ''میرہ'' سے ہوتا تھا۔ پاچہ خیل کی اولاد میں قابل اخونزادہ (1803ء تا 1832ء) سلطان خیل قبیلے کے مشہور سردار گزرے ہیں۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے 1822ء میں خان غزن خان کو چترال سے لاکر دیر کی گدی پر بٹھایا تھا۔

قابل اخونزادہ کے پوتے کوکرہ، جو سلطان خیل قبیلے کے سردار تھے، نے 1890ء میں خان دیر خان محمد شریف خان کے خلاف عمرا خان کا ساتھ دیا تو عمرا خان نے دیر پر آسانی سے قبضہ کر لیا تھا۔ کوکرہ اخون زادہ کے بھتیجے عبدالجلیل اخونزادہ نواب دوم محمد اورنگزیب کے مشیر مال اور نواب سوم شاہ جہان کے دور اقتدار میں دس سال تک ادینزئی کے تحصیل دار رہے۔ ان کا کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے 1929ء میں اس جرگہ کی قیادت کی جس کی درخواست پر عالم زیب خان جندول سے باہر جانے پر رضامند ہوئے اور جندول کا علاقہ ہمیشہ کیلئے نواب شاہ جہان کے قبضے میں آ گیا تھا۔

اخونزادگان ملا خیل

اخون زادگان کی دوسری شاخ ملا خیل میں زیادہ تر لوگ عالم دین اور حافظ قرآن رہے اور اس قبیلے والوں نے دنیاوی مشاغل سے ہٹ کر دین کی تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔ ملا خیل میں بابا جی اخونزادہ ایک نامی گرامی شخصیت گزرے ہیں۔ ان کا بیٹا تورا اخونزادہ نواب شاہ جہان کے دور میں باڑوہ تحصیل پر

اپنے چچازاد بھائی حضرت سید اخونزادہ کے ساتھ انتظامی امور نبھاتا رہا۔تورا اخونزادہ کا بیٹا فضل اکبر
اخونزادہ بھی نواب شاہ جہان کی طرف سے کوہستان اور پھر سلطان خیل درہ پائین اور روغانو وغیرہ
میں انتظامی امور سرانجام دینے پر مامور رہا۔

اخونزادگان حافظ خیل

اخونزادگان کی تیسری شاخ حافظ خیل نہ صرف آبادی میں دونوں شاخوں کی نسبت زیادہ ہیں بلکہ اس قبیلے نے کئی نامور شخصیات کو جنم دیا۔حافظ خیل میں سیفورا خونزادہ ایک مشہور جنگجو سردار گزرے ہیں۔سیفور اخونزادہ کے بیٹے حضرت سید اخونزادہ انیس سال تک نواب شاہ جہان کے ساتھ باڑوہ (ثمر باغ) میں تحصیل داری کے فرائض انجام دینے کے علاوہ دیر کے چوتھے نواب محمد شاہ خسرو کے سسر بھی تھے سیفورا خونزادہ کا دوسرا بیٹا سید حضرت اخونزادہ بھی قومی قائد تھا۔سیفورا خونزادہ کا دوسرا بھائی امیر اجان اخونزادہ ان کے بعد سلطان خیل قوم کا سردار تھا۔ان کے بعد امیر اجان کا بیٹا محمد جان اخونزادہ بھی سردار بنا۔اسی طرح محمد زرین، مظفر سید، بہادر سید اور بہرہ ور سید اخونزادگان جیسی اہم تاریخی شخصیات کا تعلق بھی حافظ خیل شاخ سے تھا۔

بہرہ ور سید اخونزادہ ریاستی دور کے وہی تعلیم یافتہ نوجوان تھے جنہوں نے لاہور میں بحیثیت قانون (Law) کے طالب علم کے قائد اعظم سے ملاقات کر کے ریاست دیر میں پہلی دفعہ مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی تھی۔بہرہ ور سید اخونزادہ تحریک وحدت ترکلانی (یہ تحریک نواب کے خلاف ترکلانی قبیلے نے شروع کی تھی) میں بھی پیش پیش تھے۔مردان میں ریاست کے بے دخل قبائلی سرداروں کی نواب کے خلاف جو تحریک چل رہی تھی بہرہ ور سید اخونزادہ ان میں سے ایک بڑے سرگرم قائد تھے۔

سلطان خیل قبیلہ چونکہ خال کے قومی سرداروں کا تابع تھا اس لئے نواب شاہجہان خال اخونزادگان سے براہ راست ٹکر لینے سے گریز کرتا رہا۔مئورخین کہتے ہیں کہ ”خال اور اس کی حدود نواب کی گرفت اور اثر رسوخ سے آزاد تھیں“۔اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ریاست میں جہاں گھر کو چونا دینے اور عمدہ مکان بنانے پر سخت پابندی تھی، وہاں خال کے حضرت سید اخونزادہ اور عبدالجلیل اخونزادہ کے ٹین کی چادروں سے بنے خوبصورت بنگلے تھے۔

نواب سلطان خیل کی بغاوت کے خدشے سے اس کو گرا نہیں سکتا تھا لیکن جب یہاں سے اپنی گاڑی میں گزرتا تو نفرت سے منہ موڑ کر بنگلوں کی بجائے پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے سفر کرتا۔

خال کے عوام اور اخونزادگان چونکہ جدید تعلیم اور ریاست کی ترقی کے متمنی اور نواب کی پالیسیوں کے مخالف تھے۔ جب اس قبیلے والوں پر ہر چال ناکام رہا تو حکمران دیر نے ان سے دشمنی مول لی اور آخر میں سیفور اخونزادہ کے خاندان کو ریاست بدر کر دیا۔ اپنے قبائلی سرداروں کا نواب کے ہاتھوں یہ سلوک دیکھ کر تحریک وحدت ترکلانی سے لیکر تختہ الٹنے تک سلطان خیل قبیلہ ترکلانی قبیلے کے ساتھ نواب کے خلاف سرگرم رہا اسلئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ نواب کا تختہ ترکلانی قبیلے کے علاوہ سلطان خیل قبیلے کے سرداروں نے الٹ ڈالا۔

اخون الیاسؒ جدِ اوّل شاہی خاندان دیر 1626ء تا 1676ء

پائندہ بابا کی جائیداد ان کے دو بیٹوں مبارک خان و موسیٰ خان میں تقسیم ہوئی۔ موسیٰ خان کی اولاد میں بھامت خان (مابت خان) کو ڈوگرام، کوٹ، کاکڈھ اور نہاگ درّہ کے علاقے دیئے گئے۔ حکمرانان دیر کے مورث اعلیٰ اخون الیاسؒ جو پائندہ بابا کی چوتھی پشت میں تور بابا کے ہاں نہاگ درہ میں پیدا ہوئے، بھامت خان کے نواسے تھے۔ یعنی اخون الیاسؒ بن تور بابا بن ابراہیم بن بھامت بن موسیٰ بن پائندہ تھے۔

جائیداد کی مزید تقسیم میں اخون کے دادا ابراہیم کو نہاگ درّہ کے علاقے اور والد تور بابا کو کوہان کا علاقہ دیا گیا۔ آج بھی نہاگ درّہ کے لوگوں کو ان کھیتوں اور جائیداد کے حدود معلوم ہیں جس پر اخون الیاس بچپن میں گھومے پھرے تھے۔ اس نسبت سے کوہان (نہاگ درّہ) کے کھیت کھلیان ریاست دیر کے شاہی خاندان کی اصل (پدری) جائیداد بتائی جاتی ہے۔

اخون الیاسؒ بابا کا شجرہ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک

اخون الیاس بن تور بابا بن ابراہیم بن بھامت خان بن موسیٰ خان بن پائندہ بن ملے بن خواجو بن اکو بن یوسف بن مند بن خشی بن کند بن خرشبون بن سڑہ بن قیس عبدالرشید بن نعمان بن حضرت وددو بن خالد ابن ولیدؓ بن حضرت سعید بن حضرت فاروق بن منذر بن لشوی بن احد ابن حضرت قیصر بن حضرت حمزہ

بن حضرت احمل بن حضرت عدنان بن حضرت قمرے بن حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام بن حضرت عمران
بن حضرت کسوان بن حضرت قیصر بن حضرت شہبال بن حضرت فراق بن حضرت ذہود بن حضرت آ
بن حضرت یعقوب علیہ السلام بن حضرت اسحٰقؑ بن حضرت ابراہیمؑ بن حضرت آذر بن سوفان بن حضرت
لشمک بن حضرت عام بن حضرت سام بن حضرت نوح علیہ السلام بن حضرت علامک بن متوشلخ بن
حضرت ادریس علیہ السلام بن حضرت نوش بن حضرت مہائل بن حضرت قلتبان بن حضرت ہدیہ بن
حضرت شیث علیہ السلام بن حضرت آدم الہ بنی و علیہ السلام۔

اخون الیاسؒ کی گدی نشینی

مکہ سے واپسی پر مرشد نے تسبیح دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ دیر جاتے ہوئے دوران سفر رات کو سونے سے پہلے کٹھیل (تروکے) نامی پودا جلایا کریں۔ جہاں بھی صبح اٹھ کر تمہیں اسمیں آگ کی چنگاری نظر آئے تو یہ جگہ آپ کی اولاد کا پایہ تخت ہوگا۔ (یاد رہے کہ یہ پودا جلد ہی راکھ بن کر ختم ہو جاتا ہے) اور ایک دوسرا پودا کائی (کہے) جلایا کریں جہاں اس میں چنگاری زندہ رہی وہاں آپ کا مزار ہوگا۔

دیر کے ہر سفید ریش کی ایک جیسی روایت کے مطابق مرشد کے حکم کو بجالاتے ہوئے اخون الیاسؒ جنوب سے دیر کی طرف گامزن ہوئے۔ وہ جب پیچھے مڑ کر دیکھتے تو روحانی آنکھ سے مرشد کو دیکھ کر اپنا سفر جاری رکھتے۔ اس سفر کے دوران وہ ایک شام کو شاملئی گدر (چکدرہ) پہنچے اور پیچھے مڑ کر مرشد کو نہیں دیکھا یہاں انھوں نے رات گزار کر پیر کے بتائے ہوئے طریقے پر پہلی دفعہ آگ جلائی۔ صبح سویرے اٹھ کر انھوں نے آگ کے راکھ میں چنگاری پانے کی کوشش کی لیکن نہ ملی تو انھوں نے پھر سفر جاری رکھا۔

مرشد کے جوتے (پنڑے) ہاتھ میں لئے یہ بزرگ اگلی صبح تیمرگرہ سے گذر رہے تھے۔ یہاں کے لوگ اس وقت نیند کی آغوش میں تھے۔ یہاں ایک بزرگ عبادت میں مشغول تھے انھوں نے شاید روحانی طور پر اخون الیاسؒ کو جاتے ہوئے محسوس کیا۔

---

۱ یہ شجرہ نسب مولوی قاری حاجی عبداللطیف (قوم پائندہ خیل) نے اپنی کتاب فتاویٰ شہابیہ میں لکھا
اس شجرہ کی ایک نقل اخون الیاسؒ کی اولاد میں لاجبوک کا ایک اخون خیل محمد یونس استاذ المعروف کس
مولوی صاحب رکھتے چلے آرہے ہیں۔ کتاب کا یہ شجرہ بھی اسی بزرگ سے حاصل سے کیا گیا۔

وران وعظ انھوں نے لوگوں سے کہا کہ رات کو یہاں سے ایک بزرگ گزرا ہے۔ ان کی اولاد بعد میں
کی اولاد پر بڑی سختی سے حکومت کرے گی بابا کی یہ بات چند لمحوں میں آگ کی طرح پھیلی۔ چند
انوں نے روایتی ہتھیار لے کر قتل کے ارادے سے اخون الیاس کا تعاقب شروع کیا اور چلتے چلتے ان
انوہ گاؤں کے آس پاس گھیر لیا۔ یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دبلا پتلا شخص جس کے جوتے ہاتھ میں
بکھرے ہوئے اور گرد آلود، کپڑے پھٹے پرانے اور داڑھی لعاب سے تر تھی۔ ان کا کمزور جسم اور قابل
حالت دیکھ کر وہ آپس میں ہنس کر کہنے لگے کہ پتہ نہیں بابا بھی بعض اوقات کیا کہہ جاتے ہیں۔

اخون نہیں سمجھا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ کئی روز پیدل سفر کے بعد دیر میں ''کلشو'' نامی مقام پر
کر انھوں نے کھلے آسمان تلے رات گزارنے کا تعین کیا۔ رات کو آگ جلائی اور اس کے نزدیک سو گئے
صبح اٹھے تو ان کو آگ میں چنگاری نظر آئی۔ یہ ان کے لئے شاید بڑی خوشی کے لمحات تھے کیونکہ اس
اری کو پانے کیلئے انھوں نے بہت تکالیف برداشت کی تھیں۔ اخون نے پتھر جمع کر کے اس جگہ
روں طرف کمرہ نما دیواریں کھڑی کیں تا کہ یہ مقام یاد رہے۔ اس مقام کا تعین کر کے اسی طرح وہ اب
نے مزار کیلئے گھومتا پھرتا ایک دوسرا پوداجلاتا رہا۔ آخر ان کو بمقام لاجبوک درّہ یہ مقام مل گیا۔ اب آخون
نے اپنے گاؤں نہاگ درّہ (کوہان) پہنچ کر دین کی اشاعت وتبلیغ شروع کر دی۔

ائیرین کی آمد

اخون رات کو ایک کوٹھڑی میں رہ کر عبادت میں مشغول رہتے اور دن کو زائرین کے مجمع میں رہ
ر انھیں مذہبی علوم کی تعلیم دیتے۔ اس زمانے میں چونکہ دیر میں علم کی شدید پیاس کے ساتھ کافروں کی
بادی بھی زیادہ تھی اس لیے مُلا الیاس کے گرد اکثر لوگوں کا تانتا بندھا رہتا۔ اسی طرح اخون مختصر عرصے
ں ایک نامور عالم کے طور پر ابھرے۔

مذہبی علم کے علاوہ لوگ مریضوں کی شفایابی کیلئے ان کو ساتھ لا کر دعاؤں کی درخواست کرتے
ض اوقات قبائلی تنازعات کے حل کیلئے سرداروں کا جرگہ ان کے پاس آ کر شرعی حل ڈھونڈتے۔ یہاں
کے لوگ تنازعہ کی حل پانے کی صورت میں انکے بدلے اخون کو سیرئی (زمین) کے علاوہ ،نقدی، مال
ویشی اور اچھے تحائف پیش کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ اخون کے پاس جائیداد، اناج اور مال مویشیوں کا ایک

بڑا ذخیرہ جمع ہوا۔ فانی زندگی کے آخری زمانے میں اخون الیاسؒ اپنے چھوٹے بیٹے عبداللہ کو لئے لاجبوک درّہ آئے اور یہاں قیام پذیر رہے۔ یاد رہے کہ لاجبوک کا درّہ بھی اخون کو سیرئی کے طور پر ملا تھا۔

اس متقی عالم دین نے 1676ء میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق لاجبوک درّہ کے اس متعین مقام پر دفن کر دیئے گئے۔ ان کی اولاد بڑھتے بڑھتے اخون خیل کہلانے لگی۔ اخون کے بیٹے عبداللہ کی اولاد آجکل لاجبوک میں ایک ہزار گھرانوں سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ اخون کے دوسرے بیٹے ملا اسماعیل کی اولاد آجکل نہاگ درّہ کے علاوہ عشیرئی درّہ، گرگٹ، اپچ کلے، اَبا کنڈ، سمکوٹ، سندراول، لاجبوک، ہاتنڑ درّہ، ڈوڈباہ، واڑی، املوک ناردرّہ، بیبیوڑ، کیسٔر درّہ اور دیر خاص میں آباد ہیں۔

مُلا اسماعیل 1676ء تا 1752ء

اخون الیاسؒ کی وفات پر ان کے بڑے بیٹے ملا اسماعیل نے والد کی گدی سنبھالی۔ انھوں نے اپنے والد سے کمال فیض حاصل کیا تھا۔ لوگ اسی طرح آپ کے پاس آتے۔ ان کا وعظ پر تاثیر ہوتا تھا۔ یہ عالم بیبیوڑ کے سامنے لوئی بابا کے نام سے دفن ہیں اسلئے کہ آخری زمانے میں وہ مال ومتاع سمیت کوہان سے بیبیوڑ منتقل ہوئے تھے۔

نہاگدرہ سے ملا اسماعیل کی ہجرت کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس پہاڑی درّے (نہاگ) تک اس زمانے میں پیدل سفر کافی مشکل تھا۔ دوسری یہ کہ اخون کو بیبیوڑ میں جائیداد (سیرئی) ملی تھی، اسے سنبھالنے کے علاوہ تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ داروڑہ سے آگے کوہستان کا فردوں کی آبادی تھی اور یہاں اس مذہبی خاندان کے لئے دینی تبلیغ کا اچھا موقع تھا۔

خان غلام خان 1752ء تا 1804ء

غلام خان کو اپنے دادا اخون اور والد اسماعیل سے بہت سی جائیداد اور مال و دولت حاصل ہوئی اسلئے وہ علمی دلچسپی کی بجائے دنیاوی مال ومتاع اور حکمرانی میں دلچسپی لینے لگا۔ نوکر چاکر رکھ کر انھوں نے بیبیوڑ میں حکمرانی کی بنیاد رکھی اور خان بیبیوڑ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہی خاندان میں یہ دنیاوی حکمرانی کا بانی کہلایا جاتا ہے۔

ن ظفر خان 1804ء تا 1814ء

یہ اپنے والد خان غلام خان سے بھی زیادہ بیدار مغز ثابت ہوا۔ اس خان نے باقاعدہ منظم اور
واہ دار فوج بنائی اور آس پاس علاقوں کے قبائلی سرداروں کو اپنا تابع کیا۔ اس خان کا ایک بڑا کارنامہ
فرستانی حکومت کا خاتمہ تھا۔ اس زمانے میں کوہستانی کافر دیر سے لے کر آدھے چترال تک کے علاقے
قابض تھے۔ دیر خاص میں موجودہ نوابوں کے قلعے کی جگہ پر ان کا بھی شاہی قلعہ تھا جہاں سے ایک
ندان گزشتہ تین سو سالوں سے کافرستان پر حکومت کر رہا تھا۔

ان حکمرانوں کی بیشتر رعایا اخون الیاسؒ، اخون لاہورؒ، مُلا اسماعیلؒ اور اخون سالاکؒ جیسے مذہبی
رگان دین کی تبلیغ و تعلیمات کی وجہ سے مسلمان ہوئی تھی۔ خان ظفر خان نے جنگوں کا ایک سلسلہ شروع کر
ے حضرت بنوریؒ کی پیشنگوئی اور اخون الیاسؒ کی اس خواب کی تکمیل کو حقیقت کا روپ دینے کیلئے دیر پر چڑھائی
فیصلہ کیا اور کچھ عرصہ بعد یوسفزئی اقوام کو لے کر انھوں نے کافروں کے شاہی محل پر قبضہ جمالیا۔

فتح پا کر خان ظفر خان اپنے خاندان سمیت بیبیوڑ سے دیر منتقل ہوا۔ کافروں کے قلعے کو گرا کر
ھوں نے اس کی جگہ ایک مضبوط قلعہ بنایا اور دیر کو دارالخلافہ کی حیثیت دی، جو شاہی خاندان کے زوال
ک دارالخلافہ رہا۔ دیر پر حقیقی بادشاہت کا آغاز کرنے والے خان ظفر خان جب فوت ہوئے تو انھیں
صیت کے مطابق بیبیوڑ میں اپنے والد اور دادا کے سنگ دفن کیا گیا۔ آج ان کا مزار وہاں وڑوکی بابا کے
م سے مشہور ہے۔ ان کے چار بیٹے تھے (1) خان قاسم خان (2) خان نسیم خان (3) خان ظاہر خان
(4) خان بھاکو خان۔

خان قاسم خان شہید 1814ء تا 1822ء

خان ظفر خان کے جانشین خان قاسم خان بھی ایک بیدار مغز اور جنگجو حکمران ثابت ہوئے
۔ اگر خان ظفر خان نے دیر کافرستان شاہی خاندان کا خاتمہ کیا تھا، تو خان قاسم خان نے درجنوں لشکر
کشیوں کے بعد اپنی سلطنت کا جھنڈا پہلی دفعہ مغرب میں اَسمار اور جنوب میں سخاکوٹ پر لہرا دیا۔ ان کے
تیزی سے بڑھتے اثر ورسوخ کو دیکھ کر مہتر چترال ''کٹور دوم شاہ فاضل'' نے انہیں اپنا داماد بنایا۔ ان کی
پہلی بیوی سے تین بیٹے محمد سعید خان، سعد اللہ خان اور آزاد خان تھے۔ دوسری بیوی سے غزن خان

پیدا ہوا۔ خانِ دیر اس چھوٹے صاحبزادے سے بہت پیار اور محبت کرتے تھے، جسے دیکھ کر سوتیلے بھائی جلنے لگے اور انھیں یہ خدشہ ہوا کہ والد مستقبل میں اس لاڈلے کو جانشین بنائے گا۔ کچھ اپنی نادانی اور کچھ لوگوں کی چہ مگوئیاں سن کر بیٹوں نے مل کر ایک سازش کے تحت اپنے باپ خان قاسم خان کو آزاد خان کے ہاتھوں شہید کروایا۔ یہ خان آج دیر کے جس قبرستان میں دفن ہیں شاہی خاندان کی یہ آرام گاہ ان کے نام سے منسوب ہو کر خان شہید قبرستان کے نام سے مشہور ہے۔

خان غزن خان 1822ء تا 1868ء

خان قاسم خان کی شہید ہونے کے بعد ان کے بیٹے آپس میں اقتدار کیلئے لڑنے لگے۔ مختلف علاقوں کے قبائلی سردار تقسیم ہو کر ہر خان کا اپنا ٹولہ (ڈلہ) بن گیا۔ حکمرانی کا یہ دور ایسی لڑائیوں میں گزر گیا۔ اس اندرونی انتشار اور نااہلی کے سبب قاسم خان کے بیٹوں کی خانی نام کی رہ گئی۔ شاہ کٹور مہتر چترال کے بھانجے غزن خان کو پہلے ہی سے چار سال کی عمر میں اس کے بھائیوں کے خوف سے چترال لے جایا گیا تیرہ سال گزرنے کے بعد قشقار شہزادوں کے ساتھ پرورش پانے والا غزن خان اب ایک بھرپور نوجوان تھا۔ ان کے بھائی اب بھی اقتدار پر خانہ جنگی میں مصروف تھے۔ جب کوئی ایک اقتدار چھیننے میں کامیاب ہو جاتا تو باقی بھائی اسکی حکومت گرا دیتے۔

دیر کے عوام آخر اس خانہ جنگی سے تنگ آ گئے۔ خال کے قابل اخون زادہ کی سرداری میں دیر کے قبائلی عمائدین کا ایک جرگہ مہتر چترال ''محترم شاہ'' کے پاس پہنچا۔ یہ مہتر تاریخ میں کٹور ثانی یا چھوٹے کٹور کے نام سے بھی مشہور ہے جس نے غزن خان کو داماد بھی بنایا تھا۔ اس جرگہ نے مہتر کو دیر پر حملے کیلئے ابھارا اور اپنی طرف سے بھرپور مدد کی یقین دہانی کرائی۔ کچھ عرصہ بعد جب غزن خان اپنے بھائیوں پر حملے کیلئے ماموں کے لشکر کو لیکر برف پوش لواری پہاڑی پر پہنچا تو حسب وعدہ دیر کا لشکر بھی چترالی لشکر میں شامل ہونے کیلئے منتظر تھا۔ اس مہم پر غزن خان کی روانگی کے وقت خاص بات یہ تھی کہ نوعمری اور نازک بدن ہونے کے ساتھ وہ ایک دلہا بھی تھا کیونکہ کچھ ہی عرصہ پہلے قشقار شہزادی ان کے گھر دلہن بن کر آئی تھی۔

اس متحدہ لشکر کو لئے غزن خان اپنے سوتیلے بھائیوں پر حملہ آور ہوا۔ ایک خونریز جنگ میں ایک

بھائی سعید خان غزن خان کے ہاتھوں قتل ہوا اور باقی دو باجوڑ کی طرف فرار ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں تخت نشین ہو کر غزن خان چند سالوں میں ایک بیدار مغز حکمران ثابت ہوا۔ انھوں نے اپنے مرحوم والد خان قاسم خان کی سلطنت کو پھر سے مضبوط کرنے کیلئے اپنی فوج کو منظم کیا۔ ہر طرف لشکر کشی کی اور مفتوحہ علاقوں پر جگہ جگہ مضبوط قلعے بنانے میں مگن رہا۔ سخاکوٹ پہنچ کر وہ آگے پیش قدمی جاری رکھنا چاہتا تھا لیکن پشاور وصوابی سے یوسفزئی ومندنڑ قبائل مقامی برادر قبائل کی مدد کیلئے پہنچے۔ غزن خان کو سخاکوٹ میں بھرپور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وجہ سے ان کا اقتدار سخاکوٹ تک رہا۔

1857ء کی جنگ آزادی کی تحریک شروع ہونے پر غزن خان نے فرنگی حکومت کی بھرپور مخالفت کی۔ باجوڑ، سوات اور چترال پر اثر دخل رکھنے والا غزن خان اس زمانے میں دہلی میں کسی تعارف کا محتاج نہ تھا۔ اگر وہ اس موقع پر انگریزوں کا ساتھ دیتے تو انھیں دوسرے نوابوں کی طرح اس وقت نواب یا خان بہادر کا خطاب ملتا لیکن انھوں نے جنگ آزادی کے غداروں میں اپنا نام نہیں لکھوایا۔ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد 1863ء میں جب یوسفزئی پختون انگریزوں کے خلاف بونیر کے مقام امبیلا میں صف آراء ہوئے تو غزن خان نے اپنے بیٹے سپہ سالار رحمت اللہ خان کو ہزاروں کا لشکر دے کر معرکہ امبیلہ میں بھی بھرپور شرکت کی۔

1865ء ان کے عروج کا دور تھا۔ ان کی خانی بام عروج تک پہنچ چکی تھی۔ غزن خان ایک بہادر جنگجو اور مذہب پسند حکمران گزرے ہیں۔ غزن خان کے بارہ ہزار لشکر کے سپہ سالار نے ایک جانب اسمار تو دوسری طرف سخاکوٹ تک اپنی ریاست کے حدود کو وسیع کر دیا۔ سوات پر اس زمانے میں مشہور مذہبی بزرگ سیدو باباؒ گدی نشین تھے اور سوات کا نہ کوئی لشکر تھا اور نہ مرکزی حکومت، جو غزن خان کے یلغار کو روک سکتے لیکن غزن خان نے سیدو بابا کے دربار کی قدر کر کے سیدو شریف پر قبضہ کرنے سے گریز کیا۔

ریاست دیر پر شاہی خاندان کی 321 سالہ حکمرانی میں غزن خان کے چھیالیس سالہ دور اقتدار کو عہد زریں (Golden period) قرار دیا جاتا ہے۔ اس خان نے نہ صرف دیر کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ لمبے عرصے تک شان وشوکت سے حکومت کی بلکہ بغاوت اور انتشار کے زمانے میں دیر کی بادشاہت کا تاج سر پر سجا کر انھوں نے پھر سے ایک منظم اور مضبوط سلطنت کی بنیاد رکھی۔

ایک بڑی سلطنت دینے کے ساتھ ساتھ خداوند کریم نے غزن خان کو اولاد نرینہ سے بھی مالا مال کیا تھا۔اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب وہ بستر مرگ پر تھے تو ان کے شاہی پلنگ کے پاس دس بیٹے اور درجنوں پوتے باآدب کھڑے تھے۔1868ء میں وفات پا کر آج وہ دیر خاص میں خان شہید قبرستان میں دفن ہیں۔ان کے دس بیٹے تھے اور صرف سپہ سالار بیٹے رحمت اللہ خان سے دس پوتے تھے۔غزن خان کے تین بیویوں سے بیٹے (1) جامداد خان (2) خان رحمت اللہ خان (3) عجب اللہ خان (4) حبیب اللہ خان (5) عزیز اللہ خان (6) ابراہیم خان (7) خواجہ محمد خان (8) جمعہ خان (9) حمید اللہ خان (10) سلطان محمد خان۔

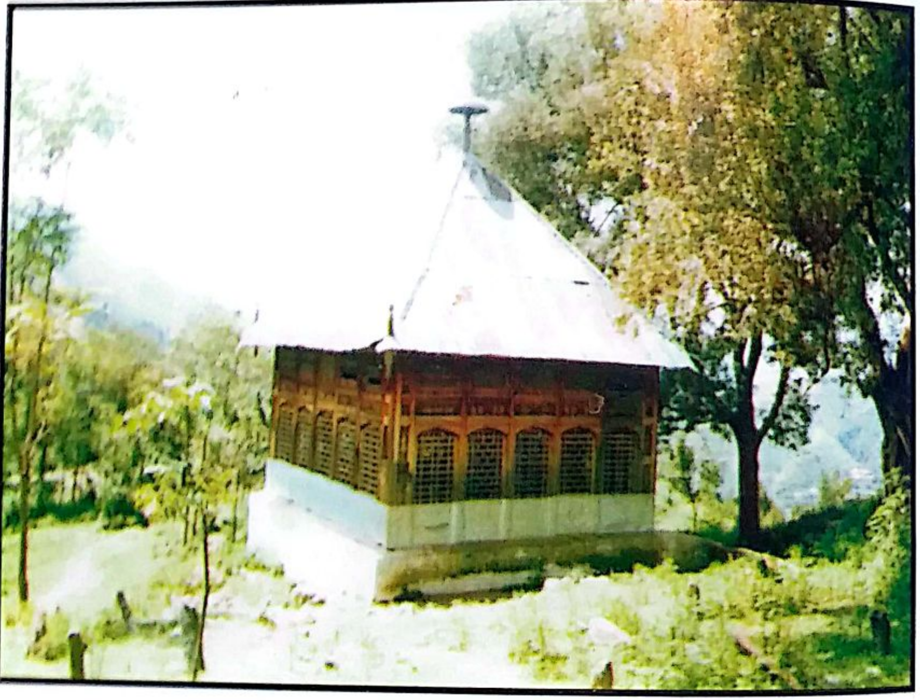
خان رحمت اللہ خان 1870ء تا 1884ء

غزن خان کی شدید علالت کے دوران ان کے بیٹوں میں اقتدار کے حصول کے لئے رسہ کشی شروع ہوگئی۔وفات پر بڑے بیٹے جامداد خان طاقت کے زور پر دیر کے خان بنے اپنی غیر دانشمندانہ پالیسیوں کے سبب وہ ہر دلعزیز حکمران ثابت نہ ہوسکا۔دوسال بعد چھوٹے بھائی خان رحمت اللہ خان نے ان سے بزور شمشیر اقتدار چھینا۔اب نئے حکمران کو جہاں ایک طرف سے نو بھائیوں کی مخالفت تھی وہاں ان کا بیٹا خان شریف خان ان کے لئے دردسر بنا ہوا تھا۔جب انھوں نے اپنے بیٹے کو دیر سے جلاوطن کیا تو وہ سیدھا عمرا خان کے پاس جندول پہنچا اور ان کے لشکر کو لئے اپنے والد کے علاقوں کو تکی اور خزانہ پر حملہ آور ہوا۔یہ جلاوطن خان زادے کی ایک بڑی بھول تھی اسلئے کہ دوسرے حملے کی کمان عمرا خان نے خود سنبھالی اور اسی طرح جندول و دیر کے مابین جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔

خان رحمت اللہ خان کو میدان جنگ پر لشکر کو صف آراء کرنے کا بیس سالہ تجربہ تھا۔وہ اپنے والد غزن خان کے دور میں دیر کے بارہ ہزار لشکر کا سپہ سالار رہ کر درجنوں مہمات میں حصہ لے چکا تھا۔یہی وجہ تھی کہ چار سال تک انھوں نے جندول کے عمرا خان کے خلاف لڑنے کو ترجیح دی اور عمرا خان کے ولئی کنڈاؤ کو جندول اور دیر کی سرحد مقرر کرنے کی پیشکش کو بھی ٹھکرا دیا۔خان رحمت اللہ خان نے عمرا خان کے خلاف تالاش کی جنگ میں اپنے لشکر کی کمان خود سنبھالی جس سے جندول کا لشکر واضح شکست سے دوچار ہوا۔چار سال تک عمرا خان [illegible]



مقبرہ اخون الیاس لاجبوک



مقبرہ زوجہ اخون الیاس لاجبوک



خان شہید قبرستان جس میں خان قاسم خان، رحمت اللہ خان، غزن خان اور نواب اول وغیرہ مدفون ہیں۔ (دیر خاص)

قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔

1884ء میں وہ جندول سے دیر کے مقبوضہ علاقے آزاد کرنے کی غرض سے جنگی تیاری کر رہے تھے کہ جزام بیماری لاحق ہونے سے اچانک وفات پا گئے۔انھیں خان شہید قبرستان میں والد غزن خان کے سنگ دفنایا گیا۔ان کے دس بیٹے تھے (1) خان محمد شریف خان (نواب اوّل)(2) خان حیات اللہ خان (3) جمروز خان (4) شیر محمد خان (5) سکندر خان (6) نعمت اللہ خان (7) اشرف خان (8) دلارم خان (9) رستم خان (10) نسیم خان

باب پنجم

داستان جندول

ترکلانی قبیلے کی ابتداء

وادی میدان کے درّہ اکا خیل کے بزرگ تورلعلی مَلِک کے مطابق ترکلانی کا مطلب بڑا چچا (مشرترہ) ہے۔ترکلان یوسف کا چچا تھا جن کی اولاد بڑھتے بڑھتے بعد میں خشی کے چار قبائل میں سے ایک قبیلہ بنی۔ترکلانی قبیلہ آجکل دیر کے حصوں وادی جندول، درّہ براول اور وادی میدان میں آباد ہے۔ مؤرخین کے مطابق جب یوسفزئی قبیلہ کابل سے ہجرت کر کے پشاور آیا تو دلہ زاک قبیلے کو درخواست کرنے کے بعد یوسفزئیوں کو باجوڑ اور دوآبہ کے علاقے تصرف میں دیئے گئے۔جب یوسفزئی مہاجرین نے باجوڑ کا رخ کیا تو جندول کا حکمران دلہ زاک سردار ملک ھیبو جنگ پر اتر آیا۔جب ترکلانی قبیلے نے اپنے برادر قبیلے کو مشکل میں پایا تو یہ قبیلہ بھی کابل کو خیرباد کہہ کر جوق در جوق باجوڑ پہنچا۔اسی طرح یوسفزئیوں اور ترکلانیوں نے مل کر ایک شدید جنگ کے بعد ملک ھیبو کو شکست فاش دی۔

1523ء میں شیخ ملی فارمولا کی تقسیم کی رو سے یوسفزئیوں کے مفتوحہ علاقوں میں ترکلانیوں کو حصہ نہیں ملا اسلیئے کہ دلہ زاک کے خلاف آخری جنگوں میں ترکلانی ان کے اتحادی نہیں رہے تھے۔ 1540ء میں یوسفزئی سرداروں نے ترکلانی قبیلے کو میدان، براول، باجوڑ، مہمند اور سلارزئی کے علاقے دیئے۔ترکلانی قبائل اپنے جدِاوّل ترکلان بابا کے چار بیٹوں کی اولاد ہیں۔ یہ چار شاخیں(1) کاکا (کاکازئی)(2) یوسو۔(عیسیٰ یوسوزئی)(3) اسماعیل زئی (4) سالار (سلارزئی) سے مشہور ہیں۔

ترکلان بابا کے بیٹوں میں جائیداد کی تقسیم

ترکلان بابا نے جائیداد کی تقسیم میں بیٹے یوسو (عیسیٰ) کو علاقہ جندول و براول اور اسماعیل کو علاقہ میدان کے ساتھ براول پائین میں ہاتنڑ درّہ تک پہاڑی علاقے دیئے۔یعنی وادی جندول، درّہ براول اور وادی میدان ترکلان بابا کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوئے تھے۔جندول کی عیسیٰ کا حصہ مزید ترکلان بابا کے چار پوتوں۔موسیٰ خیل، شیخیل، علی بیخیل (علی بیگ خیل) اور مست خیل میں تقسیم ہوا۔وادی جندول کی یہ ترکلانی شاخیں اجتماعی طور پر عیسیٰ زئی کے نام سے مشہور ہیں۔

لے ملک تورلالی نواب کے دور میں نواب کے خلاف ایک اہم باغی سربراہ تھے۔

ترکلانی شجرہ

ترکان (ترک)

- شعیب
  - یہ قبائل لغمان اور ننگرہار کے حکمران ہیں اور وہاں آباد ہیں۔
- موسیٰ
  - محمود لوئی ماموند
    - سلارزئی
    - کاکازئی
    - اُریازئی
    - بڑوزئی
    - بہرام شاہ
    - خلوزے
    - بدل زے
  - اسماعیل
    - اکازئی
    - بوجہ
    - اطرافی
    - کالوٹ
    - کٹور
    - (محمود) (وڑوکے ماموند)
    - لوند
  - حسن
  - عیسیٰ
    - مست خیل (جندول حکمران خاندان)
    - علی بیگ خیل
    - موسیٰ خیل
    - شیخیل
    - مندے زئی
    - سینازئی
  - مدّے
    - خواجے
    - معروف
    - الیاس
  - ہارون
  - مور

اسی طرح وادی میدان اور درّہ براول کا علاقہ بھی چار شاخوں میں تقسیم ہوا۔(1) اکا خیل /اُ گو خیل (2) بوجہ خیل (3) اطرافی (4) کالوٹ خیل ۔ یہ قبائل اجتماعی طور پر اسماعیل زئی کہلاتے ہیں۔

ترکلان بابا کے باقی دو بیٹوں کو دیر اور جندول سے باہر سلارزو، مہمند، کا کازو کے علاوہ بابو کارہ، چارمنگو، شورتن اور مرواڑہ کے علاقے ملے۔ جہاں ترکلانی بڑی تعداد میں آباد ہوئے۔ اس کے علاوہ ترکلانی قبیلہ اپنی برادری گگیانی قبائل کیساتھ افغانستان میں بھی آباد ہے۔

مست علی خان بابا کی تخت نشینی

ترکلانی قبیلے میں گزشتہ دو صدیوں سے روایتی خانزم چلی آ رہی تھی (یعنی ہر بڑے گاؤں یا کئی چھوٹے گاؤں پر ایک خان کی حکمرانی ہوتی تھی) اور یہ قبیلہ دو صدیوں تک مرکزی حکمرانی سے محروم رہا۔ سترھویں صدی جب اختتام کو پہنچی تو جندول کے علاقوں میں شدید غربت کی وجہ سے ڈاکہ زنی میں بڑی تیزی آئی۔ جندول کے ایک بزرگ کے مطابق جب ہمارے اسلاف فصل تیار کرتے تو باجوڑ اور مہمند کے علاقوں سے لوگ ٹولے (ڈلہ) کی شکل میں آکر سارا اُناج بوریوں میں بند کر کے لے جاتے۔ کافی عرصے سے جندول کی تخت پر کوئی خان بھی دوسرے خان کو خان آف جندول ماننے کیلئے تیار نہ تھا لیکن اب یہ جندول کے امن و آشتی کیلئے ناگزیر تھا۔

1744ء میں صدبر کلے کے قرب و جوار میں درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں جندول کے سفید ریش بزرگوں کا ایک جرگہ جمع ہوا۔ ان عمائدین نے اس زمانے کی ایک مذہبی شخصیت مست علی خان کے ہاتھ بیعت کر کے انھیں جندول کی حکمرانی کی روایتی دستار (پگڑی) پہنائی۔ مست علی خان، جن کی پیدائش جندول کے سورہ غنڈئی وادی کے گٹکے نامی گاؤں میں ہوئی تھی، مذہبی علم حاصل کر کے انھوں نے بھی اخون دیر کی طرح پذیرائی حاصل کی۔ وہ ایک پاکدامن بیوہ کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔

مست بابا کی اعلیٰ ذہانت اور منصفانہ فیصلوں سے بہت جلد جندول ایک پر امن علاقہ بن گیا وہ مقامی جرگہ کی مدد سے فیصلے کراتا۔ ایک تناور درخت کے نیچے (ڈبہ) پر مست بابا کا وعظ سننے کیلئے روزانہ باجوڑ، دیر اور سوات سے سینکڑوں زائرین آتے تھے۔ انھوں نے ایک بڑا لنگر خانہ بھی قائم کیا جس میں دور دور سے آئے ہوئے زائرین اور عدالتی فیصلوں کیلئے آنے والے جرگوں کو فراخ دلی سے کھانا دیا جاتا تھا۔

اسی طرح وادی میدان اور درّہ براول کا علاقہ بھی چار شاخوں میں تقسیم ہوا۔(1) اکا خیل/اُکو خیل(2) بوجہ خیل(3) اطرافی(4) کالوٹ خیل۔ یہ قبائل اجتماعی طور پر اسماعیل زئی کہلاتے ہیں۔
ترکلان بابا کے باقی دو بیٹوں کو دیر اور جندول سے باہر سلارزو، مہمند، کاکازو کے علاوہ بابوکارہ، چارمنگو، شورتن اور مرواڑہ کے علاقے ملے۔ جہاں ترکلانی بڑی تعداد میں آباد ہوئے۔ اس کے علاوہ ترکلانی قبیلہ اپنی برادری گگیانی قبائل کیساتھ افغانستان میں بھی آباد ہے۔

مست علی خان بابا کی تخت نشینی

ترکلانی قبیلے میں گزشتہ دو صدیوں سے روایتی خانزم چلی آرہی تھی (یعنی ہر بڑے گاؤں یا کئی چھوٹے گاؤں پر ایک خان کی حکمرانی ہوتی تھی) اور یہ قبیلہ دو صدیوں تک مرکزی حکمرانی سے محروم رہا۔ سترھویں صدی جب اختتام کو پہنچی تو جندول کے علاقوں میں شدید غربت کی وجہ سے ڈاکہ زنی میں بڑی تیزی آئی۔ جندول کے ایک بزرگ کے مطابق جب ہمارے اسلاف فصل تیار کرتے تو باجوڑ اور مہمند کے علاقوں سے لوگ ٹولے (ڈلہ) کی شکل میں آکر سارا اَناج بوریوں میں بند کر کے لے جاتے۔ کافی عرصے سے جندول کی تخت پر کوئی خان بھی دوسرے خان کو خان آف جندول ماننے کیلئے تیار نہ تھا لیکن اب یہ جندول کے امن و آشتی کیلئے ناگزیر تھا۔

1744ء میں صدبر کلے کے قرب و جوار میں درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں جندول کے سفید ریش بزرگوں کا ایک جرگہ جمع ہوا۔ ان عمائدین نے اس زمانے کی ایک مذہبی شخصیت مست علی خان کے ہاتھ بیعت کر کے انھیں جندول کی حکمرانی کی روایتی دستار (پگڑی) پہنائی۔ مست علی خان، جن کی پیدائش جندول کے سورہ غنڈئی وادی کے گٹکے نامی گاؤں میں ہوئی تھی، مذہبی علم حاصل کر کے انھوں نے بھی اخون دیرکی طرح پذیرائی حاصل کی۔ وہ ایک پاکدامن بیوہ کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔

مست بابا کی اعلیٰ ذہانت اور منصفانہ فیصلوں سے بہت جلد جندول ایک پرامن علاقہ بن گیا وہ مقامی جرگہ کی مدد سے فیصلے کراتا۔ ایک تناور درخت کے نیچے (ڈبہ) پر مست بابا کا وعظ سننے کیلئے روزانہ باجوڑ، دیر اور سوات سے سینکڑوں زائرین آتے تھے۔ انھوں نے ایک بڑا لنگر خانہ بھی قائم کیا جس میں دور دور سے آئے ہوئے زائرین اور عدالتی فیصلوں کیلئے آنے والے جرگوں کو فراخ دلی سے کھانا دیا جاتا تھا۔

چند سالوں میں جندول کا علاقہ نہ صرف خوشحال بنا، بلکہ کابل سے سوات کوہستان اور قشقار سے پشاور تک مست بابا کا چرچا ہونے کے علاوہ جندول میں ایک مستقل حکمران خاندان کی بنیاد پڑی۔

مست بابا کی وفات

مست بابا نے 1755ء میں وفات پائی اور ان کو ان کے آبائی گاؤں قندھاری میں سپردخاک کیا گیا۔ ان کی اولاد مست بابا کے نسبت سے مست خیل کہلانے لگی۔ اس قبیلے کی آبادی آج چھ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے اور یہ قندھاری گاؤں، سورہ غنڈی، تنگی، شینہ، دامتل، کمنگرہ (جندول) میں آباد ہیں۔ اس کے علاوہ یہ قبائل نواب شاہ جہان کے دور میں ہجرت کی وجہ سے افغانستان، پشاور اور کراچی میں بھی کافی تعداد میں آباد ہوئے۔

خان ایوب خان 1755ء تا 1790ء

مست بابا کی وفات پر ان کے بیٹے قندھاری گاؤں سے باڑوہ (ثمر باغ) منتقل ہوئے۔ والد کی جگہ گدی نشین ہو کر ایوب خان نے پینتیس سال کے لمبے عرصے تک جندول کے عوام کی دینی و دنیاوی خدمت کی۔ انھوں نے رفتہ رفتہ لشکری قوت بھی تشکیل دی اور ایک مضبوط خان کے طور پر ان کا چرچا دور دور تک ہونے لگا۔ اس خان نے اپنے عہد حکومت میں باجوڑ، چترال اور سوات تک اپنا اثر ورسوخ بڑھایا۔

خان حیات اللہ خان 1790ء تا 1821ء

مست بابا کے پوتے خان حیات اللہ خان، ایوب خان کے جانشین بنے اور اکتیس سال تک باڑوہ کی خانی کی۔ انھوں نے اپنے عہد خانی میں پورے جندول کو امن اور خوشحالی کا گہوارہ بنایا۔ باڑوہ پر انھوں نے بڑی شان وشوکت سے حکومت کی اور جندول کی انتظامی تقسیم کر کے بڑے بیٹے غفار خان کو جندول بالا کے علاقے، فیض طلب خان کو جندول پائین، فیروز خان کو جان بھٹئی (براول) اور شاہ نظر خان کو میدان دامتل کی خانیاں عطا کیں۔ آخری عمر میں انھوں نے غفار خان کو اقتدار سونپ دیا تھا۔

خان عبدالغفار خان 1821ء تا 1850ء

جب دیر پر خان غزن خان کی مضبوط خانی قائم تھی تو جندول میں خان غفار خان کا طوطی بول رہا

تھا۔ خان غزن خان نے جب اپنے بیٹے اور سپہ سالار فوج خان رحمت اللہ خان کیلئے غفار خان کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو اس سے جندول کے غفار خان کی طاقت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ دیر کے حکمرانوں میں اگر غزن خان نے اپنی خانی کو بام عروج تک پہنچایا تھا تو جندول پر غزن خان کے ہم عصر غفار خان نے لمبے عرصے تک حکمرانی کی اور جندول میں ایک مضبوط خانی کی بنیاد رکھی اسلئے مست خیل خاندان میں غفار خان کا یہ دور عہد زریں کہلایا جاتا ہے۔

خان فیض طلب خان 1850ء تا 1872ء

خان غفار خان کی وفات پر ان کے بھائی فیض طلب خان (عمرا خان کے دادا) نے اپنے بھتیجے ولی عہد امانت خان (سید احمد خان کے دادا) سے اقتدار بزور چھین لیا اور کچھ عرصہ کی خانہ جنگی کے بعد آس پاس باغی خوانین پر لشکر کشی کر کے پورے جندول کو مکمل زیر اثر لے آیا۔ فیض طلب خان ایک بیدار مغز حکمران ثابت ہوا۔ جندول کو امن کا گہوارہ بنانے کے ساتھ ساتھ انھوں نے فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کے دور میں ان کے بھتیجے امانت خان نے اقتدار واپس لینے کیلئے کئی جنگیں لڑیں لیکن ناکام رہا۔

1863ء میں معرکہ امبیلہ میں فیض طلب خان نے چھ ہزار لشکر کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھرپور شرکت کی تھی جس سے اس کی لشکری قوت کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ بائیس سال تک جندول پر خانی کرنے کے بعد باڑوہ میں وفات پا گئے۔

خان امان خان 1872ء تا 1879ء

فیض طلب خان کی وفات پر امان خان والد کا جانشین بن کر سات سال تک خان جندول رہے لیکن وہ جلد ہی وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہو گئی جس کے نتیجے میں عمرا خان اور اس کا چھوٹا بھائی محمد شاہ خان بڑے بھائیوں کے ہاتھوں جلاوطن ہوئے اور جندول تینوں بھائیوں محمد زمان خان، حسن خان اور افضل خان کے درمیان تقسیم ہوا۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ فیض طلب خان نے اپنے بھتیجے ولی عہد (عبدالغفار خان کے جانشین) امانت خان سے اقتدار چھین لیا تھا، اسلئے مرحوم خان امان خان کے بیٹوں میں نااتفاقی دیکھ کر امانت خان نے جندول

کی خانی کو ایک بار پھر قبضہ میں لینے کیلئے سر اٹھایا۔

اقتدار کے حصول کیلئے نفرت کی اس دبی چنگاری کے بھڑک اٹھنے سے مست خیل کے دو بڑے خاندانوں میں نہ ختم ہونے والے اختلافات نے جنم لیا۔ یہاں سے جندول کی خانی میں دراڑیں پڑنا شروع ہوگئیں اور جندول کے حکمران خاندان (مست خیل) دیر کے حکمرانوں کے زیر اثر آئے ۔ دیکھا جائے تو یہ ان گھرانوں کی نا اتفاقی تھی کہ جندول کو آخری وقت تک دیر کے حکمرانوں نے بزور شمشیر قبضے میں رکھا۔

ازی عمرا خان (افغان نپولین) (The real Khan of Jandool)
(1880ء تا 1895ء)

186 ء میں خان امان خان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عمرا خان رکھا گیا۔ ابتداء سے خاموش
طبع یہ لڑکا مذہب سے لگاؤ رکھتا تھا۔ فارسی کی تعلیم اس نے گھر پر قاضی عبدالجلیل سے حاصل کی جبکہ قرآن
مجید کا علم حافظ عبدالمنان سے سینے میں محفوظ کیا۔ سادہ مزاج اور روشن آنکھوں والا یہ لڑکا بچپن سے اپنے
گھرانے میں ایک اہم مقام حاصل کر چکا تھا۔

عمرا خان کی جلاوطنی 1879ء

والد امان خان کی وفات پر محمد زمان خان اور عمرا خان کی اقتدار پر مشت وگریبانی رہی۔ آخر بڑے بھائی محمد
زمان نے اقتدار حاصل کر لیا اور عمرا خان اپنے نوسالہ چھوٹے بھائی محمد شاہ سمیت جندول سے نکال دیئے
گئے۔ پہلے دونوں بھائی علاقہ اتمان خیل میں ملک تورلالی (لعلی) کے ہاں پناہ گذین ہوئے اور پھر سوات
جا کر دونوں بھائیوں نے پاچی گرام کے غلام محمد خان کے ہاں چھ ماہ کا لمبا عرصہ گزارا۔

عمرا خان یہاں سے اَلہ ڈھنڈ کے پیر سید اکبر شاہ کی مجلس میں شامل ہوئے اور مرید کی حیثیت
سے 1880ء میں ان کے ساتھ حج پر گئے۔ عرب میں ان کی ملاقات تحریک مزاحمت (ولی اللہ تحریک)
کے مولانا محمود الحسن اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہوئی۔ ان کی تعلیمات نے جندول کے اس نوجوان پر
بڑا اثر کیا اور تینوں نے طے کیا کہ عمرا خان یوسفزئیوں و ترکلانیوں کا لشکر تیار کر کے انگریزوں کے خلاف
جہاد کرے گا۔ اسی طرح مکہ میں اس ملاقات نے جندول کے اس نوجوان کی زندگی کو ایک نیا رخ دیا۔

خانِ باڑوہ محمد زمان خان پر حملہ 1880ء

حج سے واپسی پر عمرا خان سوات میں مقیم رہا، ایک شام ان کا چھوٹا بھائی بیمار تھا۔ چونکہ نازک
بدن تھا اسلئے سوکھی روٹی کھانے سے اس کا منہ زخمی ہو گیا تھا۔ چھوٹے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر عمرا خان، جو
اس کے سرہانے بیٹھا تھا، نے اسی وقت اٹھ کر قسم کھائی اور اپنے بھائی خان باڑوہ کے قتل کے لئے روانہ
ہوا۔ جندول پہنچ کر عمرا خان اپنے بھائی کے نوکر کے روپ میں چارہ (ٹانٹے) لے جاتے ہوئے اندر

جانے میں کامیاب ہوا اور کئی گھنٹے محل کی دو منزلہ ڈیوڑھی میں چھپا رہا۔ بزرگ کہتے ہیں کہ انھوں نے بندوق جندول کے ایک شخص سے ادھار لی تھی۔

روایت مشہور ہے کہ اس لمحے ایک نوکرانی کسی کام سے اندر آئی چھوٹے خان کو دیکھ کر وہ چیخ مارنے کو تھی کہ عمرا خان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور ان سے اقتدار چھیننے میں کامیاب ہونے کی صورت میں کئی مراعات دینے کے وعدے کیئے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نوکرانی نے کئی گھنٹے انھیں ڈیوڑھی میں چھپائے رکھا۔ شام کو جب ان کا بھائی کڑے پہرے میں نماز سے واپس آ رہا تھا تو عمرا خان نے صحیح نشانہ بنا کر اسے قتل کر دیا۔

مقتول خان کے مسلح دستوں نے قاتل کو گھیرے میں لیا۔ اسی شور و غوغا میں عمرا خان کی ماں نکلی اور ان سپاہیوں سے، جو ڈیوڑھی کی طرف بندوقیں تانے قاتل کو پکڑنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے، یوں مخاطب ہوئی۔ ''اے جندول کے لوگوں! میری ایک آنکھ پھوٹ گئی ہے کیوں دوسری آنکھ پھوڑتے ہو، یعنی ایک بیٹا مارا گیا کیوں دوسرے کو مارتے ہو۔ ملکہ کی اس پر اثر تقریر سے مقتول خان کے سپاہی خاموش رہے اور اگلے روز عمرا خان نے باڑوہ پر اپنے خانی کا اعلان کر دیا۔

عمرا خان پر بھائیوں کا حملہ

باڑوہ کی خانی کا تاج سر پر سجانے کے بعد عمرا خان نے جندول کے سفید ریشوں کو جمع کیا۔ ان سے شرعی عدالتی نظام اور منصفانہ حکومت کے وعدے کیئے اور ان بزرگوں پر مشتمل ایک مشاورتی کونسل بنائی۔ مختصر عرصے میں منصفانہ فیصلوں اور امن قائم کرنے سے ان کی رعایا کافی مطمئن ہوگئی۔ عمرا خان کی بڑھتی مقبولیت دیکھ کر ان کے بھائی منڈا کے حسن خان اور جندول کے محمد افضل خان نے بڑے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کا بہانہ بنا کر حملے کی تیاری شروع کی۔

اگلے روز متحدہ لشکر (جس میں خانِ دیر رحمت اللہ خان کا لشکر بھی عمرا خان کے بھائیوں کی مدد کی اپیل پر شامل ہوا تھا)، نے بمقام معیار ایک خونریز جنگ کے بعد عمرا خان کو شکست سے دو چار کر دیا۔ اپنے بھائیوں پر دوبارہ حملے کیلیئے عمرا خان نے باجوڑ کے دلارم خان سے مدد مانگی۔ صدبر کلے کے مقام پر عمرا خان اور ان کے بھائیوں کے درمیان ایک اور معرکہ ہوا جس میں فتح پا کر ان کے بھائی باجوڑ کی طرف

ار ہوئے۔ بیس سالہ عمرا خان نے پے در پے حملے کر کے جندول کے اہم قلعے قبضے کر لئے۔

ندول کے خوانین کو اطاعت کا پیغام

ان فتوحات کے بعد عمرا خان نے ان خوانین کو اطاعت کا پیغام بھجوایا جو گزشتہ جنگی محاذوں پر ن کے بھائیوں کی طرفداری کرتے رہے تھے۔ اطاعت کے انکار پر عمرا خان کے لشکر نے کامبٹ، سنگ بارہ، دامتل اور جہاں کہیں جندول میں مضبوط خانی تھی پر چڑھائی کی۔ اپنے چھوٹے بھائی محمد شاہ خان کو ن علاقوں کا خان مقرر کر کے عمرا خان اب پورے جندول کا طاقت ور خان بن گیا تھا۔

انگریزوں سے دوستی

جندول میں جہاں کہیں مضبوط خانی تھی عمرا خان اس خان کو تابع کر کے وہاں قلعہ بنا کر اس کے تحویل میں دیتا اور ساتھ اپنا لشکر ٹھہراتا۔ اس طرح پورے جندول پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی۔ اس کے بعد عمرا خان نے اپنی اس چھوٹی سی سلطنت میں قانون سازی، سرکاری فوج کی تشکیل، قلعوں کی تعمیر اور چند دوسری اصلاحات پر توجہ دی۔

جندول کے ہر تحصیل کو تحصیلدار کے ہاتھ میں دے کر عمرا خان خود باڑوہ قصبہ کو دارالحکومت بنا کر تخت نشین ہوئے۔ انھوں نے پشاور کمشنر کے ہاں اپنا ایک وفد بھیج کر انگریزوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ یاد رہے کہ 1863ء میں بونیر میں امبیلہ کے مقام پر انگریزوں کے خلاف دیر، جندول، سوات، باجوڑ اور چترال کے حکمرانوں نے ایک معرکے میں شرکت کی تھی۔ عمرا خان ان علاقوں کے حکمرانوں میں پہلے حاکم تھے جنھوں نے انگریزوں سے سفارتی تعلقات قائم کیے۔ عمرا خان کا اس دوستی سے مقصد اپنی فوجی و معاشی طاقت کو تیزی سے بڑھانا تھا۔

اسی اقدام کا گرمجوشی سے جواب دیتے ہوئے برطانوی حکومت نے جندول کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔ اس دوستی میں جندول اور دہلی کے مابین تجارت، جنگلات کے کٹائی کے علاوہ دیر تا چترال سڑک پر انگریزوں کی نقل و حمل کے لئے کئی معاہدے ہوئے۔ انگریزوں سے تعلقات کی شروعات جہاں عمرا خان کیلئے ایک بڑی کامیابی تھی وہاں انگریزوں کو بھی افغان انڈیا سرحد پر واقع جندول میں عمرا خان جیسے مضبوط خان کی دوستی سے کافی فوائد ملے۔

ریاست دیر اور جندول کے حدود

1540ء سے ترکلانی اور ملیزی قبائل کے درمیان درّہ براول میں سندراول گاؤں کے نزدیک انگور تنگ، وادی میدان میں ڈم کٹہ قبرستان اور جندول میں کوٹکی پایہ خیل (غوبانہ) کو سرحد رکھا گیا تھا۔ جب خان قاسم خان نے دیر کی سلطنت کو وسعت دینی شروع کی تو براول اور میدان وادی کو انھوں 1816ء کے لگ بھگ جندول سے کاٹ کر ریاست دیر میں شامل کرلیا۔ 1882ء میں عمرا خان جندول کے پہلے حکمران تھے جنھوں نے ملیزی حکمرانوں سے ترکلانی جائیداد واپس لینے کیلئے تلوار اٹھانے کا فیصلہ کیا۔

ریاست دیر پر جندول خان کا پہلا حملہ 1882ء

1882ء میں خان دیر رحمت اللہ خان نے اپنے بیٹے خان شریف خان کو جلاوطن کر دیا۔ وہ سیدھا جندول آیا اور عمرا خان سے اپنے والد کے خلاف لشکری قوت مانگی۔ خان دیر نے دوسال پہلے صدبر کلے کی جنگ میں عمرا خان کے خلاف ان کے بھائیوں کی مدد کی تھی اس لئے موقع ضائع کئے بغیر جندول کے خان نے اس باغی نوجوان کو لشکری قوت دینے کی ہامی بھر لی۔ کچھ عرصہ بعد خان شریف خان اور عمرا خان کے چچازاد بھائی عبدالماجد کی سپہ سالاری میں جندول کے ایک بڑی لشکر نے ملالہ، خزانہ اور روئی کے قلعوں پر حملہ کر کے یہ قلعے دیر کے خان سے قبضے میں لے لئے۔ خبر پا کر خانِ دیر نے دوبارہ انہی مقامات پر واپس یورش کی مگر ناکام رہے۔

ریاست دیر پر اس حملے کی وجہ سے عمرا خان کے چچازاد بھائی سید احمد خان جو شاہی قلعے پر صوبیدار تھے، نے سخت برہمی کا ظہار کیا۔ یاد رہے کہ خانِ دیر رحمت اللہ خان سید احمد خان کا بہنوئی تھا۔ جب عمرا خان نے انہیں معزول کر کے جندول چھوڑنے کا حکم دیا تو وہ دیر خان کے پاس آ گئے۔

ریاست دیر پر دوسرا حملہ 1883ء (جنگ تالاش)

1877ء تک سیدو باباؒ سوات پر گدی نشین رہے۔ اس دوران دیر کے حکمرانوں نے سوات کے ساتھ کوئی جنگ نہیں لڑی۔ سیدو باباؒ کی وفات پر بڑا بیٹا میاں گل عبدالحنان اقتدار کیلئے سرگرم ہوا۔ سوات کے مقبوضہ علاقوں کو دیر سے آزاد کرنے کے سلسلے میں اس نے دیر کے خان پر دو ناکام حملے کئے۔

1883ء کے آوائل میں میاں گل عبدالحنان جندول آیا اور دیر کے خان کے خلاف عمرا خان سے لشکری قوت مانگی۔ دوستی کی رسومات پوری ہوکر میاں گل واپس سوات پہنچے، چند روز بعد لشکر تیار کرکے میاں گل عبدالحنان سوات سے ایک لشکر کو لے کر ادین زئی آ پہنچے۔ جندول کا لشکر بھی حسب وعدہ ادین زئی کی طرف بڑھا اور خان دیر کے قلعوں پر جندول اور سوات کے لشکروں نے ملکر دھاوا بول دیا۔ اس ناگہانی حملے میں خان دیر کا لشکر پسپا ہوا لیکن اگلے روز مزید کمک بھیج کر دیر لشکر نے انہی قلعوں کا دوبارہ محاصرہ کرلیا۔ سواتی لشکر کو مصیبت میں دیکھ کر عمرا خان خود تازہ دم لشکر کے ساتھ ادین زئی پہنچے، خانِ دیر وہاں بھر پوری تیاری کے ساتھ موجود تھا اسلئے تالاش میں دونوں اطراف سے ایک بڑی جنگ چھڑ گئی۔ اس محاذ پر عمرا خان شدید زخمی ہوئے۔ جندولی فوج کے سپہ سالار عبدالغنی کی بہادری کی بدولت جندول کے لشکر نے دیر کے لشکر کو روکے رکھا اور زخمی عمرا خان کو چند سپاہی اٹھا کر پہاڑی پر لے جانے میں کامیاب ہوگئے۔

عمرا خان اوچ کے پہاڑوں سے ہوکر لڑم غر (بچھو پہاڑی) پر چڑھے۔ جندول کو پیغام بھیج کر جب ان کا بھائی محمد شاہ خان ایک دوسرا لشکر لایا تو عمرا خان شکست خوردہ لشکر سمیت اس پہاڑ سے اترے اور دیر قلعوں پر دوبارہ زوردار حملہ کیا گیا۔ خانِ دیر کے سپاہیوں نے اس محاذ پر ایک بار پھر بڑی بہادری دکھائی لیکن جندول کے لشکر نے اس بار خان دیر کو شکست دے کر یہ علاقہ قبضہ کرلیا اور سوات کی طرف بھی پیش قدمی کرکے ایک ایک قلعے سے دیر کے سپاہیوں کو نکال باہر کیا۔ جندولی لشکر نے ان مفتوحہ علاقوں میں نہ صرف مضبوط قلعوں کی تعمیر پر تیزی سے کام شروع کیا، بلکہ عمرا خان نے خان دیر کے شب خون کے ڈر سے ہر قلعے میں کافی لشکر ٹھہرایا۔

ریاست دیر پر تیسرا حملہ 1883ء (وادی میدان پر چڑھائی)

اب یہاں ضروری ہے کہ وادی میدان کے بانڈئی گاؤں کے خوانین کی تاریخی پہلو کا ذکر کیا جائے۔ وادی میدان کا یہ گھرانہ (خان کورنئ) پرانے زمانے سے وادی میدان پر حکمران چلا آرہا تھا اگرچہ میدان میں جگہ جگہ اور بھی خان گھرانے موجود ہے اور وادی میدان کی جائیداد، ملک گھرانوں کے علاوہ ان میں بٹی ہوئی ہے لیکن بانڈئی خوانین اور ان کے آباؤ اجداد کی تاریخ میں اتنی اہمیت ہے جتنی [illegible] مست خیل خاندان کی یا دیر میں اخون خیل (شاہی خاندان) کی۔

جنگ تالاش کے تین ماہ بعد عمرا خان نے گوڑ خان سے ساز باز کی۔ چند روز بعد جندول کی لشکر نے مغربی جانب سے سرلڑہ پاس سے ہوتے ہوئے وادی میدان میں ''گوڑ گاؤں'' پر حملہ کر دیا۔ اس زمانے میں سردار خان (بانڈئی خان) میدان کا حکمران اور خان دیر کا ماتحت تھا۔ اس خان نے معمولی جھڑپ کے بعد مقامی قلعہ کو جندولی لشکر کے قبضہ میں دے دیا۔ دیر کے خان نے خبر پاکر شمال میں ''کلپانڑئی سر'' کی جانب سے فوج روانہ کی اور اسی رات کو جندولی لشکر پر اچانک حملہ کر دیا، اس شب خون کے دوران وادی میدان کے عوام نے بانڈئی خان کے آواز پر لبیک کہا اور حملے میں بھرپور حصہ لیا۔ اس حملے میں جندول کی فوج کافی جانی نقصان اٹھانے کے بعد سرلڑہ پاس سے ہوکر جندول کی طرف پسپا ہوئی

-

میدان کی شکست کے بعد عمرا خان آٹھ ماہ تک جندول میں رہا اور کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا اسی سال خان محمد شریف خان نے جب کوٹکی، خزانہ اور ولئی کے علاقے (جو انھوں نے جندولی لشکر کی مدد سے اپنے والد خان دیر سے قبضہ کئے تھے) کا عمرا خان سے مطالبہ کیا تو جندول کے خان عمرا خان نے نہ صرف اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا بلکہ خان شریف خان کو جندول سے بے دخل کر دیا۔

ریاست دیر پر چوتھا حملہ (جنگ شنجادئی 1883ء)

وادی میدان پر قبضے میں ناکام ہونے کے بعد عمرا خان نے اس دفعہ دوسری طرف ولئی کنڈاؤ سے لشکر لاکر بلامبٹ قلعہ پر حملہ کیا۔ یہاں جندولی لشکر کو بھرپور مزاحمت کی توقع تھی لیکن معمولی جھڑپ کے بعد دیروی لشکر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فاتح لشکر نے بلامبٹ قلعہ میں رات گزاری اور اگلے روز جندول کا ساڑھے تین ہزار کا لشکر پیدل کہنہ ڈھیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس پیش قدمی کی خبر پاتے ہی خان دیر رحمت اللہ خان نے شنجادئی قلعہ کے دفاع کیلئے چھ سو سپاہی روانہ کئے۔ میدان کے سردار خان (بانڈئی خان) پہلے سے یہاں ایک بڑے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ اگلے روز عمرا خان نے شہزادی کے مرکزی قلعے پر دھاوا بولنا تھا۔ اسی شام میاں گل عبدالحنان جندول لشکر میں شامل ہونے کیلئے سوات کے ایک بڑے لشکر سمیت کہنہ ڈھیر پڑاؤ پر پہنچا۔

اگلی صبح عمرا خان کے لشکر نے قلعے پر حملہ کر دیا۔ خانِ دیر برابر ڈٹا رہا۔ یہ تالاش کی لڑائی کے بعد

ایک اور بڑی جنگ تھی جو معرکہ شہزادی (جنگ شجادئی) کے نام سے مشہور ہوا۔ایک خونریز تصادم کے بعد عمراخان نے اس محاذ پر فتح پائی اور رات گزارنے خیمہ گاؤں لوٹ گیا لیکن رات کو دیر خان کے لشکر نے شب خون مار کر یہ قلعہ واپس اپنے قبضے میں لے لیا۔

خان دیر اور میاں گل عبدالحنان کا عمراخان کے خلاف اتحاد 1884ء

دیر کے جنگجو خان رحمت اللہ خان نے عمراخان کو تالاش کی پہلی لڑائی میں شکست دے کر زخمی کر دیا تھا۔اس خان کی کمان میں عمراخان وادی میدان کو قبضہ کرنے میں ناکام ہوا تھا اور اب شہزادی قلعہ ایک بار پھر جندولی لشکر کے ہاتھ سے نکل گیا۔عمراخان جو قلعہ فتح کرتا خان دیر دوبارہ شب خون مار کر جندول کے لشکر کو کافی نقصان دے کر اپنا قلعہ واپس لے لیتا۔ایک طرف خان دیر کے ان حربوں سے عمراخان کی فوجی قوت پر بڑا اثر پڑا،تو دوسری طرف جندول میں بھی برادری خانہ جنگی نے زور پکڑ رکھا تھا، کیونکہ خان دیر کا سالا سید احمد خان،عمراخان کے خلاف سازشوں اور حربوں میں مصروف تھا۔ان حالات میں عمراخان نے خان دیر کو ولئی کنڈاؤ کو دیر اور جندول کے مابین سرحد بنانے کی پیشکش کی لیکن دیر خان نے صاف انکار کیا۔

میاں گل عبدالحنان ایک بار پھر جندول آئے اور عمراخان کو تالاش،ادین زئی اور شموزئی کے علاقے حوالہ کرنے کی درخواست کی ۔میاں گل کیلئے سوات کے یہ علاقے چونکہ جندولی لشکر نے دیر کے خان سے قبضہ کئے تھے جسمیں جندول لشکر کو بھاری جانی نقصان بھی ہوا تھا۔لہٰذا جندول خان نے یہ علاقے سوات میں شامل کرنے سے انکار کر دیا۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ عمراخان نے خان محمد شریف خان اور میاں گل عبدالحنان کی [illegible]ن کے علاقوں پر حملے کر کے خان دیر سے آزاد کرائے ۔ پھر جب ان دونوں نے ان مفتوحہ [illegible]یں حصہ مانگا تو عمراخان نے انھیں صاف انکار کر دیا۔اس طرح کا کھیل عمراخان نے بعد میں [illegible]شریف خان کے بھائی پناہ کوٹ خان اور چترالی شہزادے امیر الملک سے بھی کھیلا تھا۔

عمراخان اگرچہ ایک اسلام پسند اور شرعی اصولوں کے پابند حکمران بتائے جاتے ہیں ۔ان [illegible]ں سے یہ حربے استعمال کرنے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ عمراخان ایک ریاست تشکیل دینا چاہتے تھے

۔یہ لوگ انھیں قائد ماننے کیلئے تیار نہ تھے لہٰذا وہ آس پاس کے علاقوں سے روایتی حکمرانوں کا خاتمہ چاہتا
تھا جو اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے۔

عمرا خان کے اس انکار پر مایوس لوٹ کر میاں گل عبدالحنان دیر خان کے پاس پہنچا۔ایک ملاقات میں
سمجھوتہ ہوا کہ دیر اور سوات کا لشکر مل کر ادین زئی میں جندول لشکر پر حملہ کریگا اور یوں چند روز بعد دونوں
اطراف سے ان علاقوں پر (سوات سے جنوباً اور دیر سے شمالاً) زبردست حملہ ہوا جس میں شوہ، تیندو
ڈاگ اور ادین زئی تک علاقے واپس لے کر جندولی لشکر کو مکمل شکست دی گئی۔

خبر پا کر عمرا خان جندول سے تین سو گھڑ سواروں کے تازہ دم لشکر سمیت دریائے پنجکوڑہ سے ہو کر شکست
خوردہ فوج کی مدد کو پہنچا۔اس بار ایک اور معرکہ کے بعد فتح پا کر میاں گل عبدالحنان کو سوات کے چیدہ چیدہ
خوانین سمیت گرفتار کر کے جندول لایا۔یہ علاقے دوبارہ فتح کر کے عمرا خان نے ادین زئی، شموزئی میں
قلعوں کی تعداد بڑھائی اور دفاع کو مضبوط اور ناقابل تسخیر بنانے کیلئے مزید لشکر ٹھہرایا۔

آدھی ریاست دیر پر عمرا خان کا قبضہ 1884ء

جب ادین زئی میں سوات اور دیر کا لشکر جندولی لشکر سے نبرد آزما تھا تو خان دیر اچانک آدھے لشکر کو لے کر
شہزادی قلعہ پر حملہ آور ہوا، جہاں اس نے عمرا خان کے معمولی لشکر سے با آسانی سے یہ قلعہ خالی
کرا لیا۔شہزادی قلعہ سے دیر کے فاتح لشکر نے تین کلومیٹر جنوب میں کہنہ ڈھیر قلعے کو بھی فتح کیا اور بلامبٹ
قلعہ میں بھی جندول کی فوج سلطان خیل اور پائندہ خیل قبائل کی یلغار کے سامنے ٹھہر نہ سکی۔

بلامبٹ قلعہ پر فتح پا کر دیر کے لشکر نے جندول کے لشکر کا تعاقب کر کے ولئی کنڈاؤ تک پسپا
کر دیا۔ادین زئی کی فتح کے بعد عمرا خان نے فاتح لشکر کے کچھ حصے کے ساتھ بمقام خزانہ دریائے
پنجکوڑہ پار کیا۔جب عمرا خان شکست خوردہ لشکر کے پاس پہنچا اور ایک پر جوش تقریر کی جس نے مایوس لشکر
میں جان ڈال دی۔اگلی صبح جندول کے لشکر نے جوابی طور پر بھرپور حملہ کر کے اس بار نہ صرف بلامبٹ اور
کہنہ ڈھیر قلعوں کو قبضہ کیا، بلکہ ناقابل شکست فتوحات کا سلسلہ جاری رکھ کر شہزادی قلعہ بھی واپس لے
لیا۔یہاں عمرا خان نے ملک تورلعلی (خانِ شہزادی گاؤں) کو ان علاقوں کا کمانڈر مقرر کیا۔اگلے چند روز
عمرا خان کے پے در پے حملوں سے تیمرگرہ اور رباط قلعے بھی دیر کے خان سے پہلی مرتبہ چھین لئے گئے۔اس

طرح ادین زئی سے تیمر گرہ اور دوسری جانب ولئی کنڈاؤ تا شہزادی بارون دریائے پنجکوڑہ کے دونوں جانب "سینڈ" کے علاقے جو قریباً آدھی ریاست دیر کے برابر تھے، بزور شمشیر جندول میں شامل کئے گئے۔

وادی میدان کا سلطنت جندول سے الحاق

اِسی سال عمرا خان نے ایک معاہدے کے تحت سردار خان (بانڈئی خان) کو میدان کا حاکم تسلیم کر کے میدان وادی کو سلطنت جندول کا حصہ بنالیا۔ میدان خان کے جندول سے اتحاد کے بعد خان دیر کی عسکری قوت کمزور ہوئی۔ یہاں عمرا خان کی عقلمندی اور اچھی سفارتکاری دیکھی جاسکتی ہے کیونکہ انہیں دیر و میدان کو متحدہ شکست دینا مشکل تھا۔ اب جب میاں گل عبدالحنان بھی خان دیر کے اتحادی بنے تو انھوں نے میدان کے سردار خان کو اپنا طرف دار بنا کر طاقت کا توازن برابر کر دیا۔ کچھ دنوں بعد سوات کا ایک جرگہ جندول آیا اور عمرا خان سے میاں گل عبدالحنان کو رہا کرنے کی درخواست کی۔ عمرا خان نے چند شرائط پر میاں گل کو اس جرگہ کے حوالہ کیا اور وہ سوات واپس لوٹ گئے۔

خان محمد شریف خان کا نوابی سے پہلے خانی کا دور اقتدار 1884ء تا 1890ء

1884ء میں خان دیر رحمت اللہ خان وفات پاگئے تو شرینگل میں مقیم ان کے بیٹے خان شریف خان نے اقتدار پر قبضہ جمالیا۔ نئے خان پر ان کے نو بھائی برابر دباؤ ڈال رہے تھے کہ عمرا خان سے مقبوضہ علاقے خالی کرائے تب اسے خان تسلیم کیا جائے گا۔ ایک طرف اگر عمرا خان کی طاقت میدان خان کے معاہدے سے دگنی ہو چکی تھی تو دوسری طرف نئے خان کیلئے مشکلات اپنے گھر میں اپنے بھائیوں کی وجہ سے سخت مشکلات کا سامنا تھا، جس کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگانا مشکل نہیں کہ ایک رات کو خان محمد شریف خان پر ان کے ایک بھائی جمروز خان اور بھتیجے نے قاتلانہ حملہ کیا لیکن خان کے محافظ دستوں کی جوابی فائرنگ سے حملہ آور موقع پر ہلاک ہو گئے۔

اندرونی مشکلات کو دیکھ کر نئے خان نے عمرا خان کے پاس ایک وفد بھیجا اور انہیں ولئی کنڈاؤ کو دیرا اور جندول سرحد بنانے کی پیشکش کی جسے قبول کرنے کی بجائے دیر خان کو اطاعت کا پیغام بھیجا گیا جس پر [illegible] نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔

محمد شریف خا[illegible] 189[illegible]ء دیر کے خان رہے اور 1895ء تا 1904ء نواب دیر۔

ریاست دیر پر پانچواں حملہ (عمرا خان کو بارون میں شکست 1888ء)

جب دیر کے خان محمد شریف خان نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا تو عمرا خان نے چار ہزار لشکر لے
کر رباط قلعہ پر دھاوا بول کر یہاں سے خان دیر کی حکومت ختم کرنے کی شروعات کیں۔ جندولی لشکر کے
دیر پر قبضے کی مہم کے دوران بارون گاؤں تک جگہ جگہ جھڑپیں ہوئیں۔

بمقام بارون دیروی لشکر کے سپہ سالار ملک پام جان کے ہمراہ خان دیر کے لشکر کے علاوہ
سلطان خیل اور پائندہ خیل بھی اس محاذ پر ان کے ساتھ سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے تھے۔ اس محاذ
پر جندولی لشکر کی تعداد چار ہزار، جبکہ خان دیر کا لشکر سات ہزار کے لگ بھگ تھا۔ عمرا خان کو چونکہ دفاعی
خطرات اور بغاوت کا خدشہ زیادہ تھا اسلئے ان کی بیشتر فوج قلعوں پر تعینات تھی جبکہ خان دیر کو بارون تا
بیبیوڑ سلطان خیل، پائندہ خیل کی موجودگی میں کوئی قلعہ یا دفاعی فوج رکھنے کی ضرورت نہ تھی شاید یہی وجہ
تھی کہ عمرا خان دیر خان کے برابر تعداد کی فوج نہیں لایا تھا۔

خان محمد شریف خان چونکہ عمرا خان کے ساتھ جندول میں کافی عرصہ گزار چکا تھا اسلئے انہیں
کمزور سمجھا مگر اس قلیل لشکر کی مدد سے پورے دیر پر قبضہ جمانا عمرا خان کی بھول تھی۔ ملک پام جان کی
سپہ سالاری میں اس محاذ پر دونوں اطراف سے سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں۔ عمرا خان کو اس محاذ پر مکمل
شکست سے دوچار کر دیا گیا یہاں تک کہ ان سے ان کی ذاتی بندوق بھی چھین لی گئی۔ یہ شکست کھا کر
عمرا خان تین سال تک جندول میں رہا اور انتظامی امور پر توجہ دیتا رہا۔ 1887ء میں خان دیر کے اتحادی
میاں گل عبدالحنان بھی وفات پا گئے جس سے سوات کی آزادی کی تحریک دم توڑ گئی۔

خان ناواگئی کی عمرا خان کو واضح شکست 1888ء

ناواگئی کے خان صفدر خان اور باجوڑ کے ایک علاقے پشد کے خان سمیع اللہ خان کے مابین کسی
مسئلے پر لڑائی ہوئی۔ ناواگئی خان جو ایک بڑے خان تھے، نے پشد خان پر حملہ کر کے نہ صرف ان کی
جائیداد پر قبضہ کیا بلکہ انھیں اپنے آبائی گاؤں پشد سے بے دخل کر دیا۔ یہ خان سیدھا عمرا خان کے پاس
پہنچا اور ان سے ناواگئی کے خان کے خلاف شکایت کی۔ عمرا خان نے اس کو صدر بر کلے نامی گاؤں میں
ٹھہرایا۔

کچھ عرصہ بعد اس خان کے معاملے پر جندول اور ناواگئی کے اختلافات نے شدت اختیار کی
عمرا خان نے لشکر لے کر باجوڑ پر حملہ کیا۔ راغہ کے میدان جنگ میں دونوں طرف سے ڈیڑھ سو کے لگ
بھگ قبائلی مارے گئے۔ اس جنگ کا اہم واقعہ عمرا خان کی فوج کے ایک نامور سپہ سالار سیف اللہ خان، جو
جندولی لشکر کی کمان کر رہا تھا، کی موت تھی۔ اس جنگ میں ناواگئی لشکر نے نہ صرف جندولی لشکر کو مکمل
شکست سے دوچار کیا بلکہ جندول کے لشکر کو جندول کے دروازے میاں کلی تک بھگایا گیا۔ (میاں کلے دیر
کا دو ہزار سالہ پرانا قدیم تجارتی گاؤں ہے)۔ جب عمرا خان کو اپنے لشکر کی اس شرمناک پسپائی کی خبر ملی تو
انھوں نے اس وقت خان ناواگئی کے بارے میں جو الفاظ کہے وہ ایک کہاوت (متل) بن گئی۔

خود میاں کلی جینئی بہ نہ وی ولاڑی۔   وَ بہ دی وھم وَ بہ دی وھم،

یعنی اے ناواگئی خان! شکست تو میں تمہیں ضرور دوں گا لیکن میاں کلی گاؤں کی لڑکیوں نے میری شکست
خوردہ فوج کا جو تماشہ دیکھا، افسوس یہ تماشہ وہ تمہارے لشکر کا نہ دیکھ سکیں گی۔

خان دیر کا جندول پر حملہ

جب عمرا خان نے باجوڑ پر حملہ کیا تو ناواگئی خان کے حربے کے طور پر دیروی لشکر نے شہزادی
قلعہ پر حملہ کر دیا۔ شہزادی قلعہ آسانی سے فتح ہوا، جہاں جندولی لشکر کم تعداد میں مقیم تھا بلکہ بلامبٹ قلعہ کو
بھی جندولی لشکر سے خالی کرا لیا۔ جندول کے لشکر کا تعاقب کر کے دیر لشکر خزانہ گاؤں سے بڑھتے ہوئے
جب کوٹکی پایہ خیل پہنچا تو خبر پا کر عمرا خان خود میدان جنگ میں آنکلا۔ معمولی خون خرابے کے بعد نہ صرف
دیر کے لشکر کی مزید پیش قدمی روک دی گئی بلکہ یہاں سے اب دیر لشکر کی پسپائی شروع ہوئی۔ عمرا خان کے
سپہ سالار ملک تورلعلی نے اس مہم کے دوران اتمان خیل کے علاقے کہلالہ، متکو سے بانڈہ گئی تک علاقے
بھی قبضہ کر لئے۔ اس طرح آدھے اتمان خیل کے علاقے عمرا خان کے زیر اثر آ گئے۔

عمرا خان کا ناواگئی خان پر دوبارہ حملہ

دیر کے علاقوں تک دوبارہ گھس کر عمرا خان نے چند روز بعد ناواگئی خان پر ایک دفعہ پھر حملہ کیا۔ اس بار
لشکر نے بھرپور تیاری کی تھی۔ ناواگئی خان نے اس بار بھی جندولی لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن
لشکر نے آخر کار ناواگئی خان کو ایک خونریز لڑائی کے بعد شکست سے دوچار کر دیا اور باجوڑ کے کئی

علاقے سلطنت جندول میں شامل کر لیے۔ پہلی جنگ میں عمرا خان کا سپہ سالار سیف اللہ خان مارا گیا تھا جبکہ اس دفعہ خان ناواگئی کا بھائی جو اس جنگ میں ناواگئی لشکر کا سپہ سالار تھا مارا گیا۔

اگر تاریخ کے اوراق کو بغور دیکھا جائے تو یہی جنگ تھی جس نے جندول اور ناواگئی کے درمیان شدید نفرت کو جنم دیا تھا اور اس جنگ کے بعد ناواگئی اور جندول کے راستے ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ 1895ء میں جب انگریزی فوج عمرا خان کے خلاف صف آرا ہو رہی تھی، تو اس جنگ میں ناواگئی خان نے انگریزوں کی مدد کیلئے ایک بڑا لشکر بھیجا تھا۔ سلطنت جندول کے زوال کے بعد عمرا خان کا بیٹا عبدالمتین خان بھی جندول کو آزاد کرنے میں اس لئے ناکام رہا کہ انھیں ناواگئی سے پرانے تعلقات کی خرابی کی وجہ سے نواب دیر کے خلاف لشکری قوت نہیں مل رہی تھی۔

خان دیر پر ایک بڑے حملے کی منصوبہ بندی

ناواگئی جنگ کے گیارہ ماہ بعد 1889ء میں خان دیر خان محمد شریف خان نے عمرا خان کو ان کے غدار ملازمین کے ذریعے زہر دینے کی ناکام کوشش کی۔ عمرا خان نے، جو پہلے سے خان دیر کی سازشوں سے پریشان تھا، پورے دیر پر قبضہ کرنے کیلئے سلطان خیل اور پائندہ خیل کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ان کے سرداروں کیساتھ کامیابی سے کئی جرگے کئے۔ خال کے ''کوکرہ اخونزادہ'' جو سلطان خیل قوم کے سردار اور خان دیر کے مخالف تھے، نے اس بار جندول خان کو اپنے قبیلے کی بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

دیر پر قبضہ کرنے سے پہلے عمرا خان نے خان دیر کے خاندان میں بھی پھوٹ ڈالنے کی کامیاب مہم چلائی تھی۔ 1980ء میں ایک سیاح مسعود سلطان نے وادی کیلاش پر ایک سفر نامہ تحریر کیا۔ یہ سیاح دیر سے چترال جاتے ہوئے دیر کے چوتھے نواب محمد شاہ خسرو سے بھی ملا۔ عمرا خان کے دیر قبضہ کرنے کے متعلق معلومات دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ 'بقول محمد شاہ خسرو'' دیر پر قبضہ جمانے کے لئے عمرا خان نے خان محمد شریف خان کے ایک بھائی اشرف خان جو پناہ کوٹ خان کے نام سے مشہور تھا، سے ساز باز کی اور یوں نہ صرف عمرا خان کو حملے کا ایک بہانہ بنا بلکہ انھیں دیر میں بھی کافی لشکری قوت مل گئی''۔ اس کتاب کے حوالے سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ عمرا خان نے پناہ کوٹ خان کی مدد سے دیر قبضہ کرنے کی

[1] سفر نامہ گوشۂ وطن بریں (مسعود سلطان) صفحہ ۱۲۰

صورت میں دیر اقتدار اسے دینے کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن بعد میں عمرا خان اپنے وعدے سے مکر گئے۔
یاد رہے کہ اس حملے سے چند ماہ پہلے عمرا خان ریاست چترال کے مہتر امان الملک کے داماد بن چکے تھے۔
اس شادی کا مقصد شاید یہ تھا کہ دیر پر حملے کے دوران خان دیر کو چترال سے مدد نہ مل سکے۔ اس رشتے کا
سن کر خان دیر نے برہم ہو کر چترال پر حملہ کیا، خبر پا کر جندولی لشکر نے خان دیر کو لواری سے اس طرف
واپس دھکیل دیا لیکن 1890ء میں دیر پر حملے کیلئے جب عمرا خان نے اپنے سسر سے لشکری قوت مانگی تو
مہتر نے معذرت کی شاید اسلیئے کہ دیر اور چترال کے حکمرانوں کے بھی آپس میں کئی رشتے تھے۔

ریاست دیر پر چھٹا حملہ (ریاست دیر کا سلطنت جندول میں ادغام)

1890ء کی ابتدائی اَیام میں عمرا خان نے خان محمد شریف خان پر دو طرفہ حملہ کیلئے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ عمرا خان اور میدان کے سردار خان چار ہزار لشکر کیساتھ جندول سے شاہی پاس کے راستے درّہ براول میں اترے۔ اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں خان دیر کے ایک ایک قلعہ میں دو دو سو سپاہی دریا کے آگے ریت کا بند باندھنے کے مترادف تھے۔ عمرا خان نے براول درّہ میں کامبٹ سے چکیاتن تک سب قلعوں پر قبضہ کر کے ادھر پڑاؤ ڈالا۔ دوسری طرف جندول کا تین ہزار لشکر محمد شاہ خان کی کمان میں ولئی کنڈاو کے راستے دیر پر حملہ آور ہو کر شجادئی قلعے پہنچا۔ جہاں دیر خان کے چھ سو سپاہی ہزاروں کے لشکر کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔

محمد شاہ خان نے شجادئی سے آگے بڑھتے ہوئے قلعہ بارون میں مَلِک پام جان کو بھی شکست دی اور ان سے عمرا خان کی چھینی ہوئی بندوق واپس لے لی۔ جندولی لشکر نے بارون سے بیبیوڑ تک سلطان خیل و پائندہ خیل قبائل کے درّوں سے ہو کر بغیر کسی جھڑپ کے فاتحانہ انداز میں پیش قدمی کی۔ عمرا خان نے ان قبائل کے سرداروں کو اعتماد میں لیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید محمد شاہ خان اس بار بھی ان جنگجو قبائل کے ہاتھوں مشکل میں پڑ سکتا تھا۔

بیبیوڑ قلعہ میں خان دیر کے بھائیوں امیر محمد خان، حیات اللہ خان اور شیر محمد خان نے جندول کے لشکر کا راستہ روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن محمد شاہ خان نے انھیں بھی شکست سے دوچار کیا۔ ان کے حکم پر خان دیر کے بھائیوں کو گرفتار کر کے جندول روانہ کیا گیا۔ بمقام چکیاتن عمرا خان اپنے بھائی کے انتظار

فاتح لشکروں نے ملکر دیر کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ جیسا کہ پہلے ذ
میں بے چین تھا، جہاں دونوں فاتح لشکروں نے ملکر دیر کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ جیسا کہ پہلے ذ
ہوا ہے کہ عمرا خان نے خان دیر کے ایک بھائی پناہ کوٹ خان کو ورغلایا تھا اسلئے وہ بھی ایک لشکر لے
عمرا خان سے چکیا تن میں ملا۔

دیر کے قلعہ میں خان دیر خان محمد شریف خان نے بھر پور مزاحمت کی کوشش کی لیکن جندول لشکر
کی یلغار کے سامنے اور عمرا خان کے جنگی حربوں کی وجہ سے بے بس ہو کر شام کو بال بچوں سمیت
نہاگ درّہ روانہ ہوئے۔ اس قافلہ میں خان دیر کے تیرہ سالہ بیٹے ولی عہد محمد اورنگزیب کے علاوہ
سید احمد خان، جان بھٹی (غیرت خان)، خان رباط (خان جان خان)، رانی خان (سردار خان) سمیت
مختلف علاقوں کے خوانین اور وفادار شامل تھے۔ دیر کی فتح کے بعد عمرا خان شاہی پہاڑی سے واپس
جندول لوٹا اور چھوٹے بھائی محمد شاہ خان کو دیر کا گورنر مقرر کیا۔ چند دن بعد خان دیر کو اپنی حکومت کے
خلاف سازشوں میں مصروف پا کر محمد شاہ خان نے انھیں دیر سے نکلنے کا حکم دیا۔ نہاگ درّہ کے پہاڑی
راستے سے ہو کر دیر کے خان سوات کے خان چھم نامی گاؤں میں ملک تاج الرحمٰن کے ہاں جا کر رہائش
پذیر ہوئے۔

امیر عبدالرحمٰن کی خانِ دیر کو معذرت

1891ء میں معزول خان محمد شریف خان، میدان بانڈئی کے حاجی خان المعروف (قشقار
خان) دوکڑئی اور ادین زئی کے خوانین، لرجم برجم اور کوہستان عمائدین کے چالیس قبائیلی سرداروں کے
ہمراہ، عمرا خان کے خلاف شکایت کرنے امیر عبدالرحمٰن کے ہاں افغانستان چلے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب
ایک طرف انگریزوں اور عمرا خان کی پکی دوستی تھی تو دوسری طرف امیر عبدالرحمٰن عمرا خان کی بہن کا
سسر بھی تھا۔ عمرا خان سے رشتہ داری اور انگریزوں سے دوستی کی وجہ سے امیر افغانستان نے خان دیر کو مدد
دینے سے معذرت کرتے ہوئے انھیں قیمتی تحائف کے ساتھ رخصت کیا۔

معزول خان افغانستان سے مہمند ایجنسی کے ذریعے ناواگئی خان کے پاس پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد
یہاں سے وہ پشاور گئے جہاں وہ ارباب فرید خان کے ہاں مقیم رہے۔ جب ہر جگہ سے ناامید ہوئے تو
پلئی شیر خانی کے ذریعے دوبارہ سوات آ کر پناہ گزینی کی زندگی گزارنے لگے۔

سلطنت جندول کی اَدین زئی تا سخاکوٹ وسعت

نیکپی خیل پر حملہ 1890ء

دیر کو جندول میں شامل کرنے سے پہلے بھی سوات کے بیشتر حصوں پر عمرا خان کا طوطی بول رہا تھا۔ یہاں کے بیشتر خوانین جندول حکمران کے ماتحت تھے لیکن بعض طاقتور خان پھر بھی جندول کے احکامات ماننے سے منکر تھے ایک روز ادین زئی سے مجرموں کو اوچ قلعہ لانے جندول کے سپاہی نیکپی خیل گئے جہاں ایک خان کے ساتھ تلخ کلامی بڑھنے پر جندول کے دو سپاہی مارے گئے۔ ادین زئی سے آگے نیکپی خیل حملے کی وجہ ان سپاہیوں کا قتل تھا۔ عمرا خان کے حکم پر لشکر لیکر سپہ سالار ماجد خان نے اس خان کو اپنے کئے کی سزا دینے کے علاوہ ادین زئی سے آگے بڑھتے ہوئے نیکپی خیل، دوشخیل، شموزئی کے علاوہ میاں بڑانگولا سے باڈوان تک علاقے سلطنت جندول میں بزور شمشیر شامل کر لئے۔

دیر کو جندول میں شامل کرنے کے بعد عمرا خان نے جندول، دیر اور سوات کے علاقوں میں عشر کا نظام رائج کیا تو سوات کے میدانی علاقوں (سمہ) کے چند خوانین نے عشر دینے سے انکار کر دیا لیکن جندولی فوج نے بزور شمشیر ان کی سرکوبی کی۔ الغرض ان حملوں سے پورے نیکپی خیل کے بڑے بڑے خان جن کا اپنے اپنے علاقوں پر ہر دخل تھا جندول خان کے تابع ہوئے اور اب ہر سال بعد ان سے عشر لیا جانے لگا۔

1890ء میں عمرا خان نے بیگار کا نظام بھی رائج کیا جو 1960ء تک دیر و جندول میں رائج رہا اس کی رو سے سرکاری سڑکیں، قلعہ سازی، نہر (ولہ) کی صفائی، سردی کے موسم میں سڑک سے برف ہٹانے کیلئے عوام کو جمع کر کے ان سے مفت کام لیا جاتا۔ یاد رہے کہ سلطان خیل اور پائندہ خیل نے عمرا خان کا یہ قانون ماننے سے انکار کیا تھا جس کے ردعمل پر جندول سپاہیوں نے بہت سخت رویہ اپنایا تھا نواب اوّل خان محمد شریف خان نے دوبارہ اقتدار میں آ کر ان قبائل سے بیگار کی پابندی اٹھائی تھی۔

رانی زئی پر حملہ 1891ء

علاقہ رانی زئی میں شریف خان اور سادات خان اس علاقے کے مضبوط خان اور سخت حریف تھے، شریف خان، دیر کے پناہ گزین خان کا مضبوط حمایتی خان تھا اور سادات خان عمرا خان کا بہنوئی تھا۔

ایک روز جائیداد کے تنازعہ پر ان خوانین کے مابین خانہ جنگی چھڑ گئی جسمیں شکست کھا کر سادات خان گھر بار سمیت چکدرہ آئے اور شریف خان نے اس کی جائیداد پر قبضہ جمالیا۔

خبر پا کر عمرا خان نے شریف خان کو سادات خان کی جائیداد واپس کرنے کا حکم دیا لیکن یہ خان اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا اور عمرا خان کے خطوط کی پرواکئے بغیر باغی رہا۔ عمرا خان نے اس خان کی سرکوبی کیلئے ایک اور لشکر روانہ کیا۔ تاریخی الہ ڈھنڈ گاؤں پر اس چڑھائی کے دوران شریف خان اور اس حمایتی خوانین کے علاوہ گاؤں کے کسانوں نے جندولی لشکر کی بھرپور مزاحمت کی، جس کی وجہ سے پورے گاؤں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی آج الہ ڈھنڈ کے لوگوں کو جندول کے لشکر کی بے رحمی کی داستان یاد ہے۔ ایک کسان کے بیٹے بقول اس جنگ کے دوران جلا ہوا شہتیر (جسے پشتو میں بَش) کہتے ہیں، اب بھی میرے دادا کے گھر میں لگا ہوا ہے۔ الہ ڈھنڈ گاؤں پر فتح پا کر عمرا خان نے سادات خان کو اپنی طرف سے پورے رانی زئی کا حکمران بنایا اور جندول کا لشکر لمبے عرصے تک اس کے پاس موجود رہا۔

سخا کوٹ تک پیش قدمی

رانی زئی پر قبضہ کے بعد عمرا خان نے سخا کوٹ تک کے علاقے اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اپنی پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے جب جندول کا لشکر سخا کوٹ پہنچا تو ایک دفعہ پھر پشاور سے ملا کنڈ تک یوسفزئی اور منڈنڑ قبائل (دیر اور سوات پختونوں کے برادر قبائل)، کے مقابلے میں ان مقامی قبائل کی مدد کیلئے ہزاروں کی تعداد میں سخا کوٹ تک اُمڈ آئے۔ ان میدانی علاقوں کے پختونوں نے پہاڑی علاقوں کے پختونوں کا روایتی طور پر ایک دفعہ پھر راستہ روک کر ایک زبردست جنگ لڑی۔ ان قبائل کی بھرپور مزاحمت دیکھ کر عمرا خان نے سخا کوٹ سے کچھ آگے ایک قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا اور وہاں لوگ عشر دینے پر راضی ہو کر جندول خان کے رعایا بن گئے۔ یاد رہے کہ 1895ء تک سلطنت جندول کے زوال کے وقت بھی سخا کوٹ اسکی آخری سرحد رہی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ عمرا خان سے پہلے دیر کا ایک طاقتور حکمران خان قاسم خان 1816ء میں اور اس کا جانشین غزن خان 1855ء میں پشاور پر اپنا جھنڈا لہرانے کی غرض سے جب یہاں پہنچا تو یہ قبائل ان جنگجو حکمرانوں کے سامنے بھی سیسہ پلائی دیوار بنے رہے۔

ولایت خان کے ہاتھوں عمرا خان کی شکست

سخا کوٹ میں شکست کھا کر اب عمرا خان نے باجوڑ کے خان خار پر حملے کیلئے ایک مہم تیار کی۔ شاید اس خیال سے کہ اس طرف سے پشاور پر جندول کا جھنڈا لہرانے میں کامیاب ہو جائے۔ جندولی لشکر کی اس پیش قدمی کے دوران وادی بابوقرہ (بابوکارہ) میں سالارزئی قبائل دو حصوں میں تقسیم ہوئے۔ آدھے قبیلے نے جندول کیساتھ الحاق کی حمایت کی اور آدھا قبیلہ باغی خار خان (ولایت خان) کے سنگ ہراول دستہ بنا۔ بابوکارہ وادی کے علاقے راغہ میں ایک خون ریز لڑائی میں ولایت خان کے ہاتھوں جندول کے لشکر نے شکست کھائی اور اسی طرح عمرا خان کو جندول کی سلطنت کو پھیلانے میں ایک دفعہ پھر ناکامی ہوئی۔

جندول کا افغانستان پر حملہ 1891ء

افغانستان کے صوبہ اسمار کے گورنر شاہ طماس خان کے قتل پر ان کا بھائی غلام خان جندول آیا اور عمرا خان کو اپنے بھتیجے عبدالقدیر خان پر لشکرکشی کیلئے ابھارا۔ جب عمرا خان نے گورنر اسمار عبدالقدیر خان کو اقتدار چھوڑنے کیلئے خط بھیجا تو وہاں سے جوابی خط میں بجائے اس کے حکم پر عمل کرنے کے ایسے خطوط بھیجنے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ سبق سکھانے کی دھمکی بھی دی گئی۔

یہ خط پڑھ کر عمرا خان نے غیر دانشمندانہ طور پر پانچ سو سپاہیوں کا دستہ غلام خان کی قیادت میں روانہ کیا۔ جندول کے لشکر نے افغانستان کے حدود پار کر کے نہ صرف عبدالقدیر خان کو شکست دی بلکہ اُسمار، مرواڑہ، ساؤ، بریکوٹ تک علاقے غلام خان کیلئے قبضہ کر کے انھیں اقتدار حوالہ کیا۔ جندولی لشکر کی واپسی پر امیر افغانستان عبدالرحمٰن نے خبر پا کر غلام خان پر غلام حیدر کی سپہ سالاری میں جوابی لشکرکشی کر کے ان سے اقتدار چھین لیا بلکہ افغان فوج جندول کے حدود میں گھس آئی۔ افغان لشکر کی واپسی پر عمرا خان نے اپنی برادری قبائل مہمند، وسلارزئی کو افغانستان کے امیر کے خلاف اکسایا۔ یاد رہے کہ یہ قبائل بھی سلطان خیل و پائندہ خیل کی طرح بہت جنگجو تھے۔ ان قبائل کو ساتھ ملا کر عمرا خان نے اس دفعہ حملے میں اپنے علاقے واپس قبضہ میں لے لئے۔

عمرا خان کی جوابی حملے سے امیر عبدالرحمٰن سخت برہم ہوئے۔ جندول کے سلطنت کے حکمران کو سبق

سکھانے امیر نے اپنے گورنر کو حکم دیا کہ جندول پر حملے کیلئے اسمار سے شاہی پاس تک سڑک تیار کی جا
لیکن امیر کو اپنے جرنیلوں نے مشورہ دیا کہ سڑک پر خرچہ زیادہ آئے گا اور ہمیں بنجر جندول قبضہ کرنے
کچھ نہیں ملے گا۔ افغان حکمران کی تذبذب کی شاید دوسری وجہ یہ تھی کہ جندول پر حملہ انڈین حکومت اپنے اوپر
حملہ سمجھے گی۔

امیر عبدالرحمٰن نے جندول کا افغانستان پر حملے کی شکایت انڈین گورنمنٹ سے کردی۔ 30 جون کو انڈین
گورنمنٹ سیکرٹری جارج کننگھم نے وائسرائے ہند لارڈ رفن Lord Rifon کی طرف سے عمرا خان کو
ایک خط بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ میرے دوست پر حملہ کر کے آپ نے اچھا نہیں کیا۔

"You are asked to refrain your self from such aggressions".

تمہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی جارحیت سے باز رہو۔

عمرا خان نے جواب میں وضاحت کی لیکن اسمار کی لڑائی دہلی و جندول دوستی پر اثر انداز ہوئی اور یہاں سے
فاصلے بڑھنا شروع ہو گئے۔

ڈیورینڈ لائن

جندول اور افغانستان کے جنگوں سے پہلے افغانستان و انڈین گورنمنٹ کی کوئی مستقل حد بندی
ی لیکن ان جھڑپوں کے بعد انڈین گورنمنٹ نے اس طرف توجہ مبذول کرائی۔ انگریزوں کی طرف سے
رینڈ نامی انگریز نے ہندوستان حکومت اور افغان حکومت کی طرف سے محمد عمر خان نے
نومبر 1892ء کو ایک معاہدے پر دستخط کر کے ہندوستان اور افغانستان کے درمیان سرحد بنائی جو
ینڈ لائن کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس بین الاقوامی تقسیم میں جندول کی سلطنت کے وہ علاقے جو
ن نے افغانستان پر جوابی حملوں کے دوران فتح کئے تھے ڈیورینڈ لائن کے اس پار رہ گئے۔ عمرا خان
رہم ہوا لیکن وہ بے بس تھا اور انگریز دوستی کی خاطر چپ سادھ لی۔

ں کا ریاست چترال پر حملہ 1892ء

1892ء میں مہتر امان الملک نے اپنے اکیس سالہ فرزند

سلطنت سے نکال دیا۔ وہ سیدھا جندول بھاگ آیا اور عمرا خان سے اپنے والد پر لشکر کشی کے لئے مدد کی درخواست کی۔ 1890ء میں خان دیر پر حملے میں سسر مہتر امان الملک نے چونکہ عمرا خان کی مدد کرنے سے معذرت کی تھی اسلئے ان کے ساتھ اختلافات چلے آرہے تھے۔ اب موقع پا کر عمرا خان نے امیر الملک کو پندرہ سو سپاہی دیئے۔

اس بھاری لشکر کو لے کر باغی شہزادہ وادی نصرت میں چترالی لشکر پر حملہ آور ہوا اور یہ وادی آسانی سے اس کے قبضے میں آئی۔ یہ چترال پر پہلا حملہ تھا جو امیر الملک اور شاہی خاندان کیلئے بعد میں بہت مہنگا پڑا۔ اس حملے سے نہ صرف انگریز سرکار کو عمرا خان کی بڑھتی طاقت کے متعلق تشویش لاحق ہوئی بلکہ جندول کی حکومت کی مداخلت سے چترال کے شاہی خاندان میں ایک مسلسل نااتفاقی نے جنم لیا۔ نصرت وادی سے آگے پیش قدمی میں دیوان الملک ارندو اور بریکوٹ کے محاذوں پر جندولی لشکر کے سامنے ڈٹے رہے اس خونریز جنگ میں چترالی لشکر کے سپہ سالار دیوان الملک کو قتل کیا گیا۔ یہاں عمرا خان نے دو قلعے تعمیر کرنے کے علاوہ جندولی لشکر کے نقل وحمل کیلئے دریائے چترال پر پُل بھی بنالیا۔

مہتر امان الملک نے انگریزوں کو ایک مئوثر خط لکھا جسمیں لکھا گیا کہ عمرا خان کا اعتبار نہ کیا جائے۔ انگریز جو پہلے سے اسمار حملے پر اپنی برہمی کا اظہار کر چکے تھے ان حملوں کی خبر سن کر گلگت کے پولیٹیکل ایجنٹ نے عمرا خان کو صاف لکھا کہ ''چترال کو چھوڑ دو ورنہ تم کو ہندوستان سے نکال دیا جائے گا''۔

مہتر امان الملک کی وفات 1892ء

مہتر امان الملک نے 1856ء تا 1892ء کے دور اقتدار کے بعد اپنے محل میں وفات پائی۔ ان کی اچانک موت نے کئی سوال پیدا کئے، بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ دل کے دورے سے وفات پاگئے۔ اس کے برعکس 1898ء میں سر رابرٹسن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ '' مہتر کے بیٹوں اور درباریوں کو شک تھا کہ امان الملک The great mehtar کو زہر دے کر مارڈالا گیا تھا۔ اس مہتر کی وفات کے وقت سب سے بڑا بیٹا نظام الملک ورشگوم میں مقیم تھا۔ مہتر نے چونکہ زندگی میں جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔

The Story of a Miner Siege (George Robertson P.27)

اسلیئے دوسرے بیٹے افضل الملک نے موقع پا کر اقتدار پر قبضہ جمایا۔

جب افضل الملک کو اپنے چھوٹے بھائیوں شاہ الملک، بہرام الملک اور وزیر الملک پر بڑے بھائی کی مدد کرنے اور اپنا تختہ الٹنے کا شک پڑا، تو ایک دعوت میں اپنے تینوں بھائیوں کو زہر دے کر مار ڈالا اور بڑے بھائی نظام الملک کو بال بچوں سمیت ورشگوم سے گلگت کی طرف جلاوطن کیا۔

چترال کے شاہی خاندان میں خونریزی کا بازار گرم دیکھ کر مرحوم مہتر امان الملک کے ہاتھوں بیس سال سے جلاوطن سوتیلا بھائی شیر افضل براستہ بدخشاں افغانستان سے ایک لشکر سمیت چترال میں داخل ہوا۔ سر رابرٹسن لکھتے ہیں ''جب شیر افضل نے رات کے اندھیرے میں افضل الملک کے محل کو گھیرے میں لیا تو شاہی عورتوں نے اس کو مشورہ دیا کہ کسی طرف سے محل چھوڑ کر نکل جائے۔ وہ اپنے محافظوں پر چیختا رہا کہ آگ جلائی جائے لیکن روشنی کرنے سے پہلے اس کو محل کے اندر قتل کر دیا گیا اور شیر افضل نے اقتدار پر قبضہ کر لیا''۔

چند روز بعد مقتول کے بھائی نظام الملک نے گلگت سے انگریزوں کی مدد سے اپنے چچا اور سسر شیر افضل پر لشکر کشی کر کے ان سے اقتدار چھین لیا اور شیر افضل داماد کے ہاتھوں شکست کھا کر افغانستان واپس چلے گئے انگریزوں کی طرف نظام الملک کیلئے فوری طور پر فوجی اقدام اس وجہ سے تھا کہ شیر افضل نہ صرف افغانستان فوج کا ایک بڑا فوجی عہدہ رکھتا تھا بلکہ اس نے چڑھائی بھی افغان لشکر کی مدد سے کی تھی۔

کیلاش کافروں پر حملہ 1894ء

چترال اور افغانستان سرحد پر واقع کیلاش کافروں کا علاقہ پرانے زمانے میں کافرستان کے نام سے مشہور تھا۔ کافرستان کا دارالخلافہ وادی بشغال تھا۔ امیر افغانستان عبدالرحمٰن نے اپنے دور اقتدار میں ان کافروں پر چڑھائی کر کے کافروں کے خلاف جہاد کیا تھا جس کی وجہ سے ان کو غازی عبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے۔ امیر کی ان حملوں سے کافرستان کا نام بھی تبدیل ہو کر نورستان بن گیا تھا۔ ان کافروں نے افغانوں کے سامنے خوب مزاحمت کی تھی اور اب بھی ان کا زور باقی تھا۔ عمرا خان نے بھی جہاد کی غرض سے اپنے چچا زاد بھائی میر آغا خان کو لشکر دے کر ان کافروں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا جسے کافروں نے

[1] مہتر امان الملک کے بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں تھیں

شکست دی۔ 3 مارچ 1894ء کو عبدالمجید کی سپہ سالاری میں جندول سے مزید تین سو پچیس افراد کا ایک اور دستہ روانہ کیا گیا۔ گردیش لشکر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جندول کے اس لشکر کو بھی مات دے دی۔ اس لڑائی میں پچاس کافر اور جندول کے اسّی سپاہی مارے گئے۔ شکست خوردہ فوج کو عمراخان نے پیغام بھیجا ''جندول کبھی بھی واپس نہیں آنا جب تک یہ کافر ہماری اطاعت قبول نہ کریں''۔

بار بار پسپائی کا سن کر عمراخان شدید برفباری کے باوجود چار ہزار لشکر لے کر لواری پہاڑی پر اترے اور راستے میں آنے والے کامدیش گاؤں والوں کو اسلام کی دعوت واطاعت کا پیغام دیا جو انہوں نے قبول کر لیا۔ آگے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے اطاعت سے انکار پر عمراخان نے پورے گردیش کا محاصرہ کر لیا۔ چترال کے ایک بزرگ کے مطابق اس پرزور حملے کے وقت گاؤں کی عورتیں اور بچے برف پوش پہاڑوں پر بھاگ رہے تھے۔ چاروں طرف سے حملہ کر کے کافروں کے سخت دفاع کے باوجود آس پاس کے گاؤں پر فتح پائی گئی۔ گردیش سے آگے کہی اور پاپچی گل گاؤں والوں نے بھی ڈٹ کر جندول لشکر کا مقابلہ کیا لیکن آخر کار پوری بشغال وادی کے درجنوں گاؤں جندول کے قبضے میں آئے۔

میدان جنگ میں تلوار سے کام لیکر عمراخان نے اپنی لشکر کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ مزاحمت نہ کرنے والے مظلوم کافروں سے اچھا سلوک کریں۔ عمراخان نے اس وادی کے عوام سے اور بھی خوف کا سایہ اٹھانے کیلئے یہاں نہ صرف خود شادی کی بلکہ جندول کے لشکر کے اور بھی بہت سے سپاہی اس وادی کے داماد بنے۔ ان رشتوں اور اچھے سلوک کی وجہ سے یہاں کے لوگوں نے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام قبول کیا۔

ان حملوں کے بعد عمراخان نورستان وادی کے ایک ہیرو رہے۔ چترال کے ایک گاؤں ارندو میں ایک بزرگ کے بقول کئی زمانوں تک نورستان وادی کی عورتیں اپنے بچوں کو ڈرانے اور چپ کرانے کیلئے عمراخان کا نام لیتی تھیں۔

وادی بشغال پر جندول کے لشکر کے یلغار کی خبر پا کر پشاور کے کمشنر مسٹر ڈین نے عمراخان کو پیغام بھیجا کہ وہ مزید حملوں سے باز رہے۔ عمراخان نے اپنی موقف پیش کرتے ہوئے انھیں واپسی پیغام بھیجا کہ ''یہ کافر

---

[1] 1884ء کے معرکے سے پہلے کافروں کی آبادی پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس دور سے آہستہ آہستہ کم ہو کر اب کیلاش کافر چترال کے تین مشہور وادیوں بیریر، ریمبور، اور بمبوریت تک آٹھ ہزار کے لگ بھگ رہ چکی ہیں۔

مہتر چترال کے رعایا میں نہیں آتے اور ان کافروں پر ماضی میں ہمارے بزرگوں نے بھی حملے کئے تھے"۔

ریاست چترال کا سلطنت جندول میں ادغام

انگریزوں کی تشویش کے باوجود عمرا خان نے نورستان وادی سے پلٹ کر وادی نصرت سے لیکر عشریت گاؤں تک قبضہ جمالیا۔مہتر نظام الملک نے عشریت میں جندولی لشکر کی یلغار روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔جندول کی طرف سے مزید حملوں کی خوف سے چترال کا دفاع کرنے کیلئے مہتر نظام الملک کے بار بار امدادی خطوط پر گلگت سے ینگ ہسبنڈ اور سر رابرٹسن براستہ شندور چترال تک روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے۔یہی جندول حکومت کے خلاف انڈین حکومت کے جنگی اقدامات کی شروعات تھیں۔

26 اپریل 1894ء کو اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ گارڈن نے عمرا خان کو آخری دھمکی دی۔اس خط کے دوسرے روز مہتر نظام الملک ایک شگارگاہ پر اٹھارہ سالہ سوتیلے بھائی امیر الملک کے ہاتھوں قتل ہوا۔یہ خبر سن کر عمرا خان تین ہزار لشکر سمیت چترال پہنچا اور امیر الملک سے انگریزوں کے خلاف لڑنے کی پیشکش کی لیکن امیر الملک نے ٹھکرا دی۔

انگریز لشکر کی گلگت سے آمد

26 جنوری 1895ء کو کئی فتوحات کے علاوہ جندولی لشکر نے شیشی کوہ اور آس پاس کی وادیوں پر قبضہ کیا۔اس مہینے میں امیر الملک سے چپقلش بڑھنے کی وجہ سے عمرا خان نے دروش قلعہ پر ایک زوردار حملہ کیا۔یہاں امیر الملک نے عمرا خان کی مزاحمت کی لیکن شکست کھا گیا۔امیر الملک کے چچا شیر افضل ایک دفعہ پھر افغانستان سے اس محاذ پر پہنچا تھا۔اس کو عمرا خان نے دروش کا اقتدار دے دیا۔جس سے آدھی ریاست چترال جندول کے قبضے میں آ گئی۔اس ناگہانی حملے کی خبر پاتے ہی ریاست چترال کی دفاع کیلئے کیپٹن کیمبل کی کمان میں گلگت سے انگریزی فوج نے فوری طور پر چترال آنے کا فیصلہ کیا۔

انگریزوں کی اس پیش قدمی کا مقصد جندولی لشکر کو چترال شاہی قلعے قبضہ کرنے سے روکنا تھا کیونکہ دروش سے یہی مرکزی قلعہ جندول کے لشکر سے صرف چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔اگر انگریز اس موقع پر گلگت سے فوج روانگی نہ کرتے تو قریب تھا کہ جندول کا لشکر پورے چترال کو دو روز میں قبضہ کر لیتا۔

یہ جنوری کا سرد ترین مہینہ تھا۔ایک انگریز لکھتے ہیں کہ ''تین سو بیس فوجیوں پر مشتمل ہماری فوج چترال پہنچنے کیلئے جب شندور پاس پہنچی تو شدید برف باری اور سردی سے قریب تھا کہ ہم منجمد ہو جاتے جب سردی نا قابل برداشت ہونے لگی تو مجبوراً ہمیں اپنے گھوڑے ذبح کرنے پڑے اور شدید سردی سے بچنے کیلئے ان گھوڑوں کی انتڑیاں نکال کر ہم ان کے جسموں میں چھپ گئے۔اس تکلیف دہ سفر کے بعد انگریز فوج نے چترال پہنچ کر غیرات نامی مقام پر کیمپ لگایا۔سر رابرٹسن نے عمرا خان کو لکھا۔

"If he did not leave Chitral territory, the british would throw him out"

''اگر تم نے چترال سے فوج واپس نہ بلائی تو انگریز تمہیں زبردستی جندول تک دھکیل دینگے''۔

انگریزوں کا شاہی قلعے پر قبضہ

انگریز لشکر کی گلگت سے چترال آمد کی خبر پا کر جندولی لشکر بھی انگلستانی کیمپ کی طرف بڑھا اور ایک معمولی تصادم کے بعد انگریز فوج کو وہاں سے پسپا ہونا پڑا۔ یہ عمرا خان اور انگریزوں کے درمیان جنگ کا باقاعدہ آغاز تھا ۔ غیرات میں جندولی لشکر کی مزاحمت دیکھ کر مزید دو سو سپاہی کیپٹن Whitchurch اور کیپٹن Biard کی کمان میں چترال پہنچے۔

''دی ریلیف آف چترال'' کا مئورخ لکھتے ہیں کہ ''اس تازہ دم لشکر کے پہنچنے کے بعد انگریزوں کے دونوں لشکروں نے مل کر گلگت کے پولیٹکل ایجنٹ سر رابرٹسن کی کمان میں چترال کی دارالحکومت میں دریا کے کنارے واقع شاہی قلعہ پر جمالیا۔انگریز فوج کے پچاس سپاہی بازار میں پہرہ دینے لگے اور باقی قلعہ پر مورچہ زن ہوئے۔سر رابرٹسن نے عمرا خان کو دروش خالی کرنے سے متعلق ایک اور خط بھیجا۔

3 مارچ کی لڑائی

سر رابرٹسن لکھتے ہیں کہ'' ہماری فوج کی تعداد پانچ سو تریالیس (543) تھی۔اس روز جندول کے لشکر نے پیش قدمی جاری رکھی تو ایک بڑے تصادم نے جنم لیا۔اس جھڑپ میں بائیس نان کمیشنڈ آفیسرز کے علاوہ کیپٹن Baird، جنرل باج سنگھ اور میجر بیکم Bhikam مارے گئے جبکہ کیپٹن کیمبل اور

آٹھائیس سپاہی زخمی ہوئے۔ جندول کے لشکر کا بھی کافی جانی نقصان ہوا''۔ اس حملے میں شیر افضل اور عبدالماجد نے سر رابرٹسن کا بنگلہ بھی قبضے میں لے لیا۔ اس عمارت کو بعد میں قبائیلیوں نے فوجی ہیڈ کوارٹر کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ شام ہوتے ہی انگریز فوج شب خون کے ڈر سے تاریخی شاہی قلعے تک محدود ہو گئی۔ یاد رہے کہ انگریز اس شام یعنی 3 مارچ کو قلعے میں داخل ہوئے اور 19 اپریل تک محصور رہے کیونکہ جیسے انگریز اندر گئے تو ہزاروں قبائیلیوں نے اسی دن سے قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

چترال کے اس حملے سے متعلق کمشنر پشاور مسٹر ڈین کو فوری پیغام پہنچانے کیلئے ایک مقامی تیراک نے تلاطم خیز دریائے چترال میں (شناز) کے ذریعے چترال سے نوشہرہ تک کا سفر کیا تھا۔ (دریائے چترال ایک خطرناک اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے چترال بازار کے نزدیک بہتے ہوئے اس دریا میں انسان منہ ہاتھ دھوتا ہوا بھی گھبراتا ہے۔ اس دریا کے متعلق مشہور ہے کہ بعض مقامات پر اسمیں بھاری بھرکم ٹرک گر کر بمعہ سامان غائب ہو جاتے ہیں)۔ یہی وجہ تھی کہ اس تیراک کے بلند حوصلے اور اعلیٰ تیراکی کے سبب انگریزوں نے اسے بھاری انعام کے ساتھ ساتھ اس کی اولاد کیلئے بھی موروثی وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

4 مارچ کی لڑائی

اگلے روز چترال قلعہ پر پٹاخہ دار بندوقوں سے گولیوں کی بارش کی گئی جس کے نتیجے میں کیپٹن ٹاؤن شیڈ سمیت تین برطانوی سپاہی زخمی ہوئے اور مخالف لشکر سے آٹھ سپاہی شہید ہوئے۔

5 مارچ کو عمرا خان نے سر رابرٹسن کو خط لکھا کہ ''شیر افضل کو مہتر چترال تسلیم کیا جائے تو ہم جندول واپس جانے کو تیار ہے''۔ لیکن سر رابرٹسن نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

7 مارچ کو سر رابرٹسن کا خط دہلی پہنچ چکا تھا۔ اس خط میں اس نے اپنی کمزور پوزیشن کیساتھ یہ بھی واضح کیا کہ چترال کے عوام جہاد کی نیت سے عمرا خان کے سنگ کھڑے ہو کر ہمارے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔

---

[1] صوبہ سرحد میں اکثر پہاڑی اور دریائی علاقوں میں جانوروں کی کھال کو سکھا کر ہوا سے بھرا جاتا ہے اور اس کی مدد سے پانی کو عبور کیا جاتا ہے۔ پشتو زبان میں اسے شناز کہتے ہیں۔



سٹیورٹ



کیمبل



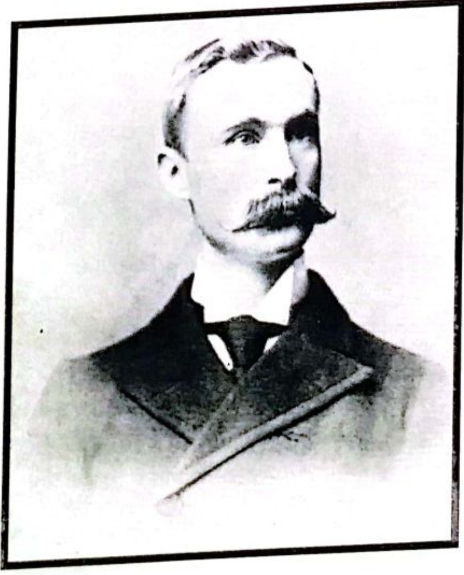
کیلی



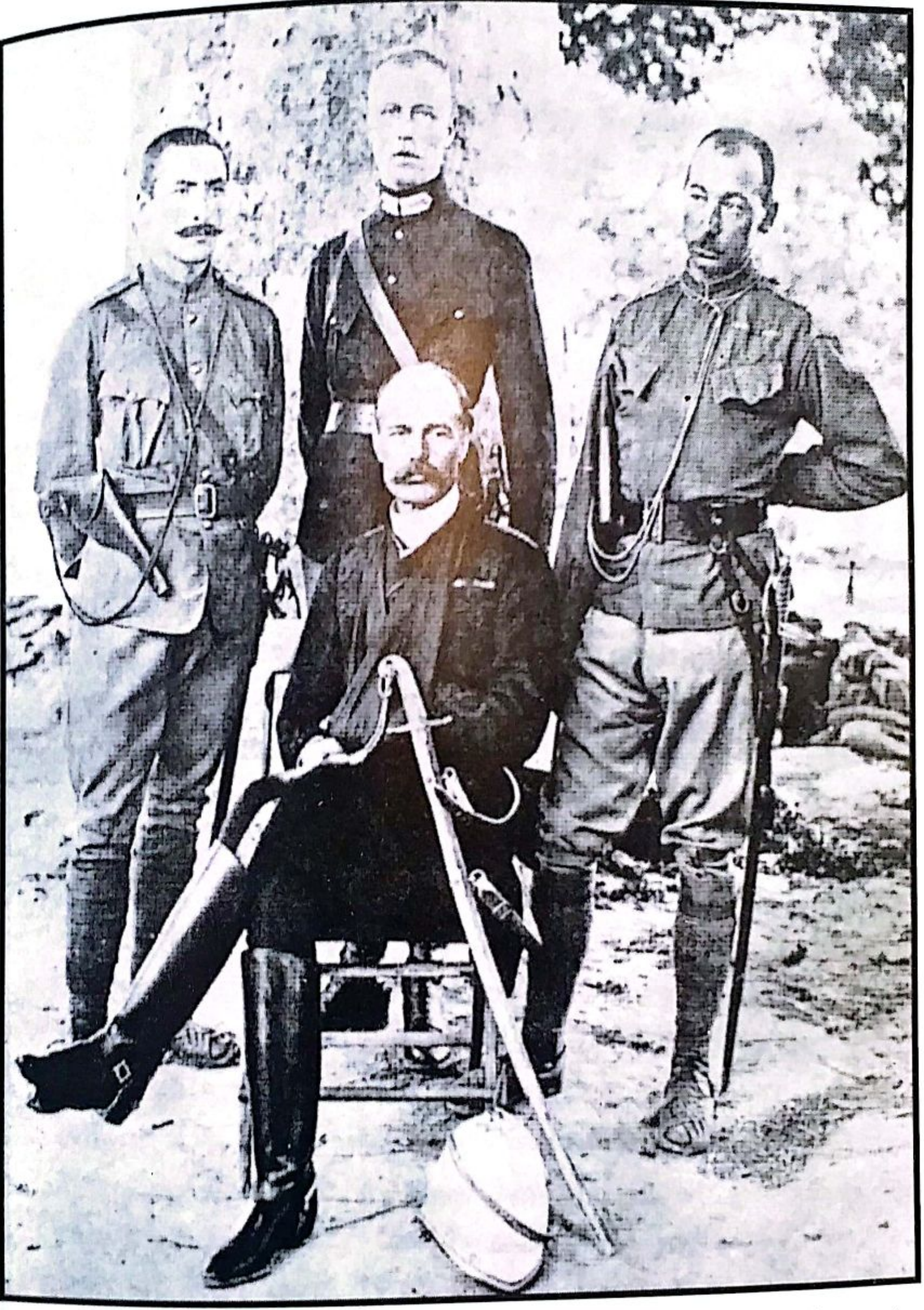
بوریڈائل



اودھم



وچر



بائیں جانب کیپٹن ہارلے، دائیں جانب ٹاؤن شیڈ درمیان میں کھڑے گارڈن اور کرسی پر بیٹھے سر رابرٹسن

14 مارچ تک ایسا کوئی دن نہ تھا جس میں تصادم کا کوئی واقعہ رونما نہ ہوا ہو۔ قلعے میں محصور انگریز اور دیسی فوج کی تعداد ساڑھے پانچ سو کے لگ بھگ تھی اور قلعہ کو گھیرے قبائلی لشکر کی تعداد ہزاروں میں تھی لیکن ان کی بندوقیں انگریزی اسلحہ کے سامنے ناکام تھیں۔ قبائیلوں کا لشکر محصور فوج تک پہنچنے کا جو بھی حربہ استعمال کرتا تو قلعے کے برجوں میں بیٹھے نیلی آنکھوں والے سپاہی ان کا بروقت جواب دے کر ہر کوشش کو ناکام بنا دیتے۔

15 مارچ کو بمقام ریشون ایک جھڑپ میں لیفٹینٹ ایڈورڈ اور لیفٹینٹ پاؤلر کو گرفتار کیا گیا انھیں نے بعد میں عمرا خان کے سامنے دروش قلعہ میں پیش کیا گیا۔ مختصر بات چیت کے بعد یہ فوجی آفیسر جندول کے ایک مسلح دستے کی کڑی نگرانی میں باڑوہ روانہ کئے گئے۔ سر رابرٹسن کے خط کے جواب میں ان کی رہائی کا عمرا خان نے نفی میں جواب دیا۔

3 مارچ سے اب تک کی لڑائیوں میں انگریز فوج کے ایک سو چار سپاہی مارے گئے، چونسٹھ زخمی ہوئے اور دو قیدی بنا لئے گئے۔ جواب میں جندولی لشکر کے قریباً ساڑھے پانچ سو قبائیلی شہید ہو گئے تھے۔ انگریزوں کی ساری فوج قلعہ میں محصور تھی۔ وہ اپنے آپ کو مردہ خیال کئے ہوئے تھے کیونکہ دن رات ہزاروں لوگوں کے گھیرے میں تھے جوان تک پہنچنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ سر رابرٹسن خوراک کی کمی کے متعلق لکھتے ہیں"

The evening closed in ,and we sat down to our frugal dinner

-of inferior horse meat and spoiled rice.

27 مارچ تک سر رابرٹسن نے انڈین گورنمنٹ کو بار بار رابطوں کے بعد ایک اور خط روانہ کیا جسمیں انھوں نے اپنی مشکل صورتحال واضح کی، اس روز ایک اور جھڑپ میں سر رابرٹسن شدید زخمی ہو چکے تھے۔

28 مارچ کو شیر افضل اور سپہ سالار جندول عبدالماجد نے شاہی قلعہ کے ایک حصے کو اڑانے کا منصوبہ بنا لیا۔ جس کیلئے ساٹھ تیراک شنازوں پر اوپر سے دریا میں تیر کر قلعہ کے ٹاور کے ٹنل میں چپکے سے داخل

ہوئے۔ انگریزوں کو پہلے سے جاسوس نے یہ خبر پہنچائی تھی ۔ اس مہم کیلئے کیپٹن ہارلے Horlay کو سو سپاہی دیئے گئے جنہوں نے ٹنل میں گھیرے قبائلی لشکر پر گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ جس سے پینتیس قبائلی موقعہ پر شہید ہو گئے۔ جوابی فائرنگ سے آٹھ انگریز سپاہی بھی ہلاک ہوئے۔ اب ٹنل کے اندر باقی سپاہیوں کو زندہ باہر نہ آنے کیلئے بارود رکھے گئے جس کے پھٹنے سے بیشتر مجاہدین شہید ہوئے اور جو زندہ رہے ان پر پانی چھوڑ دیا گیا۔ اس غیر دانشمندانہ حکمت عملی سے عمرا خانی لشکر کو کافی جانی نقصان ہوا۔

فرنگی کی جندول کو ہڑپ کرنے کی وجہ

1880ء میں چھ سو مربع کلومیٹر جندول وادی کے ایک چھوٹے قصبے "باڑوہ" سے خان بن کر پندرہ سال بعد عمرا خان جندول کی سلطنت کو ہر طرف پھیلا کر، شمال میں دروش، جنوب میں سخاکوٹ، چترال کے جنوب مغرب میں نورستان وادی، باجوڑ کا کچھ حصہ، بابوکارہ وادی، آدھی اتمان خیل کے علاوہ، رانی زئی، ادین زئی، شموزئی، نیکپی خیل اور برہ غاڑہ سمیت آدھے سوات کا بھی حکمران تھا۔

افغانستان پر حملے کی جرأت، چترال تک پیش قدمی، کافرستانی تہذیب کے خاتمہ کے علاوہ انگریز یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ عمرا خان قومی اتحاد پیدا کر کے سلارزئی اور مہمند قبائل کے علاوہ تمام افغان اور پختون قبائل کو متحد کر رہا ہے اور یہ کہ شرعی حکومت قائم کرنے کا نعرہ لئے وہ مذہبی طور پر بھی ان شمالی علاقوں میں ایک ہر دلعزیز حکمران کے طور پر ابھر رہا ہے۔

سلطنت جندول کو جس تیزی کے ساتھ وہ وسعت دے رہا تھا۔ انگریز سمجھ چکے تھے کہ عمرا خان کے جندول کے چاروں طرف کے حکمرانوں پر حملوں کا مقصد جندول کی سلطنت پر اکتفا نہیں بلکہ ہندوکش تا پشاور ایک آزاد ریاست کا قیام ہے۔ شاید ان باتوں کو دیکھ کر انگریزوں کو خدشہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ پوری پختون قوم کو متحد کر کے بڑی مشکلات پیدا نہ کر دے۔ وہی عمرا خان جو انگریزوں کی پشت پناہی کی وجہ سے آس پاس کی خانیاں ہڑپ کر رہا تھا۔ اب ان کا دھڑن تختہ کرنے کیلئے انگریزوں کی بیس ہزار فوج پشاور میں اپنے بندوقوں کی نلیاں صاف کر رہا تھا۔

انگریز خفیہ ایجنسیوں کی سرگرمیاں

یہاں پر بھی Divide and rule پالیسی کو عملی شکل دینے کیلئے انگریزوں -

عمراخان کے مخالفین کی تلاش شروع کی، تاکہ جنگ سے پہلے انھیں ہر طرف سے کمزور کیا جا سکے۔ عمراخان نے اپنے پندرہ سالہ دور اقتدار میں آس پاس حکمرانوں سے تعلقات مضبوط کرنے کیلئے خانِ دیر خان شریف خان کی بہن کا رشتہ مانگا، مہتر چترال کا داماد بنا اور عمراخان کی ایک بہن افغانستان کے حکمران امیر عبدالرحمٰن کی بہو بنی لیکن جب انگریزوں نے ان کے مخالفین کی گنتی کی تو وہ بھی بہت زیادہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھیں ساتھ ملانے کیلئے انگریزوں کو کم محنت کرنا پڑی۔

انگریزوں اور معزول خان دیر کا معاہدہ

1882ء میں خان محمد شریف خان کو جب والد خان رحمت اللہ خان نے بے دخل کیا تو وہ سیدھا جندول آیا اور اپنے بہنوئی عمراخان سے اپنے والد کے خلاف لشکری قوت مانگی۔ دیر کے کئی علاقے قبضہ کر کے کچھ عرصہ بعد عمراخان نے انھیں جندول سے بے دخل کیا۔ اس زیادتی کے علاوہ جب وہ اقتدار میں آئے تو عمراخان نے ان پر چڑھائی کر کے ان سے دیر قبضہ کر لیا۔ اس وجہ سے وہ پانچ سال سے سوات میں پناہ گزینی کی زندگی گزار رہا تھا۔

خان شریف خان کے پوتے بزرگ شاہ زیب کے بقول مردان کے خان بہادر، خواجہ محمد خان ہوتی، سرفراز خان، میاں رحیم شاہ، یار محمد خان بدرشی اور دوسرے چیدہ چیدہ عمائدین کو کمشنر مسٹر ڈین نے پشاور میں مدعو کیا اور ان سے پوچھا کہ یہاں عمراخان کے مخالفین اور دشمن کون کون ہیں؟۔ انہیں بتایا گیا کہ دیر کا ایک خان جندول خان کے ہاتھوں پانچ سال سے سوات میں پناہ گزین ہے جو قبائلی برادری کا اثر و رسوخ بھی رکھتا ہے۔ مسٹر ڈین نے انہی عمائدین کو خان شریف خان کے ہاں بھیجا۔ جب ریلیف فورس درگئی پہنچی تو دیر کا معزول خان انہیں خوش آمدید کہنے درگئی تک آئے تھے۔ یہاں انگریزوں کا ان سے درجہ ذیل نکات پر مشتمل ایک معاہدہ ہوا۔

۱۔ پشاور تا چترال سڑک کی حفاظت۔

۲۔ ٹیلی گراف کی حفاظت۔

۳۔ دیر چترال تا سڑک پر واقع برطانوی چوکیوں کی حفاظت۔

۴۔ سڑکوں اور قلعوں کی تعمیر کیلئے لیبر سپلائی۔

۵۔ڈاک پہنچانے کا انتظام۔

٦۔انگریز دیر کی سڑک اور اس کے حدود کا بغیر ٹیکس کے آزادانہ استعمال کرینگے۔

خانِ دیر سے اس معاہدے کے پابند رہنے کا حلف لیا گیا اور ان سے وعدہ کیا گیا کہ عمرا خان کو شکست دینے کی صورت میں انھیں واپس دیر کی گدی پر بٹھایا جائے گا۔

انگریز فوج درگئی میں ملاکنڈ پر چڑھائی کے لئے پر تول رہی تھی جبکہ معزول خان کو یہاں سے پہلے روانہ کیا گیا تا کہ عمرا خان کی شکست کی افواہ پھیلانے کے علاوہ وہ اپنے برادری قبائل سلطان خیل اور پائندہ خیل کو جندول لشکر میں شامل ہونے سے روک سکیں۔

امیر عبدالرحمٰن

1891ء میں عمرا خان کی صوبہ اسمار پر لشکر کشی کرنے کی وجہ سے جندول اور افغانستان کے سفارتی تعلقات منقطع ہو چکے تھے اور چپقلش چلی آ رہی تھی اسلئے عمرا خان کو وہاں سے مدد کی کوئی امید نہ تھی۔امیر کے انگریزوں سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ایک انگریز نے عمرا خان کے افغانستان جانے پر اطمینان کا اظہار کر کے لکھا تھا کہ ''ہمارا ایک بڑا دشمن جا کر ہمارے ایک بڑے دوست کے ہاتھ لگا''۔پس ہم کہہ سکتے ہے کہ امیر عبدالرحمٰن،عمرا خان سے مدد کیلئے تیار نہ تھا۔

خان ناواگئی

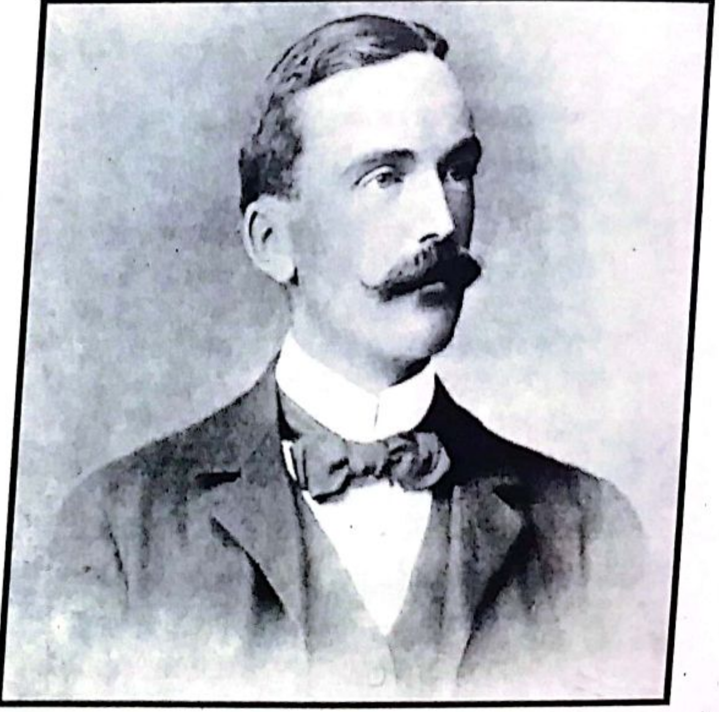
1888ء میں عمرا خان کے باجوڑ پر حملے میں ناواگئی خان کا بھائی ''ناواگئی لشکر کا سپہ سالار'' مارا گیا تھا اس وجہ سے سات سالوں سے جندول و ناواگئی کے تعلقات بھی کشیدہ رہے اسلئے عمرا خان کو یہاں سے مدد کی امید کی بجائے اپنی مخالفت کا خطرہ تھا۔

مہتر چترال

ریلیف آف چترال فورس کو خبر ملی تھی کہ چترال پر امیر الملک شہزادے نے اپنے بھائی کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ جمایا ہے۔امیر الملک نے دو وجوہات کی بناء پر عمرا خان سے انگریزوں کے خلاف لڑنے کی پیش کش کو ٹھکرایا۔ایک اس لالچ میں کہ اگر وہ غیر جانبدار رہا تو انگریز اس کی حکومت تسلیم کرینگے۔دوسری وجہ



ایڈورڈ



پاؤلر



خان محمد شریف خان انگریزوں کے ساتھ درگئی کے مقام پر معاہدہ کے موقع پر

عمراخان کی وہ وعدہ خلافی تھی جو انھوں نے چند سال پہلے کی تھی۔ 1892ء میں عمراخان نے امیر الملک کی مدد سے ان کے باپ مہتر چترال کے کئی علاقے قبضہ کئے تھے۔ جب امیر الملک نے یہ علاقے لینے کا مطالبہ کیا تو جندول خان نے انکار کیا تھا اسلئے امیر الملک کو خدشہ تھا کہ اگر وہ عمراخان کا ساتھ دے گا، تو وہ دوبارہ اس کے ساتھ وعدہ خلافی کریگا۔

مذہبی عمائدین کو اعتماد میں لینا

ہندوستان پر راج کرنے کے دوران انگریزوں کو پتہ چلا تھا کہ جہاں بھی ہمارے خلاف مسلمانوں کی طرف سے بغاوت یا مزاحمت کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ ان میں مذہبی عالم اور ان کے پیروکار پیش پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا انگریزوں نے عوام میں جہاد کا جذبہ سرد کرنے کیلئے بعض علماء کو اپنے ساتھ ملانے کی مہم چلانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس سلسلے میں انگریزوں کو پتہ چلا کہ عمراخان نے سیدو بابا کے بیٹے میاں گل عبدالحنان کیلئے سوات کے علاقے خانِ دیر سے قبضہ کر کے اپنے قبضہ میں لئے تھے۔ اس بات پر سیدو باباؒ کے شاگرد جو باجوڑ، دیر اور سوات میں بڑے نامی گرامی عالم تھے، عمراخان کے سخت مخالف تھے۔ انگریزوں نے ان تک بھی رسائی حاصل کی۔ یہ انگریزوں کی کامیابی تھی کہ ان میں سے بعض مذہبی علماء کو اعتماد میں لیا گیا، ان علماء میں سے ایک مکرانی ملاؔ جو ایک نامی گرامی مذہبی عالم تھا، اور عمراخان کے ہاتھوں افغانستان میں جلاوطن تھا، افغانستان سے آکر انھوں نے پرچیاں (پمپلٹ) شائع کر کے عوام کو یہ پیغام دیا کہ عمراخان اسلام کا بادشاہ نہیں اور انگریزوں کے خلاف ان کے شانہ بشانہ لڑنا جہاد نہیں۔

دیر، سوات اور باجوڑ کے عوام چونکہ مذہبی عالمان کی دعوت اور پکار پر اسلامی جذبے اور جہاد کی نیت سے جندول کے لشکر میں شامل ہونے کیلئے انگریزوں کے خلاف لڑنے کا تہیہ کر چکے تھے، لہٰذا جب بعض مذہبی قائدین نے ایسے اشتہارات دیئے، تو عمراخان کی لشکری قوت میں اس کی وجہ سے بھی کافی کمی آئی۔

باا ثر قبائلی سردار

آس پاس کے حکمرانوں کو اعتماد میں لینے اور علماء میں پھوٹ ڈالنے کے بعد انگریزوں کے تیز

---

[1] مکرانی ملاؔ کو بعد میں امیر عبدالرحمٰن نے سزا کے طور پر ایک کنویں میں ڈال کر ہلاک کیا تھا۔

''سی آئی ڈی'' نے بڑے مختصر عرصے میں سوات، دیر، جندول اور باجوڑ کے بعض بااثر مذہبی گھرانوں اور بڑے بڑے خوانین کو اعتماد میں لے لیا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں انگریزوں کی بوسیدہ اور نایاب کتابوں میں باقاعدہ ہر علاقے کے وفادار اور انکی ماہانہ تنخواہ کا ریکارڈ موجود تھا کیونکہ جس طرح دیر اور باجوڑ کے نوابوں کے لئے انگریزی وظیفہ مقرر ہوا اسی طرح ایسے بااثر خاندانوں کے لئے بھی گھر گھر وظیفہ مقرر کیا گیا تھا۔ ''who is who'' نامی ایک انگریزی کتاب نے ایسے لوگوں سے پورا پردہ اٹھایا تھا انگریزوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد انہی انگریز وفاداروں کی اولاد نے اپنے اسلاف کے کارناموں کو چھپانے کیلئے ملاکنڈ سے یہ دستاویزات حاصل کر کے ہمیشہ کے لیے فنا کر ڈالے۔

بٹ خیلہ کے نزدیک طوطہ کان نامی گاؤں کے ایک معروف تاریخی شخصیت حضرت صاحب ایک پائندہ خیلی بزرگ کے سامنے اپنی معلومات دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ ''اس زمانے سپین خرو ملا نامی شخص میرا قریبی دوست تھا اس نے مجھے ایک روز براول درّہ میں کہا کہ آؤ آج تمہیں ایک عجیب بات بتا دوں۔ وہ مجھے ایک ویران جگہ پر لے گیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنی چادر سے نہایت خفیہ طریقے سے ایک رجسٹر نکالا۔ اس رجسٹر میں اس کے پاس دیر، جندول، سوات اور باجوڑ کے بااثر لوگوں اور بعض مذہبی گھرانوں کی ایک فہرست تھی۔ ہر نام کے ساتھ انگریزوں کی طرف سے ایک وظیفہ کی مقدار کا اندراج تھا۔ یہ ملا ایک خاص میعاد پورا ہونے پر انگریز سرکار سے مقررہ رقم وصول کر کے ان وفاداروں میں بانٹتا تھا۔ الغرض انگریزوں نے جب میدانِ جنگ پر مدمقابل ہونے سے پہلے ہر طرف سے عمرا خان کو تنہا کرنے کی کامیاب مہم چلائی تو انگریز فوج حرکت میں آگئی۔

پشاور سے انگریزوں کی تازہ دم لشکر کی روانگی

ینگ ہسبنڈ لکھتے ہیں کہ ''یکم اپریل کو ہمیں پشاور سے ملاکنڈ کی طرف کوچ کرنے کا حکم ملا۔ تین بریگیڈ پر مشتمل اس فوج کو Relief force کا نام دیا گیا۔ ایک بریگیڈ میں چار بٹالین اور ہر بٹالین میں ایک ہزار سپاہی تھے، نصف دیسی اور نصف برٹش اس فوج میں کل پیدل فوج چودہ ہزار، جبکہ مجموعی فوج بیس ہزار کی لگ بھگ تھی۔

اس فوج میں گھڑ سوار دستوں کے دو رسالے، سولہ توپ خانے، سرنگیں کھودنے، پل بنانے اور

ہم جوئی کے تین گروپ بھی شامل تھے۔گھڑسوار فوجی دستوں کی کمان جنرل بنڈن ''CBRA'' توپ خانہ کی کمان لفٹنٹ کرنل ''JSH'' کریجی اور کیپٹن پیبل Pebble کر رہے تھے۔ پیدل فوج کے سربراہ بریگیڈئیر واٹر فیلڈ جبکہ جنرل بریوٹ اور SCH ''مانزوا'' کوارٹر ماسٹر تھے۔ بریگیڈئیر Gatacre، بریگیڈئیر جنرل اے کنلاچ Kinloch اور بریگیڈئیر Aghonomo سمیت کل پانچ بریگیڈئیرز تھے۔اسی طرح ریلیف فورس نامی اس ساری فوج کی کمان لیفٹنٹ جنرل سر رابرٹ لاء Robert Low کے ہاتھ میں تھی''۔

ملاکنڈ کی تاریخی لڑائی 1895ء

اگر چہ انگریزوں نے عمرا خان کے مخالف علماء کے ذریعے علماء اور مذہبی بزرگوں میں پھوٹ ڈالنے کی بھرپور مہم چلائی تھی لیکن پھر بھی دیر، سوات، بونیر اور باجوڑ کے مشہور مذہبی عالمان نے اس کے ردعمل کے طور پر جہاد میں بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔انگریزوں کی ملاکنڈ کی طرف پیش قدمی کا سن کر ہر علاقے کے مشہور بزرگ نے درس و تدریس چھوڑ کر اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کو ملاکنڈ کی طرف جانے کا حکم دیا۔

ایچ سی تھامس لکھتے ہیں ''کہ 3 اپریل کو جب ہم ملاکنڈ پر نمودار ہوئے تو ہمیں دور سے سفید کپڑوں میں ملبوس جھنڈے تھامے قبائیلیوں کا سیلاب نظر آیا۔بارہ ہزار کے لگ بھگ قبائلی لشکر میں صرف تین ہزار کے ساتھ پٹاخدار بندوقیں اور باقی کے ساتھ چھرے، تلوار، کلہاڑیاں، نیزے اور رسی نما غلیل (مچوغنہ) تھے۔صبح ساڑھے آٹھ بجے کے قریب فاصلے مٹ چکے تھے، ڈیڑھ کلومیٹر لمبے محاذ کی لڑائی میں انگریز و پختون ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔پانچ گھنٹے گھوڑوں اور انسانوں کے اجسام خون سے کھیلتے دکھائی دیئے۔انگریزوں کے توپ خانے اور جدید اسلحہ کی بمباری کے مقابلے میں پٹاخدار بندوق اور مچوغنہ قبائیلوں کے لئے تہ دست ہونے کے مترادف تھا''۔سر رابرٹسن اور چرچل نے اپنی اپنی کتابوں میں ملاکنڈ کے اس معرکے کو ملاکنڈ کی طوفان Malakand storm سے یاد کیا ہے۔

ینگ ہسبنڈ لکھتے ہیں ''دشمن کی اس حقیقی بہادری کو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلسل پانچ گھنٹوں تک توپ خانوں کے صحیح نشانوں اور شاندار بمباری کے مدمقابل دکھائی دیئے اور مزید برآں اس بمباری کے

اختتام پر یہ ہمارے خلاف سنگینوں کے حملوں میں بھی سینہ سپر رہے''۔

ایک انگریز لکھتے ہیں کہ ''یہ بہادر لوگوں کی سرزمین ہے''۔شوروغوغا اور چیخ پکار کیساتھ انگریز اور پختون اپنی اپنی زبانوں میں عجیب وغریب جنگی نعرے لگاتے رہے ۔ سنگین تلواریں اور گولیاں انسانوں کے جسم میں پیوست ہوتی رہیں اور توپیں بھی گولیوں کی بارش برساتی رہیں۔ایک اور گورا یہاں قبائلیوں کو غصیلی مکھیوں کا نام دیتا ہے۔

مجاہدین کا غیر مسلح لشکر یا تو انگریزوں پر پتھر برساتا، بلند پہاڑیوں سے بڑے چٹان گراتا یا میدانِ جنگ سے زخمیوں کو بھگا لے جانے میں بڑی تیزی کے ساتھ مگن رہتا۔ ینگ ہسبنڈ کے مطابق روایتی ڈھول باجے بجتے رہے، ایک ڈھولک بجانے والا قبائیلوں کو داد دیتا رہا اس کو بندوق کی کئی گولیاں لگیں لیکن برابر ڈھولک بجاتا رہا آخر کار توپ کا ایک گولہ لگنے سے ڈیڑھ سو میٹر نیچے ملاکنڈ پہاڑی سے گرا لیکن اپنی روح کی پرواز تک اس کے زخمی ہاتھ پھر بھی برابر ڈھولک بجاتے رہے۔ایک سلارزئی جنگجو شاعر مجاہدین کو داد دینے کیلئے ڈھول باجوں میں یہ شعر دہراتا رہا۔

پہ ملاکنڈ تورہ تیارہ شوہ ہارونہ تُرہ زلَوہ چی رنڑا شینہ

ملاکنڈ پر اندھیرا چھایا ہوا ہے : اے ہارون! تلوار لہراتے رہو تاکہ روشنی ہو جائے۔

قبائلیوں کا سپہ سالار سکندر شاہ بابا المعروف سپین شہید تھا اس سپہ سالار نے بڑی بہادری سے مجاہدین کی کمان سنبھالی تھی۔سکندر شاہ بابا کی بہادری بیان کر کے ایک انگریز لکھتے ہیں کہ ''نو گولیاں لگنے کے باجود بھی یہ فولادی انسان ہماری طرف بڑھ رہا تھا''۔

سکندر شاہ بابا کی تلوار لہرانے تک مجاہدین کا جوش اور ولولہ پہلے بیان ہوا ،لیکن ان کی شہادت کے باوجود مجاہدین ملاکنڈ کے محاذ سے ہٹ کر دوسری پہاڑی پر چڑھے اور انگریزوں کو کافی مشکلات میں ڈالا لیکن فتح آخر کار انگریزوں کی ہی رہی ۔اس دن ستیاسی (87) کے لگ بھگ انگریز قتل اور تقریباً اکتالیس (41) زخمی ہوئے ۔جبکہ ساڑھے پانچ سو سے زائد مجاہدین شہید ہوئے بعض برطانوی مؤرخین یہ تعداد بارہ سو بتاتے ہیں۔

---

[1] سکندر شاہ بابا کا مزار چکدرہ تا پشاور جرنیلی شاہراہ کے کنارے ملاکنڈ پاس میں سبز گنبد والی چھوٹی سی مسجد میں واقع ہے۔



ملاکنڈ کے محاذ پر انگریز اور پشتون ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے ہیں



ملاکنڈ کے محاذ پر انگریز آگے بڑھ رہے ہیں

ایک ایک لاش کی گنتی اس روز اس لئے مشکل تھی کہ جو مجاہدین اس روز خالی ہاتھ تھے، وہ گولیوں کی بوچھاڑ میں زخمیوں کو اٹھا کر میدانِ جنگ سے باہر لے جاتے۔ اس محاذ پر مارے جانے والے انگریزوں کے آج بھی ملاکنڈ پاس پر دو قبرستان ہیں، جو Malakand Christian Graveyard 1895 کے نام سے مشہور ہے۔ الغرض دیر، سوات، بونیر اور باجوڑ پختونوں کی بھرپور مزاحمت کے نتیجے میں 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد 1895ء کا یہ معرکہ ہندوستان کی تاریخ کا مشہور معرکہ اور اہم باب بن گیا۔

اماندرہ کی لڑائی

ایچ سی تھامس لکھتے ہیں ''کہ 3 اپریل کو ہماری فوج رات بھر دشمن کے حملوں کی منتظر تھی۔ اگلی صبح اماندرہ میں قبائلی ایک مرتبہ پھر نمودار ہو کر ہم پر حملہ آور ہوئے۔ میجر ڈیگیرس کننگھم کے حکم پر پہاڑی توپ خانے برابر چلتے رہے۔ اس محاذ پر ہماری فوج کے تیس سپاہی مارے گئے جبکہ قبائلی شہیدوں کی تعداد آٹھ سو تک پہنچی۔ اس انگریز کے مطابق ان میں آدھے سے زیادہ قبائلی توپوں کی گولہ باری کی زد میں آئے تھے''۔ توپ قلعوں کی دیواروں اور برجوں کو گرانے کیلئے استعمال ہوتے ہیں لیکن یہاں انسانی جتھوں کو اڑانے کیلئے ان کا بے تحاشہ استعمال کیا گیا جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ توپوں کے فوجی سربراہ ڈیگریس کننگھم کتنے بے رحم تھے۔

چکدرہ کی لڑائی

انگریز گھڑسوار دستے 7 اپریل کو چکدرہ پہنچے تو بیشتر گاؤں والے پہلے سے فرار ہو چکے تھے۔ عمرا خان کے حکم پر چھوٹا بھائی محمد شاہ خان چار ہزار لشکر کے ساتھ چکدرہ پہنچا جہاں انگریز دریا کے اس پار سے چکدرہ گاؤں پر توپوں سے گولہ باری کر رہے تھے۔ تھامس لکھتے ہیں کہ ''دشمن کے ہزاروں کے لشکر کا ہمیں اس وقت پتہ چلا کہ وہ کتنا بے رحم ہے ہمیں اپنی نقصان کا پتہ نہیں چل رہا تھا''۔ انگریزوں کی بیس ہزار لشکر کے لئے جندول سپہ سالار کے ساتھیوں کی نہ صرف تعداد ناکافی تھی بلکہ دونوں اطراف کے اسلحہ میں بھی زمین و آسمان کا فرق تھا لیکن اس کے باوجود بھی محمد شاہ خان نے پانچ گھنٹے تک انگریزوں کا راستہ روکے رکھا۔ انگریز فاتحانہ انداز میں بڑھتے ہوئے چکدرہ (دریائے سوات) پر پل باندھنے لگے۔ جنرل

لو لکھتے ہیں۔ کہ ''نو اپریل کو ہم نے چکدرہ پر پل باندھ لیا تھا''۔

جب پل تیار ہوا اور ساڑھے تین ہزار گھوڑے خچر اور اونٹ لدے سامان کے ساتھ دریا کے اس پار جا رہے تھے تو دوسو کے لگ بھگ جانور دریا برد ہو گئے اور فوج کے جھتے جو ہاتھوں میں ہاتھ دیئے دریا پار کر رہے تھے، میں سے کئی سکھ بھی ڈوب گئے۔ انگریزوں نے اسی دن چکدرہ کے نزدیک راموڑہ کا عظیم الشان قلعہ مسمار کر ڈالا جو سلطنت جندول کے قلعوں میں فن تعمیر کا ایک مثالی نمونہ تھا۔ قلعہ کے برجوں کو بارود سے اڑا کر انگریز فوج براستہ تالاش منڈا قلعہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ چکدرہ تا سدو بتیس کلومیٹر کا یہ سفر انگریزوں کے لئے کانٹوں پر پیدل چلنے کے مترادف تھا اسلئے کہ جہاں یہ فوج جنگل یا مشکل پہاڑی پر سے گزرتی تو مجاہدین ناگہانی حملہ کر کے انگلستانی فوج کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔

سدو کی لڑائی

11 اپریل کو انگریز فوج نے سادو (سدو) پہنچ کر پڑاو ڈالا۔ یہاں سے عمرا خان کا اہم قلعہ منڈا تیرہ کلومیٹر کے لگ بھگ فاصلے پر رہ گیا۔ فوج کے حصے نے اڑتالیس گھنٹوں میں دریائے پنجکوڑہ پر ایک اور پل بنایا۔ اگلی صبح طوفانی بارشوں سے ایک بڑا سیلاب پل کو بہا لے گیا۔ پل ٹوٹنے سے انگریز فوج دریا کے اس پار اور کامرانی سر پر تقسیم ہو کر رہ گئی کیونکہ فوج کا ایک حصہ پہلے سے دریا کر چکا تھا۔ کامرانی پہاڑی سے انگریز فوج کی نظریں گوسم اور آس پاس کے گاؤں پر جمی تھی۔ جہاں سے لوگ اپنی جان بچانے کیلئے پہاڑوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ انگریز ان گاؤں کو خاکستر کر کے یہاں کے باشندوں کے کم و بیش پانچ سو سے زیادہ بھینس، گائے، بھیڑ، بکریاں پکڑ کر اپنے ہیڈ کوارٹر لانے میں مصروف تھے۔

برطانوی فوج کو منقسم دیکھ کر کامرانی سر سے ایک دفعہ پھر ہزاروں مجاہدین کے لشکر نے آ کر حملہ کر دیا۔ تھامس لکھتے ہیں کہ ''اس زوردار حملے میں ہمیں کافی نقصان پہنچ گیا، دریا کے اس پار سے مسٹر گارڈن نے ہماری پسپائی دیکھ کر توپوں کا رخ اس طرف کیا لیکن اس کے باوجود یہ لوگ ہماری طرف تیزی سے بڑھتے رہے۔ رسی نما غلیل (مچوغنہ) ہر دوسرے قبائلی کے پاس تھا، اتنی سنگ باری تھی

نمبر۱: The Story of a MInor Seige P.186

نمبر۲: ''معرکہ چترال''، صفحہ ۲۰۰

کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بھپرے چیتوں کی طرح ان قبائل نے ہماری فوج کے ایک حصے کو گھیرے میں لیا تھا"۔ انگریز فوج کا ایک بڑا حصہ جو لوٹے پل سے اس پار جا چکا تھا وہ سیلابی دریا میں کھود کر میدان جنگ کی طرف جلد از جلد پہنچنا چاہتا تھا جس کی وجہ سے اس اجنبی دریا نے بھی حواس باختہ انگریز فوج کو مشکلات میں ڈالا۔

لفٹیننٹ لاک ہاٹ کی توپوں کی گولہ باری نے مجاہدین کو انگریزوں کے دوسرے فوجی دستوں کی آمد تک مصروف رکھا۔ کبھی انگریز پسپا ہوتے اور کبھی مجاہدین آخر کامرانی سر قبائلیوں کے قبضے میں آیا۔ ایچ سی تھامس لکھتے ہیں کہ "ہمارا پسپا لشکر پیچھے ہٹتے، کسکتے، مخالفین پر وار کرتے ہوئے اس پہاڑی سے اتر رہا تھا۔ موقع پاتے ہی چھپے ہوئے لشکر نے پیچھے سے آ کر سنگوکس (شگوکس) کی چٹان نما پہاڑی سے ہم پر ایکدفعہ پھر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ اگر توپ ان کے اوسان خطا نہ کرتی تو ہم میں ایک بھی زندہ نہ بچ پایا جاتا۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ "قبائلیوں کے لشکر میں چونکہ 1857ء کے باغی انگریز سپاہی بھی تھے اس لئے وہ ہر جنگی چال کو سمجھتے اور حملوں کا بھرپور جواب دیتے تھے۔ اس لڑائی میں پانچ سو سے زائد مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا جبکہ انگریزوں کی طرف سے کرنل کالبوت، کیپٹن فیلپز، کرنل بٹائے سمیت تینتیس برطانوی سپاہی مارے گئے اور درجنوں سپاہی شدید زخمی ہوئے۔ یاد رہے کہ یہاں سے درجنوں مجاہدین کو گرفتار کر کے بعد میں ہندوستان لے جایا گیا۔ گوالیار قلعہ میں نظر بندان قیدیوں میں شاذ و نادر کوئی قیدی رہا ہوا ہو۔

شام کو لڑائی ختم ہوئی اور میجر ایلمر دریا پر دوبارہ پل باندھنے میں کامیاب ہوئے۔ کیپٹن فیبل، کرنل بٹائے، کرنل کالبوت اور دوسرے سپاہیوں کو تدفین کیلئے روانہ کیا گیا۔ ایک انگریز کے مطابق "وہ اپنے ساتھیوں کی موت سے نڈھال تھے۔ یہ رات بڑی لمبی تھی کسی کو نیند نہ آئی اس رات شدید طوفان کے ساتھ بارش بھی ہوئی کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں تھی جہاں کھلے آسمان تلے انگریز اپنے آپ کو بارش اور طوفان سے بچا سکتے"۔

---

[1] یاد رہے کہ کیپٹن پیبل توپ گاڑی کا موجد اور برطانیہ کا ایک مشہور سائنسدان تھا۔

گوسم کی لڑائی

17 اپریل کو دونوں بریگیڈ کو منڈا کی طرف پیش قدمی کا حکم ملا۔ 19 اپریل کو گوسم میں مجاہدین ایک دفعہ پھر برطانوی فوج کے سامنے نمودار ہوئے۔ اس محاذ پر انگریزوں نے ایک دفعہ پھر خون خرابے کا بازار گرم رکھا۔ اس جنگ کے اختتام پر تین سو مجاہدین کے مقابلے میں صرف تین انگریز مارے گئے اور آٹھ شدید زخمی ہو گئے۔ تین سو مجاہدین کے مقابلے میں صرف تین انگریزوں کا مارا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں بھی دور سے صرف توپوں کا استعمال کیا گیا۔

گوسم کے محاذ پر مجاہدین کی مزاحمت عمرا خان کو بچانے کی آخری بھرپور کوشش تھی۔ سب سے پہلے مجاہدین نے ملاکنڈ پر انگریزوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی۔ ایک انگریز ملاکنڈ معرکہ کے شہیدوں کی تعداد پانچ سو اور ایچ سی تھامس یہ تعداد بارہ سو بتاتے ہیں۔ پھر امان درہ پر آٹھ سو اور چکدرہ پر ڈھائی سو کے لگ بھگ مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا اور جب انگریز چکدرہ سے سدو تک آ رہے تھے تو قبائلی جگہ جگہ ان پر حملے کرتے رہے۔ یہی تعداد انگریزوں کی تحریروں میں ذکر نہیں۔ اس طرح سدو محاذ پر پانچ سو اور گوسم پر تقریباً تین سو مجاہدین نے اپنے جانوں کے نذرانے پیش کئے۔

سپہ سالار جندول عبدالماجد کی غداری

انگریزوں کے ہاتھوں ملاکنڈ محاذ پر شکست کا سن عمرا خان دروش قلعے سے فوراً واپس منڈا پہنچا تھا۔ چکدرہ محاذ پر اپنے بھائی کو بھیج کر ان کا یہ مہم ناکام ہوا تو اس نے ایک اور لشکر سدو کے محاذ پر روانہ کیا۔ ساتھ ہی دن رات مہمند اور سالارز و قبائل کے عمائدین کو اپنے پاس بلانے میں مصروف تھا تا کہ ان جنگجو قبائل کو ساتھ ملا کر منڈا قلعہ میں انگریزوں سے مضبوط ٹکر لیا جا سکے۔

ان تیاریوں کے ساتھ ساتھ عمرا خان نے اپنے سپہ سالار فوج اور چچا زاد بھائی عبدالماجد کو پیغام بھیجا کہ وہ فوری طور پر چار ہزار نفری کے ساتھ منڈا قلعہ پہنچے لیکن عبدالماجد نے انگریزوں سے ساز باز کر کے جندول کی اقتدار اور تین ہزار روپیہ لینے کی لالچ میں جندول کا وہ لشکر بھاری اسلحہ سمیت چترال میں ٹھہرا دیا۔ عبدالماجد کے اس ٹال مٹول سے عمرا خان چکدرہ، سدو اور گوسم محاذوں پر انگریزوں سے بھرپور ٹکر نہ لے سکا۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بیس ہزار انگریز لشکر کے مقابلے

کے لئے وہ اپنے بھائی کی کمان میں صرف چار ہزار لشکر چکدرہ بھیج سکا، سدو اور گوسم کے محاذوں پر جندولی لشکر کی تعداد اس سے بھی کم ہو کر رہ گئی۔

عبدالماجد کی غداری جندولی لشکر کی طاقت کے لئے اسلئے بھی ایک بڑا دھچکا تھا کہ جندول کے بیشتر اسلحہ گودام چترال حملہ کے لئے خالی ہو چکے تھے اور منڈا محاذ پر عمرا خان کے پاس صرف ایک ہزار غازیوں کے ساتھ اسلحہ موجود تھا جس سے بیس ہزار مسلح انگریز فوج کے سامنے آنا خودکشی کے مترادف تھا۔

منڈا کی طرف پیش قدمی

ملاکنڈ، اماندرہ اور دوسرے مقامات پر انگریزوں کا جارحانہ انداز اور سینکڑوں مجاہدین کی شہادت، اسلحہ کی کمی اور کمزوری، یہ سب دیکھ کر عمرا خان نے مذاکرات کے دوران کافی لچک کا مظاہرہ کیا اور ان دو انگریز فوجی افسران کو بھی رہا کیا جنہیں چترال سے گرفتار کر کے باڑوہ میں قید کیا گیا تھا۔ منڈا قلعہ کے نزدیک پہنچ کر خان ناوا گئی ایک بڑے لشکر کے ساتھ پہنچ کر انگریز لشکر سے آملا۔ سر رابرٹ لاء نے عمرا خان کو مذاکرات کے لئے خط بھیجا تاکہ اسے اس چال سے زندہ گرفتار کیا جا سکے۔ عمرا خان کے جواب کو ایک انگریز یہ رنگ دیتا ہے۔

Umra khan replied you send away your army and I will send away mine ,and then you and I can have our conversation alone in the field.

"میں ہزاروں غازیوں میں گھیرا ہوا ہوں جو مجھے باہر نہیں آنے دیتے۔ بہتر یہی ہوگا کہ میں اپنے لشکر کو دور ہٹاؤں اور آپ بھی اپنی فوج کو ہٹا دیں تب ہم دونوں نکل کر بات چیت کر سکتے ہیں"۔

یہ ایک دلیرانہ اور عقلمندانہ پیش کش تھی لیکن سر رابرٹ لاء کو انڈین گورنمنٹ سے حکم ملا تھا کہ [illegible]و گرفتار کیا جائے، مارا جائے یا ہندوستان سے باہر کیا جائے، شاید اسلئے اس نے یہ پیشکش [illegible]ادی۔ ابھی دن کا کچھ حصہ باقی تھا کہ قبائلی اور انگریز افواج ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے لیکن معمولی جھڑپ کے بعد انگریزوں نے اندھیرا سر پر آنے کی وجہ سے پیش قدمی روک دی۔ شام کو جنگ بندی ہوئی اور انگریز صبح ایک بڑے جنگ کیلئے بھرپور تیاری میں مگن تھے۔

عمرا خان کا اپنے دیس کو خیر باد کہنا

اس شام کو عمرا خان منڈا قلعہ میں دیر، جندول، مہمند اور سلارزئی اقوام کے سفید ریشوں کے ساتھ موجود تھا۔ اپنی مشاورتی کونسل سے انھوں نے ایک خفیہ جرگہ کیا۔ شام کی نماز پڑھنے کے بعد وہ قلعہ کے ایک محفوظ مقام سے باہر نکلا اور قلعہ بند ایک ہزار مسلح جوانوں کے سامنے ایک بلند مقام پر کھڑا ہو گیا۔ ہر جنگجو اپنے ہر دلعزیز حکمران کے گویا ہونے کیلئے بے چین تھا آخر ہجوم کی خاموشی جندول خان کے ان الفاظ سے ٹوٹ گئی۔

''اگر میرے پاس ملاکنڈ میں سولہ سو بہادر سپاہی ہوتے تو انگریز ملاکنڈ سے کبھی پار نہ آسکتے۔ اس شکست پر مجھ سے تو اقتدار گیا لیکن لوگوں سے ایمان گیا۔ مجھے انگریزوں نے نہیں بلکہ دوستوں اور رشتہ داروں نے شکست دی۔ میں افغانستان جا کر وہاں سے افغان لشکر لاؤں گا اور آخر وقت تک دشمن کے خلاف لڑوں گا''۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے انھوں نے مکرانی ملا کی وہ پرچی دکھائی جسمیں عوام کو جہاد میں حصہ لینے سے روکنے کا پیغام تھا۔ آخر میں عمرا خان نے عوام سے کہا کہ ''وہ قلعہ کا سارا سامان لے جائیں''۔

یہ پیغام دے کر وہ چالیس سپاہیوں کیساتھ گھوڑوں پر سوار اپنے دیس کو خیر باد کہہ کر روانہ ہوئے۔ روایت مشہور ہے کہ میاں کلی کے پاس ہنہناتے گھوڑے روک کر عمرا خان نے منڈا قلعہ کا نظارہ کیا اور آہ بھرتے ہوئے دوبارہ لگام کھینچی۔

انگریز لکھتے ہیں کہ ''ہمیں توقع نہیں تھی کہ عمرا خان جیسا شخص اتنی آسانی سے منڈا قلعہ چھوڑ دے گا''۔ اگلی صبح انگریز فاتحانہ انداز میں منڈا قلعہ میں داخل ہوئے، قلعہ ویران و سنسان پڑا تھا کیونکہ رات کو منڈا قلعہ پر یورش (تالان)[1] کر کے سب کچھ لے گئے تھے۔ منڈا قلعہ میں دو توپوں پر فارسی زبان میں جو الفاظ درج تھے۔ ایک انگریز ان کو یہ رنگ دیتا ہے۔

Its mouth is open to eat. what shall i call it?

A gun or a serpent! this gun is most heavy, and

makes victory certain. There is none like it in india or kabul.

---

[1] جب عوام اناج یا سامان پر یورش کر کے لے جائے۔



افغان نپولین خان عمرا خان جندول



سپہ سالار جندول عبدالماجد

ریلیف آف چترال فورس کی چترال پیش قدمی

منڈا قلعہ میں ہر چیز کو الٹ پلٹ کر اطمینان کے بعد ریلیف فورس نامی یہ فوج فاتحانہ انداز میں جان بھٹی سر کے ذریعے درّہ براول سے ہو کر دیر خاص پہنچا، جہاں خان محمد شریف خان کو اقتدار کی کرسی پر بٹھایا گیا، اور پھر انگریزوں نے لواری پہاڑی سے ہو کر چترال شاہی قلعے کی راہ لی۔ دیر و جندول کی سرزمین پر فرنگی فوج کی یہ فاتحانہ انداز پیش قدمی دیکھ کر انگریز نواز لوگوں میں غیرت جگانے کیلئے اس زمانے میں یہ ٹپہ مشہور ہوا۔

چرتہ انگریز چرتہ چترال دے : بے ننگی زور شوہ انگریزان چترال تہ زینہ

کہاں انگریز اور کہاں چترال۔ بے حمیتی بڑھ گئی ہے اس لئے انگریز چترال تک رسائی حاصل کر رہے ہیں۔

جب انگریز چترال پہنچے تو وہاں تقریباً ساڑھے پانچ سو سپاہی 3 مارچ سے 19 اپریل تک محصور تھے۔ اس فوج میں سے ایک سو چار 104 سپاہی ہلاک اور باسٹھ 62 زخمی ہو چکے تھے۔ سر رابرٹسن لکھتے ہیں کہ ''6 اپریل تک ہمارے چوراسی 84 سپاہی مریض ہو چکے تھے، اور جو زندہ تھے وہ اپنے آپ کو مردہ سمجھ چکے تھے''۔ انہیں آزاد کر کے قلعے کا محاصرہ ختم کرایا اور چترال کے اقتدار پر قابض امیر الملک کو گرفتار کر کے ہندوستان لے جایا گیا جبکہ چودہ سالہ شہزادے شجاع الملک کو مہتر چترال تسلیم کیا گیا جو 1936ء تک مہتر رہے۔

شیر افضل کی گرفتاری

عمرا خان کی شکست پر اس کا اتحادی شیر افضل انگریزوں کی گرفتاری سے بچنے کیلئے بشغار بھاگ گیا تھا۔ چترال کا اقتدار چونکہ چودہ سالہ نوعمر شہزادے شجاع الملک کو سونپ دیا گیا تھا اسلئے انگریز تختِ چترال کے لئے شیر افضل کو خطرہ سمجھتے رہے یا یہ کہ وہ نظر بند عمرا خان سے ایک دفعہ پھر ساز باز نہ کریں۔ تاریخ اقوام چترال نامی کتاب کے مطابق'' دیر کے نواب اوّل خان محمد شریف خان نے شیر افضل سمیت کوہ کن بیگ، یادگار بیگ، محمد افضل بیگ اور دانیال بیگ کو ایک دعوت پر دیر محل بلایا اور یوں انگریزوں نے انھیں آسانی سے گرفتار کرلیا۔ بعد میں چترال شاہی خاندان کے ان شہزادوں کو

ہندوستان روانہ کیا گیا۔

عمرا خان کی افغانستان آمد

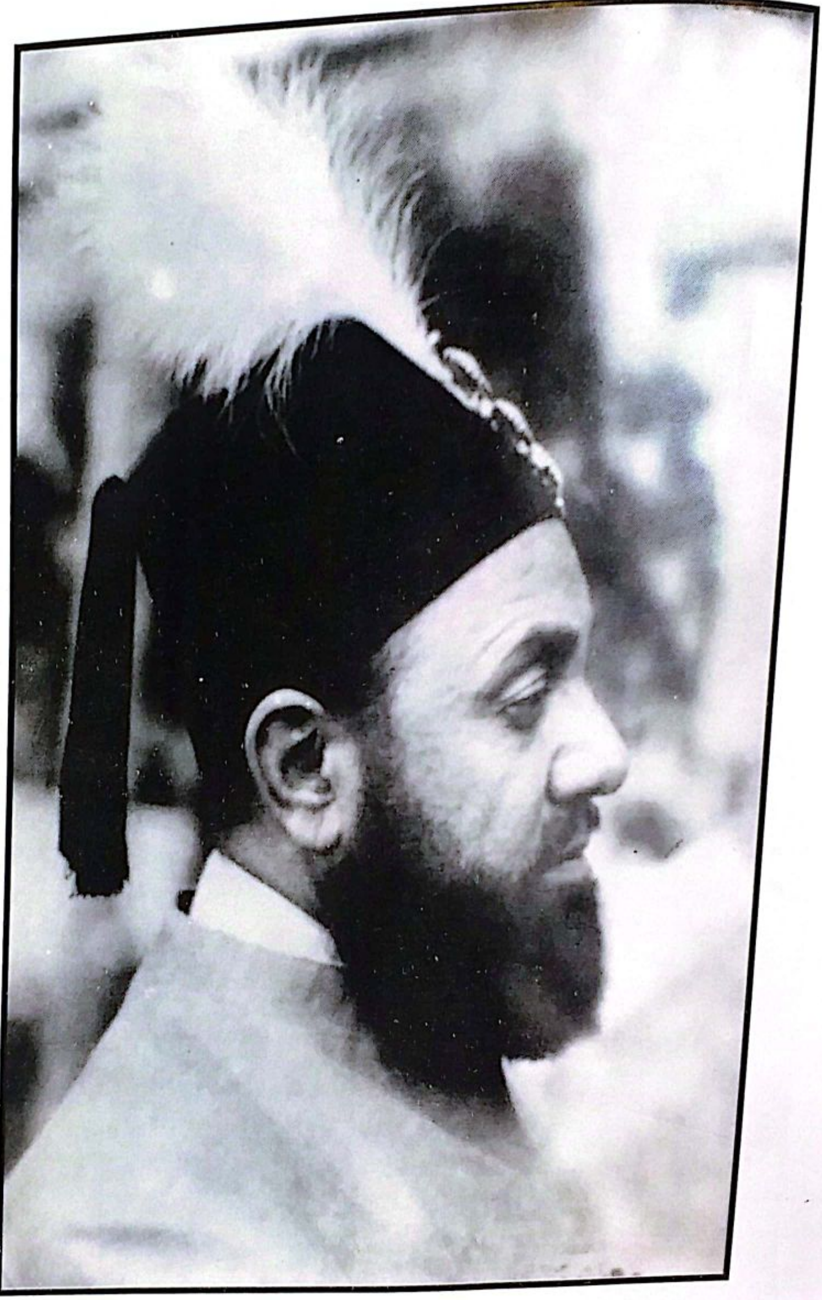
افغانستان داخل ہو کر جلال آباد کے گورنر شاہ محمد خان نے عمرا خان کو خوش آمدید کہا، ٹھہرانے پر عمرا خان نے کہا "میں یہاں آنے پر انتہائی پشیمان ہوں بہتر یہ ہوتا کہ میں لڑتے لڑتے شہید ہو جاتا یا ان کے ہاتھوں قیدی بن جاتا"۔ امیر عبدالرحمٰن نے جندول کے معزول خان کو وادی چاردہ کے علاقہ میں ایک خوبصورت قلعہ دے کر چوبیس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ بھی مقرر کیا۔ بعد میں انھیں عدالتی فیصلوں کے اختیارات دینے کے علاوہ ان کی اولاد کو افغانستان کی حکومت نے صوبہ مزار شریف کے علاقہ "کا پیسہ" کے کوہستان میں کافی جائیداد بھی دی۔

جندول پر حملے میں ناکامی

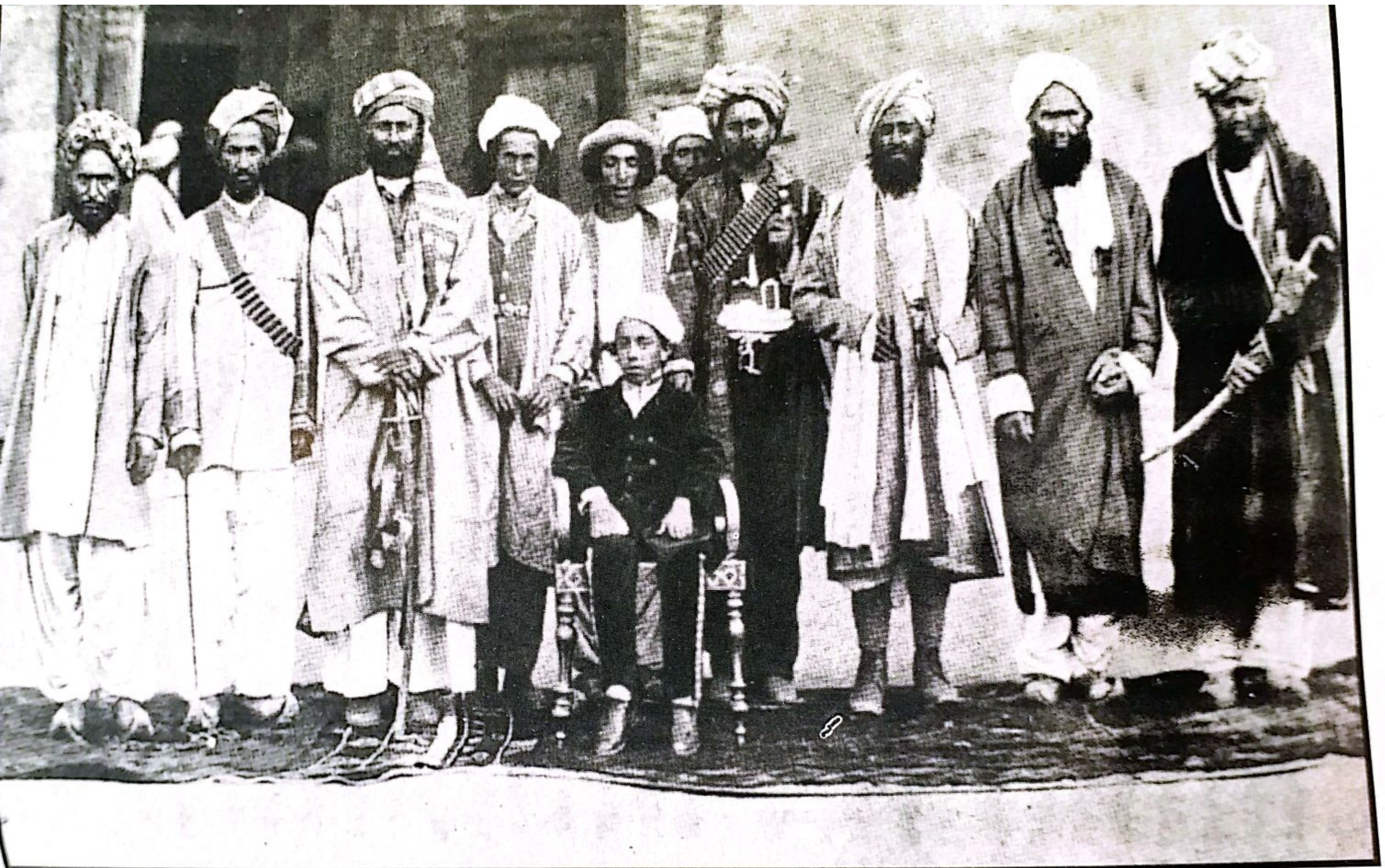
عمرا خان نے افغانستان جاتے ہوئے اس شام کو یہ الفاظ کہے تھے کہ میں افغانستان سے لشکر لا کر دشمن کے خلاف آخری دم تک لڑوں گا لیکن افغان حکومت کی انگریز وفاداری سے انھوں نے وہاں حالات کچھ اور پائے۔ اگرچہ انھیں امیر افغانستان کی طرف سے کئی مراعات دی گئیں لیکن انگریزوں نے امیر عبدالرحمٰن کو عمرا خان پر نظر رکھنے کیلئے کہا تھا یہی وجہ تھی کہ ان پر پچاس سپاہی ہر وقت پہرا دیتے۔ کہتے ہیں کہ دوران نظر بندی عمرا خان طرح طرح کے منصوبے بناتا تھا لیکن عملی طور پر وہ آخری وقت تک ایک بڑا لشکر تیار کرنے میں ناکام رہا۔

سوات غالیگی میں رہائش پذیر عمرا خان کے پوتے اسد اللہ متین کے مطابق چار شرعی بیویاں رکھنے کے پابند میرے دادا کی کل چھ بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی کامدیش بی بی (نورستانی) دوسری نواب اوّل خان محمد شریف خان کی بہن، تیسری میدان بانڈئی خانان کی بیٹی، چوتھی میاں کلی صاحبزادی (عبدالمتین کی ماں) اور ایک بیوی مہتر امان الملک کی بیٹی تھی۔ عمرا خان کے ان چھ بیویوں سے دس بیٹے تھے۔ عبدالمتین خان، عبدالرحیم خان، عبدالحمید خان، عبدالاکبر خان، عبدالوہاب خان، عبدالکریم خان، عبدالواحد

[1] شاہی خاندان کے یہ افراد انگریزوں کے ہاں عمر بھر قید رہے۔ 1934ء میں مہتر شجاع الملک نے ان قیدیوں کی لاشوں کو تابوتوں میں بند کر کے ہندوستان سے لا کر چترال کے شاہی قبرستان میں دفن کر دیا۔



مہتر شجاع الملک کی ایک اور یادگار تصویر



شہزادہ شجاع الملک چترال کے عمائدین کے ہمراہ

عمراخان کی کمزوریاں

عمراخان کی ذہانت، بیدار مغزی اور حکمرانی کی صلاحیتوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انھوں نے صرف بیس سال کی عمر میں اقتدار حاصل کیا اور پندرہ سال تک انھوں نے حکومت کی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان سے اقتدار جاتا رہا تو اس وقت بھی ان کی ذہنی پختگی میں پانچ سال باقی تھے۔ اگرچہ عمراخان نے بہت سے عقلمندانہ فیصلے کئے لیکن ان کی بعض پالیسیاں قابل تنقید بھی ہیں۔

زورآزمائی پر یقین رکھنا

اگر عمراخان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ ہندوکش سے پشاور تک پختونوں کو متحد کر کے ایک اسلامی ریاست بنائے تو اس مقصد کیلئے انھوں نے سیاسی، مذہبی بزرگوں کو اعتماد میں لینے ان سے مشاورت کرنے اور کئی دوسرے طریقوں کی بجائے زور و طاقت کا استعمال زیادہ کیا۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ پختونوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ پختون قوم پر راج کرنے کیلئے سکندر اعظم، بابر اور اورنگزیب جیسے طاقتور بادشاہوں نے ان سے پیار بانٹا، ان کے سرداروں کیلئے تحائف بھیجے تب جا کر انھوں نے یہاں حکومت کی۔ عمراخان اس کے برعکس طاقت اور تلوار کے زور پر آس پاس کے حکمرانوں کو خاموش کرنا چاہتا تھا لیکن یہ اس کی بھول تھی۔

اس زمانے میں پورے صوبہ سرحد میں بزرگان دین کا خان اور ملک سے زیادہ اثر ورسوخ تھا اگر عمراخان ایک اسلامی ریاست بنانے کا خواہشمند تھا تو چاہیے یہ تھا کہ وہ پشاور تا لواری ایسے بزرگوں اور ان کے پیروکاروں کو اعتماد میں لے لیتا۔ جن کی مذہبی قوت کے سامنے یہ حکمران بے بس ہو کر خود بخود سلطنت جندول کے ساتھ الحاق کی حامی بھر لیتے۔

رشتہ دار اور پڑوس حکمرانوں پر حملے

عمراخان دیر کے حکمران خان رحمت اللہ خان اور چترال کے حکمران مہتر امان الملک کا داماد تھا عمراخان کا سوات سے بھی رشتہ تھا کیونکہ ان کی ایک بیوی (چترال بی بی) کی بہن سیدو بابا کی بہو

تھی۔عمراخان کی ایک بہن امیر عبدالرحمٰن کی بہو تھی یعنی جندول اور افغانستان کا اس نسبت سے رشتہ تھا
عمراخان نے ان رشتہ داروں پر بھی تلوار اٹھائی اور یوں دیرا ور چترال کے تختے الٹنے میں کوئی کسر نہ
چھوڑی۔اگر دیر و چترال کو آزاد چھوڑا جاتا تو عمراخان آس پاس کے علاقوں پر اثر ورسوخ بڑھا سکتا تھا
افغانستان پر حملہ بھی عمراخان کی ایک بڑی بھول تھی کیونکہ افغانستان سے جندول کا خوشگوار تعلقات رکھنا
نہایت اہم تھا۔

1890ء میں جب عمراخان نے دیر قبضہ کیا تو پانچ سالہ دور اقتدار میں عمراخان کے بھائی نے
گورنر کی حیثیت سے دیر کے سلطان خیل و پائندہ خیل سے سخت رویہ اپنایا اور ان سے سختی کے ساتھ عشر
وصول کیا۔یہی ایک وجہ تھی کہ جب انگریز عمراخان پر حملے کر رہے تھے تو ان قبائل نے عمراخان کا ساتھ
دینے سے معذرت کی ۔

نظام حکومت پر کم توجہ دہی

پندرہ سالہ دور اقتدار میں عمراخان نے نظام حکومت کی بہتری کے بجائے اپنا بیشتر وقت جنگی
مہمات میں گزارا۔بار بار جنگوں کی وجہ سے جندول کی سلطنت معاشی، تعلیمی اور زندگی کے دوسرے شعبوں
میں اتنی ترقی نہ کر سکی ۔اگر جنگی مہمات کے ساتھ ساتھ نظام حکومت پر توجہ دی جاتی تو جندول معاشی لحاظ
سے مضبوط ہوجاتا اور آس پاس کے حکمران جندول کی معاشی خوشحالی اور ترقی سے متاثر ہو کر سلطنت
جندول کے ساتھ الحاق کر لیتے۔

طاقت کا موازنہ

عمراخان کو برطانوی جیسے بڑی طاقت سے ٹکر لینے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ ہندوستان کی
حکومت کتنی منظم اور مضبوط ہے اور آس پاس کے حکمرانوں میں انگریزوں کے خلاف کون میرا ساتھ
دیگا۔عمراخان کو اپنی دفاعی طاقت پر بھی نظر ثانی کرنی چاہیے تھی کہ آیا ان کے اسلحہ گودام کے بندوق انگریز
حکومت کے ساتھ سینگ لڑانے کے قابل ہیں یا نہیں۔انھوں نے چترال اور افغانستان حملوں کے دوران
انگریزوں کی دھمکیوں کا سختی سے جواب دیا اور جب انگریز فوج ان کے نزدیک پہنچی تو تب کہیں جا کر

انھوں نے لچک کا مظاہرہ شروع کیا جو اس وقت بے کار تھا۔

ایک انگریز لکھتے ہیں کہ ''ایک دن ہماری فوج ہندوستان کے جنگل سے ریل گاڑی میں گزر رہی تھی کہ اچانک دور سے ایک چیتا (ٹائیگر) نمودار ہوا اور ایک پنجہ اٹھائے پٹڑی پر سینہ تان کر کھڑا ہو گیا ہم نے گاڑی روکنے کی پوری کوشش کی لیکن فاصلہ کم تھا۔ نزدیک آ کر چیتا ریل پر حملہ آور ہوا اور نیچے آ کر مر گیا۔ ہم نے ریل کو روکا اور چیتے کو دفنا کر اس کی قبر پر یہ یادگار الفاظ لکھے ''ہم تمہاری بہادری کو سلام کرتے ہیں لیکن کاش! اگر تم اپنی زور آزمائی اتنی بڑی طاقت کے خلاف نہ کرتے''۔ وہ لکھتے ہیں اسی طرح اگرچہ عمرا خان ایک نڈر حکمران تھا۔ ان شمالی علاقوں میں ان سے پنجہ آزمائی کرنے والا کوئی نہ تھا لیکن انگریز کی طاقت ان سے کئی گنا زیادہ تھی۔ ینگ ہسبنڈ لکھتے ہیں کہ ''اگر عمرا خان انگریزوں سے نہ لڑتا تو شاید انڈین گورنمنٹ کی طرف سے انھیں پشاور تا لواری کا حکمران تسلیم کر لیا جاتا''۔

عمرا خان کی جنگی تیاریاں

عمرا خان کے خلاف یہاں سے انگریزوں نے جتنی جنگی تیاریاں اور سرگرمیاں شروع کیں اس کے مقابلے میں جندول کے فوجی افسران اور عمرا خان کی پالیسیاں کافی کمزور ثابت ہوئیں۔ اگرچہ انگریزوں کی پانچ سو کے لگ بھگ فوج چترال میں محصور تھی۔ انڈین گورنمنٹ کو یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ ان کی محصور فوج گھوڑوں کی گوشت پر گزارہ کر رہی ہے لیکن پھر بھی انگریز سرکار نے ایک ماہ بعد پشاور سے اس وقت فوج روانہ کی۔ جب اس نے عمرا خان کی ہر کمزوری معلوم کی۔ ان کے گھرانے اور فوج میں پھوٹ ڈالی، بعض بڑے بڑے لوگوں کو انگریز نواز کیا حتیٰ کہ بعض اسلام پسند علماء کو بھی طرفدار بنایا۔

جندول خفیہ ایجنسیوں کی نا اہلی

عمرا خان کے خلاف انگریز خفیہ ایجنسیوں نے بڑی کامیابی سے عمرا خان کی ہر کمزوری معلوم کی بے ایمان لوگوں کو ڈھونڈ کر ان کیلئے وظیفے مقرر کیئے۔ حکومت جندول کا بھی اپنا ایک جاسوسی نظام تھا لیکن عمرا خان کو انگریزوں کی ان سرگرمیوں کی پل پل کی خبر نہ مل سکی جس کی وجہ سے وہ معقول جنگی تیاری نہ کر سکا۔ ملاکنڈ سے گوسم تک پانچ محاذوں پر جو لڑائیاں لڑی گئیں۔ ان میں سے دینی بزرگان اور علماء نے عوام کو جہاد کیلئے ابھارا اور نہ ان محاذوں پر جندول فوج کی نہایت کم تعداد کے ساتھ انگریزوں کی بیس ہزار

لشکر کے سامنے آجاتی۔عمراخان کو اپنے سپہ سالار عبدالماجد کا انگریزوں سے ساز باز کا بھی بہت بعد میں پتہ چلا جس کی وجہ سے اس کو سخت مایوسی ہوئی اور وہ مزید جنگی تیاریوں سے دلبر داشتہ ہو گیا۔

عمراخان کے کارنامے

ہماری تاریخی پسماندگی کے سبب آج نئی نسل کو عمراخان کا نام تک یاد نہیں۔ان کی زندگی اور مہمات پر ینگ ہسبنڈ، سررابرٹ لاء، سررابرٹسن، جان لو، ایچ سی تھامس، ایڈورڈ اور فاؤلر جیسے عظیم برطانوی کمانڈروں نے درجنوں کتابیں لکھیں۔برطانیہ کے سابق وزیر اعظم چرچل نے انھیں اپنی کتاب ''ملاکنڈ فیلڈ فورس'' میں افغان نپولین کا خطاب دیا تھا۔یہ کتابیں آج لندن اور اکسفورڈ کی لائبریریوں کی زینت ہیں۔یہی عمراخان پندرہ سال تک دہلی اور لندن کے درباروں میں اہم موضوع رہا کیونکہ انھوں پورے ہندوستان پر حکومت کرنے والے انگریزوں کو جنگ آزادی کے بعد ایک دفعہ پھر مشکل میں ڈالا تھا۔الغرض عمراخان کی زندگی اور مہم جوئیاں صوبہ سرحد اور پورے پاکستان کی تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔

ایک بڑی سلطنت کا تصور پیش کرنا

1879ء میں اقتدار لینے سے پہلے عمراخان کی اپنے بھائیوں کے ہاتھوں جلاوطنی کی بیشتر زندگی سوات کے علاوہ زیادہ تر پشاور میں گزری تھی۔1880ء میں حج اوّل کے سفر پر، ان کو پیدل کئی ملکوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔دوران حج انہیں اپنے پیر سید اکبر شاہ کے مرید کی حیثیت سے مکہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء و مشائخ سے مل بیٹھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی تھی۔یہی وجہ تھی کہ بہت کم عمری میں وہ نہ صرف ایک روشن دماغ اور زیرک انسان بن چکے تھے بلکہ جندول کو شاید ایک عظیم سلطنت بنانے کا خواب وہ جلاوطنی میں دیکھا کرتے تھے۔

1511ء میں یوسفزئیوں کے ہاتھوں دیر اور سوات قبضہ ہونے کے بعد دیر، سوات اور جندول میں روایتی حکمران چلے آرہے تھے لیکن یوسفزئیوں کے برادری کے ترکلانی قبیلہ میں پیدا ہونے والے عمراخان نے پہلی دفعہ ایک وسیع اور بڑی سلطنت قائم کرنے کا تصور پیش کیا اور اسمیں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔19 اپریل 1895ء تک ان کی سلطنت ''جندول'' کی حدود دیر اور جندول سمیت چترال

تا سخا کوٹ، نورستان وادی سوات، ادین زئی، شموزئی، باجوڑ اور ارنگ برنگ کے کچھ حصوں تک پھیلے ہوئے تھے جن کا کل رقبہ پچیس تا تیس ہزار مربع کلومیٹر تھا۔ وہ شمالی مغربی سرحدی صوبے کو ہندوستان سے کاٹ کر انھیں ایک آزاد اسلامی ریاست بنانے کے خواہشمند تھے لیکن انگریزوں کے جارحانہ حملوں سے ان کا خواب ادھورا رہ گیا۔

عمراخان کی قانون سازی

جندول کا اقتدار ہاتھ میں لے کر عمراخان نے 1857ء کے جنگ آزادی کے باغی مسلمان افسران کو پشاور اور نوشہرہ سے بلا کر انھیں اپنی مشاورتی کونسل میں شامل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت جلد جندول کو ایک جدید سلطنت میں تبدیل کر کے عمراخان نے دیر اور جندول کو تحصیلوں میں تقسیم کیا اور تحصیلداری، صوبیداری، جمالداری کا نظام قائم کیا۔

عمراخان کا سب سے بڑا کارنامہ شرعی عدالتی نظام کا قیام تھا۔ وہ ان شمالی علاقوں میں پہلے حکمران تھے جنہوں نے سرکاری طور پر اسلامی شرعی نظام عدالت قائم کیا اور اس کے ساتھ ساتھ شرعی طور پر فصل کا دسواں حصہ ''عشر'' بطور ٹیکس بھی مقرر کیا۔ یاد رہے کہ 1523ء میں شیخ ملی نے یوسفزئی اور پختونوں کیلئے کچھ قوانین وضع کئے۔ یہ قانون مثلاً چور کو جوتوں کا ہار پہنانا، بے نمازوں کا منہ کالا کر کے بازار میں گدھے پر بٹھا کر گھمانا، گھر سے بھاگی لڑکی کی سزا سر منڈوانا وغیرہ۔ یہی قوانین 1523 تا 1880ء تک دیر، سوات، جندول اور باجوڑ میں مروج چلے آرہے تھے۔ عمراخان نے ان قوانین کی جگہ پہلی دفعہ اسلامی عدالتی نظام قائم کیا۔

عمراخان کے دور میں سرکاری زبان فارسی تھی جو دیر کے تینوں نوابین کے دور اقتدار میں بھی رائج رہی۔ جاسوسی کے نظام کے قیام کے علاوہ 1960ء تک ریاست دیر اور جندول میں رائج فارسی نظام تعلیم کا بانی بھی عمراخان تھا۔ عشر کے ساتھ بیگار کا نظام بھی ان کے دور حکومت میں رائج کیا گیا تھا۔ الغرض عمراخان نے جنگوں میں مشغول رہنے کے ساتھ ساتھ اپنے پندرہ سالہ دور اقتدار میں جو قانون سازی کی ،ان میں سے بیشتر قوانین 1969ء تک ریاست دیر اور جندول میں رائج رہے اور دیر کے چاروں نوابین بغاوتوں اور اندرونی انتشار میں مصروف ہونے کی وجہ سے کوئی خاص ترمیم نہ کر سکے۔

سلطنت جندول کو نا قابل تسخیر بنانا

چاروں طرف لشکر کشی کر کے سلطنت جندول کے تحفظ اور دفاع کیلئے فن تعمیر کے شائق عمرا خان نے جدید طرز کے شایان شان مضبوط قلعے تعمیر کرنے پر توجہ دی۔عمرا خان کی معزولی کے وقت باڑوہ، مسکینی، کامبٹ ، منڈا، سنگ پارہ، شاہی پاس ،شوہ، کیتیاڑئی ،بلامبٹ ،اوچ، تیمر گرہ، شہزادی ،ادین زئی، راموڑہ اور شموزئی تک بلند وبالا برجوں پر مشتمل بیالیس قلعے شان وشوکت سے کھڑے تھے۔ ان قلعوں کی دیواریں دس تا پندرہ فٹ موٹی اور تیس فٹ اونچی ہوتی تھیں جن کے اندر تہہ خانے، میخ زین خانہ، جنگی غاریں اور بڑے بڑے دروازے تھے۔

ان قلعوں کی مضبوطی کے متعلق ینگ ہسبنڈ لکھتے ہیں کہ ''سب سے مضبوط اور عالیشان راموڑہ (رامور) نامی قلعہ کے ایک برج کے نیچے ہم نے بارود رکھے۔ بارود پھٹنے سے آسمان تک دھوئیں کے بادل اٹھے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ برج بڑی آسانی سے گرے گا لیکن قلعے کا برج بدستور کھڑا رہا بعد میں معلوم ہوا کہ اس قلعے کی کھدائی بائیس فٹ گہری تھی۔

اسلحہ کارخانہ

عمرا خان نے 1882ء میں انگریزی اسلحہ کی نقل پر بندوق بنانے کیلئے جندول کے دارالحکومت باڑوہ میں اسلحہ کے دو کارخانے بنائے۔اس طرح آس پاس کے علاقوں کے وہ پہلے حکمران تھے جس نے اسلحہ سازی کا کارخانہ قائم کیا ۔یاد رہے کہ جنگ آزادی کے باغی اسلحہ کاریگروں کو پشاور اور مردان سے بلا کر ان کارخانوں کو کافی ترقی دی۔ چند سال بعد یہ کارخانے توپ سازی کے قابل ہوئے لیکن جندول حکومت نے جب بھاری تعداد میں سکاچ کمپنی سے اسلحہ خریدنے کا معاہدہ کیا تو پشاور کے کمشنر مسٹر ڈین نے اس کمپنی پر پابندی لگا دی۔ جس سے یہ کمپنی ہندوستان میں اپنا کاروبار چھوڑ کر مصر چلی گئی۔ اگر یہ اسلحہ جندول کے جنگجوؤں کے ہاتھ لگتا تو 1895ء کی لڑائیاں تاریخ میں کچھ اور نتیجہ لئے ہوئے ہوتیں۔

سلطان خیل و پائندہ خیل کے عمرا خان کے بارے میں تاثرات

دوران تحقیق پتہ چلا کہ عمرا خان سلطان خیل و پائندہ خیل قبائل میں بھی ایک ہر دلعزیز حکمران

تھا۔ یہ قبائل ان کے بارے میں بہت قابل تعریف الفاظ کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ''ہمارے آباؤاجداد پانچ سال تک ان کے رعایا رہے تھے۔ ہم نے ان سے سنا تھا کہ وہ ایک اسلام پسند حکمران تھا''۔ یہ قبائل اگر چہ نوابین کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن انکا ہر سفید ریش نوابین سے زیادہ عمرا خان کی تعریف کرتا ہے۔

تحریک ترکلانی کا آغاز

سلطنت جندول کا تختہ انگریزوں کے ہاتھوں الٹ کر جب دیر کے ساتھ جندول کا اقتدار بھی خان محمد شریف خان کے حوالہ کیا گیا اور انھیں نواب کا خطاب دیا گیا تو میدان، براول اور جندول میں آباد ترکلانی قبیلے اور عمرا خان کے وفاداروں نے نواب دیر کے خلاف آزادی کی تحریک لڑنے کا اعلان کیا۔ یہ تحریک چلتی رہی۔ نواب اوّل دوئم اور سوئم کے زمانے میں کبھی سید احمد خان کے ہراول دستے بن کر اور کبھی عمرا خان کے بیٹے عبدالمتین کے شانہ بشانہ لڑکر ترکلانی قبیلے نے آزادی جندول کیلئے تینتیس کے لگ بھگ جنگیں لڑیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ترکلانی قبیلے نے نوابین دیر کے خلاف ہر زمانے میں بغاوت کا نعرہ بلند کئے رکھا۔ نواب سوم محمد شاہ جہان کے دور میں ترکلانی قبائل کو دبانے کی بھرپور کوشش کی گئی ان سے امتیازی سلوک روا رکھا گیا اور انھیں عہدے یا مراعات نہ ہونے کے برابر دیئے گئے۔

آخر کار جب ان قبائل کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو وادی میدان (ترکلانی قوم کی ایک اہم وادی) کے عوام ایک طاقتور اور بارعب نواب شاہ جہان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نواب کے خلاف ایک بھرپور بغاوت کی۔ نواب کے خلاف اس جنگ میں ترکلانی قبیلے کے بچوں کی خون آلود کپڑے جب حکومت پاکستان کو پیش کئے گئے تو ترکلانی قبائل کی کوششیں رنگ لائیں اور حکومت پاکستان نے ردعمل کے طور پر نواب شاہ جہان کو گرفتار کرلیا۔ اگر چہ دیر کے حکمرانوں کے زوال کی چند اور وجوہات بھی تھیں لیکن تحریک وحدت ترکلانی اس کی ایک بڑی وجہ تھی جو سلطنت جندول کے زوال اور نوابی شروع ہونے کے اوّلین روز سے شروع ہوئی تھی اور جسمیں ترکلانی قبیلے کے ساتھ سلطان خیل قبیلے نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ (تفصیل بغاوت آئندہ کتاب میں دیکھیے)

ریاست دیر میں نوابی کا آغاز 1895ء

نواب اوّل خان محمد شریف خان 1895ء تا 1904ء

1895ء میں ملاکنڈ ایجنسی کا قیام عمل میں لاکر انگریزوں نے ملاکنڈ کو دارالخلافہ کی حیثیت دے دی اور پولیٹیکل ایجنٹ کو ریاست دیر، ریاست سوات، ریاست چترال کے حکمرانوں پر حاکم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ معاہدے کی رو سے 12 دسمبر 1897ء کو چکدرہ میں خان محمد شریف خان کو ریاست دیر کے پہلے نواب کا خطاب دیا گیا۔ اس روز چار سو رائفلوں کے علاوہ دس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کرنے کے ساتھ نواب کو عمرا خان کے خلاف ساتھ دینے پر پچیس ہزار کی رقم بھی ادا کردی گئی اور ان سے اس کے عوض درگئی معاہدہ کا پابند رہنے کا حلف لیا گیا۔

نواب اوّل کا نو سالہ اقتدار

نواب اوّل خان محمد شریف خان کا 1895ء تا 1904ء نو سالہ دور اقتدار، اندرونی خانہ جنگی پر محیط رہا اور اسے کبھی بھی ریاست کو ترقی دینے کا موقع نہیں ملا، سوائے ایک ہسپتال بنانے کی۔ انھوں نے پانچ ہزار روپیہ دے کر انگریزوں کی مدد سے ایک ہسپتال بنوایا۔ یاد رہے کہ یہ ہسپتال 1897ء کی بغاوت کے دوران قبائلیوں نے مسمار کیا تھا۔ وہ ریاستی انتظام میں بھی کوئی خاص تبدیلی نہ لا سکا اور ان کا سارا آئین عمرا خانی رہا۔

نوابی کا خطاب دینے کے کچھ عرصہ بعد انگریزوں نے سلطنت جندول کے عوض نواب سے اسّی ہزار کابلی روپیہ وصول کیا۔ روایت کے مطابق نواب ان دنوں بڑا تنگ دست تھا اور اسے یہی رقم ادا کرنے کیلئے کوہستان جنگل ٹھیکہ پر دینے کے علاوہ باقی رقم کی آدائیگی کیلئے گھریلو زیورات تک بیچنا پڑے۔ جندول خریدنے کا یہ سودا بعد میں نواب اور ان کے خاندان کو بہت مہنگا پڑا۔ اِسی جندول کو بزور شمشیر قبضہ میں رکھتے ہوئے وہ انگریزوں کے سامنے بے بس رہا اور انگریزوں نے ان سے اپنے مرضی کے معاہدے کئے۔

☆ 1895ء میں دیر سٹیٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا معاہدے کی رو سے سخاکوٹ سے ریاست دیر کی حدود لاکر چکدرہ میں مقرر کی گئیں۔

☆ تین سال بعد 1898ء میں ریاست کے شمال میں حدود عشریت سے لاکر لواری پاس مقرر کی گئیں۔

ان کے عہد حکومت میں انگریز ریاست دیر سے نہ صرف کافی مقدار میں آثار قدیمہ کے نوادرات اور دوسری قیمتی معدنیات لے گئے بلکہ کوہستان کے جنگلات کا اختیار بھی انگریزوں کے پاس رہا۔

1897ء کی بغاوت

برطانوی جھنڈے کو ملاکنڈ اور چکدرہ پر لہراتے ہوئے جب دو سال گزر گئے تو سرتور فقیر جو اس زمانے کے ایک مشہور مذہبی بزرگ تھے۔ سرتور فقیر جسے انگریزوں نے اپنی کتابوں میں Mad mullah لکھا ہے، کی پکار پر قبائل نکل آئے اور 26 جولائی کی شب کو ملاکنڈ پاس میں انگریزوں پر ناگہانی حملہ کرلیا۔ شب تین بجے تک ایک خونریز لڑائی لڑی گئی جسمیں سرتور فقیر بھی زخمی ہوئے اور انگریز فوج کا سپہ سالار میجر ٹیلر کے علاوہ لیفٹننٹ کالونل Colonel شدید زخمی ہوئے، جبکہ لیفٹننٹ مینلی Manley سمیت انگریز فوج سے کل 26 گھوڑوں کے علاوہ 21 سپاہی مارے گئے اور تیس سے زائد زخمی ہوئے۔ اگلے شب ایک اور حملے میں 12 انگریزوں کے قتل کے علاوہ انتیس مزید سپاہی زخمی ہوئے۔ ان دو راتوں کے حملوں میں ملاکنڈ محاذ پر مجموعی نقصان 153 تھا جسمیں زخمی بھی شامل تھے اور شہیدوں کی تعداد 700 کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔

ملاکنڈ پر تین راتوں تک مسلسل حملوں کے بعد اب مجاہدین نے چکدرہ قلعہ کا رخ کر کے اس قلعے کو محاصرے میں لے لیا۔ چکدرہ کے اس محاذ پر محصور انگریز فوج کو قلعہ سے باہر لانے کیلئے اس شدید جنگ میں قلعہ کے مورچوں سے شدید گولہ باری کے دوران دو ہزار سے زائد مجاہدین نے شہادت پائی جبکہ محصور فوج کے صرف بیس سپاہی مارے گئے اور درجنوں زخمی ہوئے۔ مجاہدین کی طرف سے اتنے بڑے نقصان کی وجہ نظم و ضبط کی کمی، اسلحہ کی کمزوری اور انگریز کے مورچوں میں موجودگی تھی۔ مجاہدین چونکہ باہر کھلے میدان میں تھے ان کو نشانہ بنانا گوروں کیلئے آسان تھا۔

یکم جولائی کو انگریزوں کی آٹھ ہزار کے لگ بھگ تازہ دم فوج جسے ملاکنڈ فیلڈ فورس کا نام دیا گیا، نے نوشہرہ سے بریگیڈیئر جنرل بنڈن بلڈ کی کمان میں اس بغاوت کو کچلنے کیلئے مارچ شروع کیا۔ اس

---

[1] اس مہم کے دوران ونسٹن چرچل نے "ملاکنڈ فیلڈ فورس" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اسی کتاب کی وجہ سے انہیں اتنی شہرت ملی کہ پچیس سال کی عمر میں انہیں برطانوی پارلیمنٹ کا ممبر چنا گیا۔

فوج میں ایک اکیس سالہ فوجی نامہ نگار ونسٹن چرچل شامل تھا جو بعد میں برطانیہ کا وزیر اعظم بنا اور دوسری جنگ عظیم کا ہیرو بھی۔

18 جولائی کو مجاہدین کی سرگرمیوں کی خبر پا کر انگریزوں کا یہ لشکر سوات کی طرف بڑھا جہاں لنڈا کی کے مقام پر انگریزوں کے 11 سپاہیوں کے نقصان کے بدلے پانچ سو کے لگ بھگ مجاہدین شہید ہوئے۔ ونسٹن چرچل لکھتے ہیں کہ "ہم نے لنڈا کی کے بعد مینگورہ کی راہ لی اور پانچ روز تک وہاں پڑاؤ ڈالا۔ مینگورہ سے واپسی پر انگریز فوج نے بریکوٹ میں قیام کیا اور اگلے روز اس لشکر نے بونیر کی راہ لی۔ جب یہ لشکر کڑاکڑ پہنچا تو بونیر کی مجاہدین نے روپوشی اختیار کی اور یہ لشکر دو روز بعد واپس چکدرہ چلا آیا۔

ملاکنڈ فیلڈ فورس کی پنجکوڑہ تک پیش قدمی

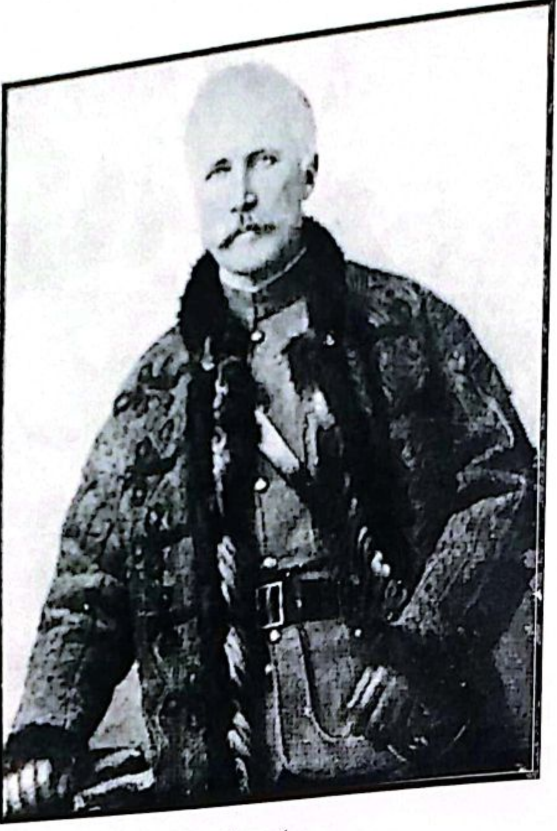
اگلے چند روز میں سر بنڈن بلڈ نے اس فاتح لشکر کی کمان لئے چکدرہ سے دیر کی راہ لی۔ اوچ کے راستے یہ لشکر دریائے پنجکوڑہ پہنچا۔ دریا پار کر کے اس نے گوسم کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اب یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سلطان خیل اور پائندہ خیل "جو دیر کے بہت طاقتور اور جنگجو قبائل ہیں" نے نہ تو 1895ء کی لڑائیوں میں شرکت کی اور نہ اس محاذ پر وہ انگریزوں کا راستہ روکنے کیلئے امڈ آئے۔ اس کی ایک خاص وجہ دیر کے نواب خان محمد شریف خان کی منت وسماجت تھی اگر یہ قبائل جو نواب کی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، انگریزوں سے ٹکر لیتے تو شاید نواب کا اقتدار خطرے میں پڑ سکتا تھا۔

چرچل لکھتے ہیں کہ "10 اگست کو پشاور کے کمشنر گوسم کے نزدیک کوٹکی آئے جہاں ہم نے ڈیرے ڈالے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ جانے کی درخواست کی اور ہم جندول کے علاقے باڑوہ (ثمر باغ) پہنچے جہاں مسٹر ڈین نے چیدہ چیدہ عمائدین سے ملاقات کی۔ باڑوہ میں ہمیں عمرا خان کا مرکزی قلعہ دیکھنے کا موقع ملا۔ چرچل اس قلعے کی شان شوکت اور فن تعمیر سے بہت متاثر ہوئے۔ اس قلعے کے متعلق وہ کچھ یوں لکھتے ہیں.

"It was the best specimen of afghan architecture i have seen."

وادی مہمند کی طرف پیش قدمی

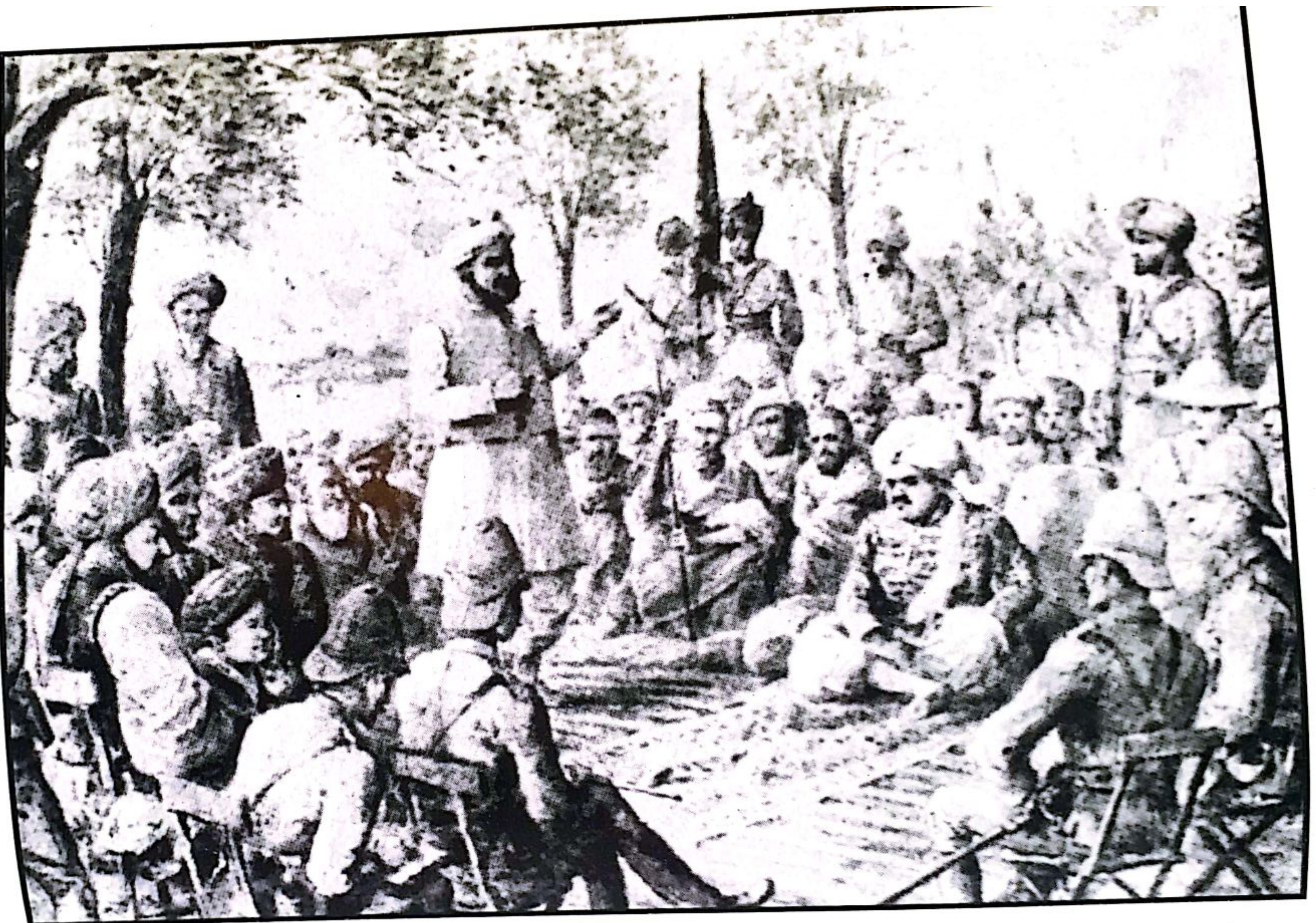
چرچل جندول سے واپسی پر چار روز تک کوٹکی کیمپ میں مقیم رہے۔ جب سر بنڈن بلڈ نے



سر بنڈن بلڈ



وینسٹن چرچل



1897ء بغاوت کے موقع پر ایک میاں صاحب شرائط بتا رہے ہیں جبکہ سر بنڈن بلڈ، میجر ڈین، خان خار، خان جار، خان ناواگئی کے علاوہ میاں فیروز شاہ، میاں رحیم شاہ اور میاں جمال شاہ بھی اس محفل میں موجود ہیں۔

انگریز فوج کو باجوڑ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا تو چرچل بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔وادی مہمند پہنچ کر وہاں کے جنگجو قبائل نے انگریزوں کے خلاف شدید مزاحمت کی۔ایک لڑائی میں چرچل کے مطابق 149 انگریز فوجیوں کے نقصان کے علاوہ 46 خچر اور گھوڑے بھی مارے گئے لیکن افسوس یہاں کے حکمران بجائے مزاحمت کے انگریزوں کے استقبال کیلئے نکل آتے جو کہ مجاہدین کیلئے بڑی حوصلہ شکنی کی بات تھی۔

سوات میں مجاہدین کی کمان سرتور فقیر جبکہ باجوڑ ناواگئی میں ہڈہ ملاّ مجاہدین کا سپہ سالار رہا۔ناواگئی کے مقام پر ایک اور خونریز تصادم میں 38 انگریزوں کے نقصان ساتھ 120 خچر اور گھوڑے مارے گئے۔چرچل کے مطابق ہماری طرف سے اس روز دوسو دشمن مارے گئے۔ناواگئی کے بعد پیش قدمی کے دوران انگریزوں نے درجنوں گاؤں جلا کر خاکستر کر ڈالے۔

مہمند، ناواگئی، عنایت کلے، آگرہ اور بڈالئی کے مقامات پر مجاہدین کے ہاتھوں انگریزوں کے 31 افسران سمیت 251 سپاہی مارے گئے یا زخمی ہوئے جبکہ مجاہدین سے 350 شہید اور سات سو کے لگ بھگ زخمی ہوئے۔12 اکتوبر تک ہر محاذ پر اسلحہ کی کمی اور انگریز نواز خوانین کی حمایت کی وجہ سے مجاہدین مختلف محاذوں پر پسپا ہوئے تو انگریزوں کا خانِ خار، خانِ جار اور خانِ ناواگئی کے ساتھ ایک امن معاہدہ ہوا۔سر بنڈن بلڈ اپنے لشکر کے ہمراہ ملاکنڈ تک واپس پہنچا اور یوں یہ بغاوت بھی ناکام ہوئی۔

چرچل کے اس مہم میں بطور نامہ نگار ایک ماہ سے زائد عرصہ تک قیام کی وجہ سے دیر کے ایک مقام چکدرہ میں اب بھی ان کے یادگار کے طور پر چرچل پیکٹ کے نام سے ایک عمارت قائم ہے جو 1897ء میں تعمیر کی گئی تھی۔چکدرہ کی اس تاریخی عمارت کو دیکھنے کیلئے برطانوی فوج کے آرمی چیف ،ونسٹن چرچل کی نواسی اور بہت سی اہم برطانوی شخصیات کے علاوہ پاکستان کے سابقہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور سابقہ گورنر سرحد جنرل خورشید بھی آئے ہیں۔

نواب اوّل کا اپنے بیٹوں میں جائیداد کی تقسیم

نواب خان محمد شریف خان اپنے بیٹوں کے درمیان اپنی مملوکہ جائیداد کا منظم طریقے سے تقسیم (ویش) نہ کر سکا۔جس کی وجہ سے ان کے بڑے بیٹے نواب اورنگزیب خان کا خاندان اب بھی مستفید ہو رہا ہے لیکن نواب کے باقی بیٹوں کی اولاد ریاستی جائیداد سے محروم آج گمنامی کی زندگی گزار رہی

نواب اول خان محمد شریف خان

(بیویاں (1) نواب اورنگزیب کی ماں (2) سنگر خان کی ماں (حیاگی بی بی)
(3) داروڑہ خان کی ماں (شرنگل بی بی) (4) مہتر چترال کی بیٹی (شہزادی)

نواب دوم اورنگزیب
وفات (1924)ء

نواب زادہ شاہ روان خان
المعروف میاں گل جان وفات: 1911ء
اولاد حال مقیم میدان کاٹ پاٹئی نزد لعل قلعہ

نواب زادہ سلطان محمود خان
المعروف سنگر خان
اولاد حال مقیم میدان ودیر خاص

نوابزادہ محمد عیسیٰ خان
المعروف (داروڑہ خان) وفات 1939ء
حال مقیم چکدرہ (مانوگی) و مردان

بخت روان
نوشیروان خان

ہاشم خان
اسلم خان

جمشید خان
جھان عالم خان

شاہ خالد خان
شوکت خان

جھانگیر خان
عالمگیر خان

خان لعلی خان
فاتح محمد بادشاہ خان

اسماعیل خان
یحیٰ خان

محمد عمر خان (مرحوم)
سلطنت خان
شیر دل خان
محمد عالم خان
کشور خان

دوست خان
فیض محمد خان
نور محمد خان
گل محمد خان
محمد حیات خان (مرحوم)
محمد فیاض خان

آمیر محمد خان

فخر زمان
جھانگیر
واحد زمان

محمد حسین خان
سرفراز خان
محمد یونس
ھمایون خان

محمد پرویز خان
محمد فاضل خان

بخت عالم خان
سلطان روم
اسرار خان (مرحوم)
نور اسلام



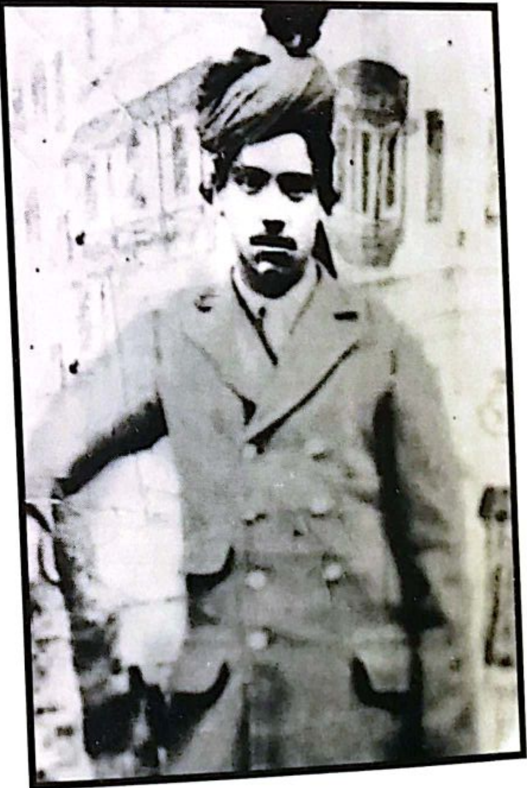
نواب اول خان محمد شریف خان



میاں گل جان المعروف منڈا خان



خان محمد شریف خان اور ولی عہد محمد اورنگزیب



سنگر خان



داروڑہ خان

ہے۔نواب اوّل کا ایک پوتا (داروڑہ خان) کا بیٹا محمد نواز خان کہتے ہیں کہ ''میرے والد ہمارے دادا سے ہمیشہ دق رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ انہوں نے ہمیں جائیداد میں پورا حصہ نہیں دیا۔ پھر بھی نواب نے کچھ عارضی جائیداد تقسیم کی تھی۔ اس نواب کے چار بیٹے تھے۔

۱۔ ولی عہد محمد اورنگزیب خان

۲۔ میاں گل جان خان جسے شرینگل، وادی میدان، منڈا، جندول، کوٹکی، پایہ خیل کے علاقے دیئے گئے۔

۳۔ سلطان محمد خان المعروف سنگر خان کو، ڈوگرام اور صدر بر کلے کے علاقے ملے۔

۴۔ محمد عیسیٰ خان (المعروف داروڑہ خان) کو جغابنج، صاحب آباد سے داروڑہ اور مانوگی تک کی جائیداد دی گئی تھی۔

1904ء میں نواب اوّل خان محمد شریف خان پچپن سال کی عمر میں فالج کی بیماری سے بمقام تیمرگرہ مشہور مذہبی بزرگ ''تیمرگرہ صاحب'' کی گود میں وفات پا گئے۔ وہاں سے ان کی میت دارالحکومت لے جائی گئی اور شاہی قبرستان میں یہ نواب اپنے والد خان رحمت اللہ خان اور دادا غزن خان کے سنگ میں دفنائے گئے۔

نواب دوم محمد اورنگزیب خان المعروف بادشاہ خان و چاڑہ (گونگا)

نواب 1904ء تا 1924ء

1877ء میں یہ براول بانڈی میں پیدا ہوئے۔ چھ ماہ کی عمر تھی کہ ایک نوکرانی کے ہاتھوں تالاب میں گرنے سے بیمار ہوئے جس سے ان کی قوت گویائی میں فرق آیا اسلئے آج وہ دیر کی تاریخ میں چاڑہ نواب کے نام سے مشہور ہیں۔ 1904ء میں والد کی وفات پر ان کی قسمت میں تخت و تاج کے ساتھ زمانہ بدامنی، جندول و سوات کی بغاوتیں، اندورنی شورشیں، کرپٹ اور بے ایمان افسران کے علاوہ ایک باغی بھائی ملا جو پشاور بالا حصار میں انگریزوں کے پنجرے میں تھا (جب چاڑہ نواب کو والد نے ولی عہد مقرر کیا تو اس نے اپنے والد کے خلاف بغاوت کی تھی)۔-1904ء تا 1924ء اس نواب کا بیس

سالہ اقتدار سوات اور جندول کے قریباً پینتالیس معرکوں پر مشتمل ہے۔انھوں نے اپنی بادشاہت کے دوران بہت تکالیف برداشت کیں۔

نواب کی پاک دامنی

نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے کیساتھ ساتھ ہر جمعہ کو روزہ رکھنا ان کا معمول تھا۔انھوں نے کئی موقعوں پر جندول کے باغی رہنما سید احمد خان اور عبدالمتین خان کو گرفتار کر کے مذہبی بزرگان کے جرگہ کی درخواست پر ان کی جان بخشی کی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان کے دورحکومت میں مختلف علاقوں کے مذہبی بزرگ شرعی فیصلے کر کے عدالتی قوانین نمٹاتے اور جہاں کہیں جرم ہوتا تو یہ مذہبی بزرگ اپنے اپنے علاقوں میں عدالتی فیصلے سناتے تھے۔

چاڑہ نواب کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جب کبھی خشک سالی پڑتی تو وہ خود بیل لے کر ہل چلاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا مانگتے اور اگلے دن بارش ہو جاتی۔ یہ نواب خیرات وزکواۃ میں بھی بڑا فراخ دل تھا۔ایک دفعہ جب وہ دہلی دربار گئے تو اس تقریب میں وائسرائے ہند کیلئے ہر نواب اور راجہ مہاراجہ بے تحاشا تحائف لائے تھے لیکن یہ یہاں سے خالی ہاتھ گیا تھا اور وہاں سامان خرید کر درجنوں دیگیں پکا کر لنگر بانٹا۔اس روز یہ چرچا رہا کہ نواب دیر کی خیرات ہے۔اس دن سارے حکمرانوں اور انگریزوں کے ہاں نواب کو بہت پذیرائی ملی۔

نواب اورنگزیب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دیر کے بزرگوں کی تاثرات ہیں۔مصنف مرحوم ریاض الحسن نواب اورنگزیب کے متعلق اپنی کتاب میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ ان بزرگوں سے کافی ہم آہنگی رکھتا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ

”نواب اورنگزیب اخون خیل اور خان شریف خان کا بڑا بیٹا تھا۔نہایت نیک دل اور سادہ مزاج تھا۔صوم وصلوٰۃ کا پابند اور مذہب کا دل سے پرستار تھا اور احکام شرعیہ کا بھی پوری طرح پاسدار تھا۔اپنے آپ کو مطلق العنان نہیں سمجھتا تھا۔حد سے بڑھ کر فیاض اور مہمان نواز تھا۔نہایت منصف مزاج، راست گو اور کٹر پختون تھا۔ہمیشہ اچھے اور نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔اس کے دور میں کسی حاکم یا تحصیلدار وغیرہ

۱؎ ”داستان دیر“ صفحہ ۵۷

اہل کار نے رعایا کو بے جا تنگ نہیں کیا۔ اگر ایسی شکایت کی جاتی تو اس افسر سے سخت باز پرس کرتا تھا
سیدوں، بزرگوں اور علماء دین کا نہایت احترام اور قدر و منزلت کرتا تھا، اور تمام ریاستی امور کے فیصلے
شریعت کے مطابق حل ہوا کرتے تھے۔ ہمیشہ اچھے لوگوں کو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔
اکثر مال و دولت راہ اللہ میں خرچ کرتا تھا، غرباء اور مساکین کو ہمیشہ وظیفہ اور خیرات وغیرہ دیا کرتا تھا''۔
اس کے علاوہ ایک قابل ذکر بات یہ کہ 1911ء میں اسلامیہ کالج پشاور کی تعمیر کے وقت سب سے زیادہ
چندہ بھی موصوف نے دیا۔ تفصیل آئندہ کتاب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ایک دلچسپ واقعہ

لاجبوک درّہ کا ایک اخون خیل بزرگ دوران معلومات انکشاف کرتے ہیں کہ ''میں نے
نواب اورنگزیب کے زمانے کے مشہور بزرگ کوٹکی بابا جی کے ایک مرید ''شیخ'' سے سنا تھا کہ نواب
اورنگزیب نہ صرف خود پانچوں وقت کے صلوٰۃ کا پابند تھا بلکہ اپنے افسران اور بچوں کی بھی نماز کی تلقین کرتا
تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ شیخ کے مطابق ولی عہد شاہ جہان عبادت میں کافی سستی سے کام لیتا۔ ایک روز والد
نے اسے بلایا اور خوب ڈانٹ پلانے کے بعد حکم دیا کہ اگر تم باقاعدگی سے نماز نہیں پڑھو گے تو تمہیں میری
بادشاہی کی حدود میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ کہہ کر انھوں ولی عہد کو ملک بدر کر دیا۔ ولی عہد یہ حکم سن کر
دارالحکومت سے نکل کر اپنی سفر پر گامزن تھے کہ کوٹکی بابا کو کسی نے یہ خبر پہنچائی۔ وہ اس کی راہ میں آئے اور
ولی عہد کو گھر لے گئے۔ بعد میں بابا صاحب نواب کے پاس پہنچے اور ولی عہد کے نماز پڑھنے کا ضامن
ہوئے۔ نواب چونکہ اس بزرگ کی کافی عزت کرتے تھے اسلئے ان کی درخواست پر انھوں نے ولی عہد کو
اس شرط پر دیر میں چھوڑا کہ وہ آئندہ کیلئے نماز باقاعدگی سے پڑھے گا''۔

رعب دار شخصیت

نواب محمد اورنگزیب کی تصویر دیکھ کر اس کی رعب دار شخصیت پر لکھنے کی ضرورت باقی نہیں
رہتی۔ آخری عمر میں وہ شدید علالت کی وجہ سے فالج زدہ ہو کر کرسی تک محدود رہے مگر اس کا بیٹا شاہ جہان
جو کہ انتیس سال کی عمر کا تھا اور بعد میں دیر کا ایک بارعب حکمران بنا۔ جب کبھی وہ براول بانڈی سے دیر
آتے تو وہ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ ان کے والد کے افسران غدار ہیں اور خوشامد سے دولت لوٹ رہے

ہیں لیکن پھر بھی اسے ولی اپنے والد کے رعب کی وجہ سے شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

مشہور ہے کہ سوات کی جنگوں میں جب کوئی سپہ سالار جنگ ہارتا تو وہ پھر نواب کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ کئی کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک جنگ میں سپہ سالار صفدر خان اور شاہ جہان نے شکست کھائی تو تین دن تک یہ ایک مذہبی بزرگ ''دیر بابا جی'' کے ہاں پناہ گزین رہے اور نواب کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرسکے۔

سوات وجندول کی ریاست دیر سے آزادی حاصل کرنے کیلئے جنگیں

ریاست سوات پر حکمرانان دیر کا اثر دخل

1511ء میں یوسفزئی کے ہاتھوں دیر او رسوات فتح ہونے کے بعد خواجو کے بیٹے علاؤالدین، شمو، نیکبی، شمے ان علاقوں پر حاکم رہے۔ بعد میں ان کی اولاد ان علاقوں پر روایتی خانی کرتے چلے آرہے تھے۔ سولہویں صدی کے لگ بھگ سوات اور بونیر پر پیر باباؒ کا اثر ورسوخ رہا۔ ان کے بعد سوات پر 1857ء تا 1877ء سید عبدالغفور (سیدو باباؒ) کا مذہبی اثر ورسوخ رہا۔ 1511ء تا 1850ء یعنی تین سو انچاس (349) سالوں میں پیر باباؒ اور سیدو باباؒ کے مذہبی اثر ورسوخ کے علاوہ سوات کے یوسفزئی خوانین حکمران سے محروم رہے کیونکہ کوئی خان کسی دوسرے خان کو سوات کی حکمرانی دینے کیلئے تیار نہ تھا۔

اسکے برعکس ریاست دیر پر 1643ء میں اخون الیاسؒ نے اپنی مذہبی تعلیمات کے ذریعے سارے ملیزی اقوام کو تابع کیا۔ 1850ء تک جہاں سوات میں مرکزی حکومت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ وہاں دیر میں اخون الیاسؒ کی اولاد میں سے چار اخون زادے شان وشوکت سے حکمرانی کرچکے تھے۔ 1848ء میں جب انگریزوں نے پشاور پر قبضہ جمایا تو سیدو باباؒ اور سوات اور بونیر کے عمائدین نے ریاست سوات کو بچانے کی ضرورت محسوس کرکے 1850ء میں پیر باباؒ کی اولاد میں سید اکبر شاہ کو سوات کا پہلا حکمران منتخب کیا۔

1897ء میں جب نواب دیر کو انگریزوں کے ہاتھوں اقتدار ملنے کے دو سال گزرے تھے تو سوات میں یوسفزئی پختونوں نے ایک دفعہ پھر بغاوت کا نعرہ بلند کر دیا۔ انگریز فوج نے سوات (برہ غاڑہ) کی یہ بغاوت دبادی۔ سوات میں اس وقت چونکہ کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی اسلئے انگریزوں نے یہ علاقے نواب دیر کے اختیار میں دے دیئے۔

نیکپی خیل، اَدین زئی، شموزئی علاقوں کا ریاست دیر سے الحاق

میاں گل عبدالودود، محمد آصف خان کے ہاتھوں لکھے گئے اپنی سوانح عمری میں صفحہ 217 پر بیان کرتے ہیں کہ "علاقہ نیکپی خیل میں یوسف خان اور جلال خان کی اپنے مخالفین سے جائیداد پر جنگ ہوئی۔ ان خوانین نے نواب دیر کے پاس آکر فوجی مدد مانگی۔ نواب کی آمادگی کے بعد ان کے لشکر کو لے کر ان خوانین نے جب یہ قبائلی جنگ جیتی تو اس کے عوض میں نواب نے ان سے بیس ہزار روپیہ جنگی تاوان وصول کیا۔ یہاں کی لڑائیاں چونکہ معمول بن گئی تھیں اسلئے نواب نے سوات کے خوانین کو جمع کر کے کہا کہ مجھے یہاں لشکر بار بار بھیجنا مشکل ہے۔ کیوں نہ میں یہاں قلعے تعمیر کر کے اپنی فوج تعینات کر دوں اور یہاں قاضی بٹھا دوں وہ آپ لوگوں کے درمیان تنازعات نمٹائیں گے اور اس کے بدلے آپ لوگ مجھے عشر دینے کے پابند ہوں گے"۔

بالائی سوات برہ غاڑہ کے حصے تو نواب نے انگریزوں کی مدد سے بزورِ شمشیر اپنی ریاست میں شامل کئے تھے لیکن اس دفعہ سوات کے عوام نے اپنی مرضی سے دیر کے ساتھ الحاق کی حامی بھر لی اسلئے نواب نے 1899ء میں بالائی سوات اور کبل پر پہلی دفعہ قلعے بنائے اور سوات کے باسی نواب کو عشر دینے لگے۔

اب ادین زئی، نیکپی خیل، شموزئی کی عوام دیر کے عوام کی طرح نواب کی رعایا میں شمار ہونے لگے اور نواب اوّل خان محمد شریف خان اپنے کاغذات اور عدالتی عرضیوں اور سرکاری کاغذات میں اپنے آپ کو نواب آف دیر، سوات وجندول لکھنے لگا۔ نواب آف دیر سوات وجندول کے یہ الفاظ تینوں نوابوں کے مزاروں کے تختوں پر مزئین ہونے کے علاوہ 1933ء میں نواب سوم شاہ جہان خان کے بنائے گئے

دیر قلعہ میں اسلحہ ڈپو پر آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

نواب دوم محمد اورنگزیب خان کا عہد اور سوات

سید احمد خان کے دیر کے حکمرانوں سے رشتے

نواب خان محمد شریف خان سید احمد خان کا پھوپھی زاد اور بہنوئی تھا۔ یعنی ولی عہد اورنگزیب اور میاں گل جان ان کے بھانجے تھے۔ بعد میں میاں گل جان سید احمد خان کا داماد بنا۔ جب میاں گل جان کو قتل کیا گیا تو ان کی بیوہ سے عالمزیب خان نے بیاہ کی۔ یہ بیوہ چونکہ عالم زیب خان کے چچا میاں گل جان کی بیوی رہی اسلئے یہ ایک غیر شرعی نکاح تھا۔ پھر اسی سید احمد خان کی ایک بیٹی سے نواب سوم شاہ جہان خان نے بھی شادی کی۔ ان رشتوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان کا شاہی خاندان سے کتنا قریبی تعلق تھا۔

جندول کی پہلی بغاوت 1904ء

سید احمد خان جندول کے سابقہ حکمران عمرا خان کا چچازاد بھائی اور قوم سے مست خیل تھا۔ پہلے یہ جندول کے شاہی قلعہ میں صوبیدار تھے لیکن جب عمرا خان نے 1882ء میں خان رحمت اللہ خان پر حملہ کیا تو اختلاف کی وجہ سے انھیں جندول سے نکال دیا گیا اور عمرا خان کی شکست تک تیرہ سال کے عرصے تک یہ اپنے بہنوئی کے ساتھ رہے۔ سید احمد خان نے عمرا خان کے خلاف اپنے بہنوئی خان شریف خان کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ عمرا خان کی شکست پر نواب کو جب انگریزوں نے دیر کے ساتھ جندول حوالہ کیا تو اس وقت سید احمد خان کا خیال تھا کہ انہیں جندول کا اقتدار تھما دیا جائے گا جبکہ نواب اوّل نے انہیں صرف باڑوہ (ثمر باغ) قلعے کا صوبیدار مقرر کیا۔ سید احمد خان کا اس وقت بھی بغاوت کرنے کا خیال تھا لیکن انگریزوں کے ساتھ اچھے تعلقات کے سبب وہ ایسی حرکت کرنے سے باز رہے۔

جب نواب اوّل کی وفات ہوئی تو چند روز بعد سید احمد خان نے باڑوہ سے بغاوت کا نعرہ بلند کیا۔ یہ چونکہ نواب کے انتقال کے ابتدائی آیام تھے لہٰذا نواب دوم محمد اورنگزیب نے اپنے ماموں سے دست وگریبان ہونے کی بجائے جرگہ بھیج کر باڑوہ کے کچھ مزید علاقے ان کے تصرف میں دیئے اور

جندول پائین، سنگ پارہ، مسکینی قلعوں میں بغاوت کے خدشے کی وجہ سے نئے افسران کی تقرری کرکے اپنے لشکر بڑھائے۔

میاں گل جان کی قید سے رہائی

1904ء میں نواب خان محمد شریف خان کی وفات پر نواب دوم اورنگزیب تخت نشین ہوا تو ان کے بھائی میاں گل جان پشاور میں قید تھے۔(انھوں نے 1902ء میں والد کے خلاف اس وجہ سے بغاوت کی تھی کہ ان کے والد نے اورنگ زیب خان کو ولی عہد اور جانشین مقرر کیا)۔ پہلے میاں گل جان سوات ''تھانہ'' میں مقیم تھا۔ جب والد کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں مصروف پائے گئے تو نواب کی شکایت پر انگریزوں نے انھیں گرفتار کیا۔ پہلے ملاکنڈ اور پھر پشاور میں قید کیا تھا۔ اقتدار میں آتے ہی نواب اورنگزیب نے نہ صرف اپنے بھائی کو رہا کر دیا بلکہ انھیں منڈا، میدان، شرینگل، کوٹکی پایہ خیل کے وہ علاقے جو والد نے تقسیم میں دیئے تھے، حوالہ کئے۔

یہ علاقے دینے سے میاں گل جان منڈا قلعے میں رہ کر ان علاقوں پر خانی کرنے لگا اور منڈا خان کے نام سے مشہور ہوا۔ نواب کے اپنے بھائی پر اتنی کرم نوازی کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے بیٹے شاہ جہان اور عالمزیب خان بالترتیب نو اور سات سال کے بچے تھے اور جندول میں سید احمد خان کی بغاوت کا خدشہ تھا اسلئے نواب کو اپنے بھائی کو منا کر جندول کا کچھ اقتدار دینا ناگزیر تھا۔

نواب پر اپنے بھائی میاں گل جان (منڈا خان) کا پہلا حملہ

رہائی کے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد منڈا میں لشکر منظم کرکے میاں گل جان نے میدان پر خفیہ لشکر کشی کا منصوبہ بنایا اور چند روز بعد اس نے سرلڑہ پاس سے میدان میں داخل ہوکر لعل قلعہ پر شب خون مارا۔ یہ واقعہ ایک کتاب میں بھی درج ہے اور بزرگوں سے بھی بار بار سنا گیا کہ ''نواب جمعہ کی شام روزہ کے افطاری کیلئے اذان کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کے سامنے شربت کا گلاس پڑا ہوا تھا۔ عین اسی وقت ایک درباری آیا اور حملے کی خبر سنائی۔ یہ سنتے ہی نواب نے غصے میں اٹھ کر دو منزلہ عمارت کی بالکونی سے شربت سے بھرا شیشے کا گلاس دور پھینکا۔ بعد میں جب دیکھا گیا تو پچیس گز دور باغیچے میں وہ شیشے کا گلاس صحیح سلامت پایا گیا''۔ اس ناگہانی حملے میں اگرچہ جندولی فوج نے نواب کے لشکر کا بہت جانی نقصان کیا لیکن

نواب نے یہاں پہلے سے بڑا لشکر ٹھہرا دیا تھا اسلئے ناکام ہو کر منڈا خان صبح کی روشنی سے پہلے جندول واپس ہوا۔

نواب دیر پر منڈا خان کا دوسرا حملہ

سید احمد خان کے پوتے جمشید خان بابا پشاور اور ثمر باغ میں الگ الگ ملاقاتوں میں معلومات دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''مضبوط نواب کو شکست دینے کیلئے سسر اور داماد کے اتحاد کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اسلئے منڈا خان اپنے سسر کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آؤ مل کر بھائی سے جندول اور دیر قبضہ کر لیں تو تمہیں جندول کا اقتدار ملے گا اور میں اپنے بھائی کی جگہ دیر کا نواب بنوں گا''۔ اس خفیہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے لشکر تیار کیا گیا اور جندول سے نواب پر ایک دفعہ پھر زوردار حملہ کیا گیا۔ یہ کشت وخون کئی گھنٹے جاری رہا اور آخر میں ایک بڑی جنگ کی حیثیت اختیار کر گیا۔

حملے کی خبر پا کر نواب کا پانچ سو سپاہیوں کا ایک اور تازہ دم دستہ براول کلپانڑئی پہاڑی سے ہو کر لعل قلعہ پہنچا جہاں پہلے سے جنگی محاذ گرم تھا۔ جنگ کا پلڑا نواب کی طرف ہوا اور سید احمد خان کو گرفتار کیا گیا جبکہ اس کے دو بیٹے ایوب خان و یوسف خان اور داماد، منڈا خان، گھوڑوں پر سوار شکست خوردہ فوج کیساتھ منڈا تک فرار ہو گئے۔ سید احمد خان کے بیٹے وہاں سے باجوڑ گئے اور کچھ عرصہ گزار کر ناواگئی اور آس پاس خوانین کے لشکر کو ساتھ لے کر ان جنگجو جوانوں نے طور قلعہ پر دو ناکام حملے کئے۔ میدان جنگ میں ناکام ہو کر انھوں نے اپنے باپ کی رہائی کے لئے چند قبائلی عمائدین کا ایک جرگہ نواب کے ہاں بھیجا۔ نواب نے اس شرط پر اس کو رہا کر دیا کہ وہ آئندہ ان کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے گا۔

ریاست سوات کی بغاوتیں

ریاست دیر اور سوات کی حد

1523ء سے شیخ ملی فارمولہ کے تحت دیر اور سوات کی جائیداد خواجو بن اکو بن یوسف نامی سردار کے حصے میں آئی۔ دیران کے ایک بیٹے ملے بابا اور سوات وسمہ کے علاقے ان کے باقی پانچ بیٹوں میں تقسیم ہوئے۔ خان قاسم خان دیر کے پہلے حکمران تھے جنہوں نے 1814ء میں اُدین زئی پر حملہ کر کے کاٹکلہ کے اس پار کے علاقے قبضہ کئے۔ 1906ء میں سوات کے لوگوں نے ''سنڈا کی ملا'' کی قیادت میں پہلی بار بغاوت کی۔ یعنی چھیانوے سال تک ریاست دیر کے حکمرانان ادینِ زئی، شموزئی اور نیکپی خیل پر قابض رہے۔

کاٹکلہ ملیزی قوم کی اپنے برادری قبیلے ادین زئی کے ساتھ حد ہے۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ کاٹکلہ سے اس طرف سوات شروع ہوتا ہے۔ کاٹکلہ ملے بابا کے اپنے بھائی علاؤالدین (ادینزئی اقوام کے جداوّل) سے سرحد ہے اسلئے اس سرحد کو سوات اور دیر کے درمیان حد بندی نہیں کہا جاسکتا۔ سوات اور دیر کی حدود کا تعین نہ تو 1523ء شیخ ملی بابا نے کی اور نہ انگریزوں نے دونوں ریاستوں کی واضح سرحد کا تعین کیا تھا۔ ادینزئی اور شموزئی ملے بابا کی برادری کے قبائل تھے اگر دیر کے حکمران انھیں جائز مراعات دیتے، نواب دیر تلوار کی بجائے پیار ومحبت سے ان کے دلوں پر حکومت کرتے۔ ان کی شکایات کا بروقت ازالہ کرتے تو شاید والی سوات کی اقتدار سے پہلے سارا سوات دیر نواب سے الحاق کرتا اور دیر کے حکمرانوں کو شاید پورے سوات پر حکمرانی کا موقع ہاتھ آجاتا۔

سوات کے عوام کی پہلی بغاوت 1906ء

چونکہ ابتدائی تین سالوں میں نواب کی توجہ جندول ومیدان کی بغاوت دبانے پر مرکوز تھی اسلئے ادینزئی، شموزئی، نیکپی خیل میں نواب کے افسروں کے فضول بیگار، زیادہ عشر اور عشر کی وصولی کے وقت عمدہ کھانوں وجائیداد کے مطالبات نے سوات کے عوام کا جینا دشوار کر دیا۔ اس کے علاوہ غربت سے ڈاکہ

زنی میں اضافہ ہوا۔ نواب موصوف کو چونکہ سوات کے عوام کی طرف سے عشر ملتا تھا لہٰذا اس علاقے کے تحفظ اور امن وامان کی بحالی ان کا فرض تھا جبکہ نواب کی طرف سے کسی روک تھام کا انتظام نہ تھا۔

ان دنوں سنڈا کی ملا جو ایک مذہبی اور جنگجو رہنما تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد میں برسرپیکار تھے۔ سوات کے عوام نے انہیں نواب کے خلاف آواز اٹھانے پر اپنا باغی رہنما تسلیم کرلیا سنڈا کی ملاؔ نے سوات کے عوام کی طرف سے نواب کو ان کے سپاہیوں کے ظالمانہ سلوک کے خلاف خطوط بھیجے لیکن ان خطوط سے اس کے افسروں کے رویئے میں کوئی فرق نہ آیا۔ نواب نہ خود ظالم تھا اور نہ انھوں نے افسروں کو ایسا کرنے کو کہا تھا لیکن یہ نواب کی غفلت تھی اور شاید وہ خطوط بھی دیر دربار پہنچنے سے پہلے پھاڑ دیئے گئے ہوں اور اسمیں بھی شک نہیں کہ درباری افسر اور سوات کے عوام کو تنگ کرنے والے سپاہی آپس میں ملے ہوئے تھے۔

جب نواب سے شکایت کے باوجود ان کے کارندوں کا رویہ وہی کا وہی رہا تو انہی شکایات کو لے کر سوات کے عمائدین کا ایک جرگہ ملاکنڈ پہنچا تو وہاں ملاکنڈ انتظامیہ نے اس جرگہ کو معذرت کی۔ 1906ء میں پولیٹیکل ایجنٹ خان بہادر نے دیر کے نواب کے زیر اثر علاقوں کے چیدہ چیدہ عمائدین کو ملاکنڈ بلایا اور ان سے کہا کہ ہم آپ کی مدد نہیں کرسکتے البتہ اگر آپ لوگ اپنی آزادی کیلئے بغاوت کریں تو میں آپ کی شکایت انڈین گورنمنٹ کو بھیج سکتا ہوں۔ لہٰذا سنڈا کی ملاؔ کی کمان میں لشکر تیار کر کے نواب کے قلعوں پر پہلا حملہ کردیا گیا۔ ان حملوں میں سوات کے مشتعل عوام نے نواب کے سپاہی وہاں سے نکال باہر کیئے اور اپنا قبائلی لشکر وہاں تعینات کیا۔ سواتی لشکر اب بانڈئی و ڈھیرئی کے مقامات پر پڑاؤ ڈالے نواب کے واپسی حملے کا منتظر رہا۔

ریاست سوات پر نواب اورنگزیب کا پہلا حملہ

جب نواب کو سوات کے عوام کی طرف سے اپنے سپاہیوں کا قلعوں سے بے دخل کرنے کی خبر پہنچی تو انھوں نے فوری طور پر سید بادشاہ سپہ سالار کی کمان میں دوسو سپاہیوں کا لشکر باغیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ سنڈا کی ملاؔ نے باغی لشکر کو لے کر نواب کے اس معمولی لشکر کو شکست سے دوچار کردیا۔ اس

[1] ''سنڈا کی ملاؔ'' کا مزار دیر کے علاقے نہاگ درّہ میں واقع ہے۔

شکست کا سن کر نواب نے گیارہ سالہ ولی عہد شاہ جہان کی کمان میں ایک دوسرا لشکر سوات بھیجا لیکن جنگی تجربہ کم ہونے کے سبب سنڈا کی ملاّ نے انہیں بھی شکست سے دوچار کیا۔

سید عبدالجبار شاہ کی حکمرانی 1908ء

1904ء تا 1907ء سیدو بابا کے پوتے میاں گل عبدالحنان کے بیٹے سید بادشاہ اور امیر بادشاہ اپنے چچازاد بھائیوں میاں گل عبدالخالق کے بیٹوں میاں گل عبدالودود اور میاں گل شیرین جان کے خلاف اقتدار کی جنگ لڑتے رہے۔ جسمیں میاں گل عبدالودود کے ہاتھوں تین سال میں دونوں چچازاد بھائی قتل ہوئے۔ سیدو بابا کے پوتے چونکہ اقتدار کیلئے آپس میں مشت وگریبان تھے۔ ادھر نوابی قلعے قبضہ کر کے سوات کو اب ایک حکمران کی ضرورت تھی تاکہ سرکاری سطح پر جنگی تیاریوں کے علاوہ مقبوضہ قلعوں کا دفاع ہو سکے۔ ان حالات میں سوات کے قبائلی عمائدین کا ایک جرگہ چارسدہ کے ایک مشہور بزرگ حاجی صاحب ترنگزئی کے پاس پہنچا اور انھیں سوات کی اقتدار ہاتھ سنبھالنے کی درخواست کی لیکن اس بزرگ نے دنیاوی اقتدار کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اب سوات کے عمائدین کا جرگہ سوات لوٹنے کے بعد ہزارہ (ستانہ) پہنچا اور وہاں سے سوات کے سابقہ حکمران (سید اکبر شاہ) کے بھتیجے کے بیٹے سید عبدالجبار شاہ کو لا کر ان کے سر پر سوات کی حکمرانی کی دستار رکھ دی۔

میاں گل عبدالودود کی چکدرہ دربار آمد 1908ء

میاں گل عبدالودود کے اقتدار کی راہ میں حائل دو چچازاد بھائی (تربور) پہلے ہی ہٹ گئے تھے۔ اب ان کا اکلوتا بھائی میاں گل شیرین جان سوات کی حکمرانی کیلئے ان سے اقتدار پر دست وگریبان تھا۔ اس بے اتفاقی سے جب ہزارہ سے ایک شخص کو بلا کر حکمران سوات بنایا گیا تو دونوں بھائی متحد ہوئے اور لشکر تیار کر کے بمقام کٹیلئی اور اوڈیگرام سید عبدالجبار شاہ کے لشکر سے ان کی ٹکر ہوئی جس میں سیدو بابا کے پوتے شکست کھا گئے۔

میاں گل عبدالودود بیان کرتے ہیں کہ ”ہمارے لئے سارے سوات سے مقابلہ آسان نہ تھا“۔ شاید سوات کے عوام اور خوانین انہیں حکمران تسلیم کرنے کیلئے اسلئے تیار نہ تھے کہ انھوں نے اقتدار کی خاطر اپنے دو چچازاد بھائی مار ڈالے تھے۔ دوم سید عبدالجبار شاہ بھی ایک مذہبی بزرگ پیر باباؒ کے اولاد

ے تھا اور پھر انھیں سوات کے عمائدین نے درخواست پر ہزارہ سے لا کر ان کے سر پر سوات کی حکمرانی کا تاج سجایا تھا اسلئے میاں گل عبدالودود نے جب یہ ناکام بغاوت کی تو انھیں سوات عوام اور خوانین کی طرف سے کافی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلئے دونوں بھائیوں نے سوات سے ہجرت کر کے چکدرہ دربار میں آ کر رہائش اختیار کی جو سیدو باباؒ کی سیری جائیداد تھی۔ میاں گل عبدالودود کے یہاں آنے کا مقصد نواب ...ر کے لشکر کی مدد سے سوات پر حملہ کر کے سید عبدالجبار شاہ سے اقتدار چھیننا تھا اور نواب کا مقصد سواتیوں کے ہاتھوں سوات کے عوام کو شکست دینا تھا۔

...واب دوم محمد اورنگزیب خان کی معزولی 1911ء

...وات کی طرف سے بغاوت شروع ہونے پر نواب کو اب دو محاذوں پر لڑنا تھا۔ ان دنوں نواب کے چند ...ر یہ کوشش کر رہے تھے کہ نواب معزول ہو کر اقتدار ان کے بیٹے کے ہاتھ آ جائے۔ ولی عہد بھی ان کی ...وں میں آ گیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں منڈا خان کا ہاتھ تھا تو غلط نہ ہوگا۔ 1911ء میں نواب ...چ میں مقیم رہ کر سوات پر حملوں کیلئے وہاں سے احکامات دے رہے تھے لیکن ولی عہد اور نواب کے ...زار کے مسئلے پر افسروں میں اختلاف کے سبب جنگی لشکر بنانے میں سستی کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔

نواب کے اوچ جانے کی خبر پا کر منڈا خان جندول سے ایک بڑے لشکر جرّار کیساتھ ولئی کنڈا وُ ...، راستے بلامبٹ قلعہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ ایک اہم قلعہ تھا لیکن یہاں نواب کی لشکر نے مخالف لشکر کی کوئی ...ں مزاحمت نہ کی۔ نواب کے اوچ میں قیام کے دوران منڈا خان کا بلامبٹ قلعے پر اچانک حملہ اور یہ ...بوط قلعہ آسانی سے نواب کے لشکر سے جانے کے بعد یہاں میاں گل عبدالودود کی سوانح عمری میں ...ج وہ الفاظ صحیح نکلے کہ نواب کے لالچی افسر نواب کو اُدین زئی بھیج کر جندول کے باغیوں کو بغاوت پر ...ارتے۔

بلامبٹ قلعہ فتح کرنے کے بعد ڈھول سُرنا کے پیچھے منڈا خان کے پر جوش لشکر نے اب ...رادی قلعے کا گھیراؤ کیا۔ بلامبٹ قلعے پر حملے کی خبر پاتے ہی نواب نے اوچ میں سوات کے خلاف جنگی ...ریاں ادھوری چھوڑ کر ایک گھڑ سوار لشکر کے ساتھ اوچ سے دیر کی راہ لی۔ دارالحکومت تک نوے کلومیٹر ...ی سڑک پر مسلسل دوڑتے ہوئے جب وہ دیر پہنچا تو اسے بلامبٹ قلعہ کے ساتھ شہزادی قلعہ پر بھی اپنے

لشکر کی شکست کی خبر ملی۔ اس فاتح لشکر نے جب رباط کا قلعہ بھی قبضہ کیا تو فتوحات کا یہ سلسلہ دیکھ کر اب نواب کے حمایتی لوگ اور فوج کا بیشتر حصہ منڈاخان کا طرف دار ہونے لگا۔

نواب نے بھائی کی پیش قدمی روکنے کے لئے ولی عہد شاہ جہان اور ڈوڈباہ خان کی کمان میں ایک لشکر روانہ کیا۔ جب بمقام اخگرام دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا تو جندولی لشکر نواب کے لشکر کو شکست دے کر پار نکل گیا۔ یہ شکست دیکھتے ہی نواب نے بیبیوڑ میں ایک دوسرا محاذ بنا کر بھائی کو روکنا چاہا لیکن منڈاخان یہاں بھی مخالف لشکر کو شکست دیکر چکیا تن پہنچا جہاں اس کا سسر سید احمد خان جندول سے براول درّہ تک سارے علاقے پر قبضہ کرکے انتظار کر رہا تھا۔ یہاں سے دونوں لشکر ڈھول باجوں کی مستی میں مل کر نواب کا تختہ الٹنے کیلئے آگے گامزن ہوئے۔ پانچ میل کا سفر طے کرکے نواب کے قلعے کو گھیرے میں لیا گیا لیکن نواب پھر بھی ڈٹے رہے۔

اس روز شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر کار شکست تسلیم کرکے نواب اپنے خاندان کے ساتھ نہاگ درّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اگلی صبح تیئس سالہ منڈاخان نے شاہی نقارہ بجا کر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ شکست کے آثار دیکھ کر نواب کے بیٹے شاہ جہان خان اور عالمزیب خان باجوڑ کی طرف فرار ہوئے۔ نوعمروں کو وہاں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ باجوڑ جاکر یہ لڑکے فوجی قوت تیار کریں اور منڈاخان جو کہ ایک تندخو نوجوان تھا اس کی طرف نواب کو یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں وہ اپنے بھتیجوں کو قتل نہ کر ڈالے۔

منڈاخان پر عید کی شام معزول نواب کا حملہ

دیر کے شہنشاہ ہوتے ہوئے دو ماہ گزر کر منڈاخان کی ظلم و جبر اور سخت خوئی کی وجہ سے لوگ واپس نواب اورنگزیب کے آرمان کرنے لگے۔ معزول نواب کی نہاگ درّہ میں مصروفیت پائندہ خیل و سلطان خیل قبائلی سرداروں کو اپنے بھائی پر حملے کیلئے اعتماد میں لینا تھا۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق معزول نواب ایک بڑے قبائلی سردار کے گھر جا کر جھاڑو دیتا تھا۔ جیسے پشتو میں (غولے کول) یعنی میدان کو صاف کرنا کہتے ہے۔ پرانے زمانے میں یہ ایک روایت تھی جس میں لشکری قوت مانگنے کیلئے کسی علاقے کے قبائلی سپہ سالار کے گھر جھاڑو دینا پڑتا تھا۔

یادرہے کہ میاں گل عبدالودود 1907ء میں سید عبدالجبار شاہ سے اقتدار لینے کے لئے اور خوشحال خان

1662ء میں مغل اورنگزیب پر حملے کے لئے خال کے گاؤں زور منڈئی آ کر شیخ میاں نور باباؒ
نے دربار میں اس طرح جھاڑو دی تھی۔

جب معزول نواب نے نہاگ درّہ اور عشیرئی درّہ اور بیٹوں نے باجوڑ و ناواگئی میں لشکر تیار کیا
باپ کے حکم سے ناواگئی خان کے لشکر کو لئے دونوں نوعمر جندول داخل ہو کر منڈا قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔
ان کے پاس لشکر کی کمی تھی اسلئے ان دونوں بھائیوں کو بڑی مشکل سے یہ قلعہ فتح کرنا پڑا۔ تاریخ ریاست
کے مصنف میر منشی کے مطابق عالمزیب خان نے یہاں بڑی جنگجوئی کا مظاہرہ کیا۔ منڈا قلعہ پر جب
لڑائی جاری تھی تو منڈا خان نے بلامبٹ قلعے سے کوٹکی پایہ خیل تک گھڑ سوار دستے بھیجے جس سے اس محاذ
پر بھی ایک بڑی جنگ چھڑ گئی۔ لیکن آخر کار یہ قلعہ بھی فتح کیا گیا اور رات کو یہ فاتح لشکر ولئی کنڈاؤ پہنچ کر اگلی
صبح بلامبٹ قلعہ پر دھاوا بولنے کیلئے صبح ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ایک انتہائی ضعیف العمر بزرگ کے مطابق بلامبٹ قلعہ خلاف توقع آسانی سے فتح
ہوا۔ بلامبٹ قلعہ میں فوجی گڑھ بنا کر نواب کے بیٹوں نے لشکر کا آدھا حصہ یہاں مقیم کیا اور ایک بھاری
لشکر شہزادی قلعہ فتح کرنے کیلئے کہنہ ڈھیر (موجودہ حاجی آباد) کی طرف پیش قدمی کرنے لگا۔ اس لشکر کی
روانگی سے پہلے چند گھڑ سواروں کو نہاگ درّہ روانہ کیا گیا تاکہ معزول نواب کو مزید تیاری کرنے اور گزشتہ
فتوحات سے باخبر کیا جاسکے۔ شہزادی پرانے زمانے میں ایسا قلعہ تھا کہ اس کی فتح آدھے دیر کی فتح کے
برابر تھی۔ اس قلعے کو محاصرے میں لے کر معزول نواب کے لشکر کا خیال تھا کہ منڈا خان کا سارا لشکر ہمارے
گھیرے میں آگیا ہے لیکن منڈا خان نے جنگی حربے کے طور پر لشکر کا ایک حصہ چھپایا لیا تھا۔ کئی گھنٹے کی
لڑائی کے بعد منڈا خان جب تازہ دم لشکر کو سامنے لایا تو اس حربے سے نوابی لشکر کو بہت نقصان پہنچا
عالمزیب خان نے ایک دفعہ پھر بھرپور شجاعت کا مظاہرہ کر کے یہ قلعہ بڑی مزاحمت کے بعد سر کر لیا اور
اس محاذ پر دونوں اطراف سے تقریباً ڈھائی سو جنگجو کام آئے۔

معزول نواب کا بیٹوں سے آبدیدہ ملاپ

شہزادی قلعہ پر فتح پا کر نوابزادے اپنے باپ سے ملنے کیلئے بے چین تھے کیونکہ بڑی نوعمری
میں انہوں نے ایک اہم ذمہ داری نبھائی تھی۔ اس وقت ولی عہد شاہ جہان کی عمر سولہ سال اور عالمزیب

خان کی عمر صرف چودہ سال تھی۔ شہزادی گاؤں سے جب یہ لشکر واڑی پہنچا تو معزول نواب سلطان خیل،
پائندہ خیل کے ایک بڑے لشکر کیساتھ انتظار کر رہے تھے۔ ڈھول باجوں کی گونج میں دونوں لشکروں کا
ملاپ ایک عجیب سی کیفیت پیش کر رہا تھا۔ نواب چھوٹے صاحبزادے سے بغلگیر ہو کر خوشی سے رو پڑے
اور آرام کئے بغیر مشترکہ لشکر دیر روانہ ہوا۔ عید میں دو روز باقی تھے۔ اس لشکر کا ایک ایک قدم منڈا خان کے
اقتدار کو ایک ایک لمحہ کم کر رہا تھا۔

منڈا خان نے بمقام بیبیوڑ اس لشکر کیلئے ٹکر کا انتظام کیا تھا مگر ہزاروں لشکر کے سامنے وہ بے
بس دکھائی دیا۔ شکست کھا کر انھوں نے مزید لشکر چکیا تن قلعہ روانہ کیا جب معزول نواب اپنے لشکر سمیت
اس محاذ پر پہنچے تو سامنا ہوتے ہی ایک جنگ چھڑ گئی۔ تاریخ میں یہ ایک مشہور جنگ ہے جس میں نواب کی
طرف سے لڑتے ہوئے سلطان خیل پائندہ خیل کے ایک سوستر (آتہ نیم شلے) کے لگ بھگ جنگجو مارے
گئے جبکہ بھرپور مزاحمت کے دوران سلطان خیل پائندہ خیل اور ترکلانی اقوام پر مشتمل منڈا خان کے لشکر کا
بھی اسی طرح کم وبیش جانی نقصان ہوا۔

نواب کا دوبارہ اقتدار پر قبضہ اور میاں گل جان المعروف منڈا خان کا قتل

اتنی خونریز جنگ کے بعد بھی معزول نواب نے اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جبکہ چھوٹا بھائی
بھی بجائے ہتھیار ڈالنے کے دارالحکومت میں لشکر کو صف آراء کر رہا تھا۔ دارالحکومت پہنچ کر معزول نواب
نے تین اطراف سے مرکزی قلعے پر حملہ کیا۔ کئی گھنٹے تک تفنگ اندازی اور گولہ باری جاری رہی اور دونوں
حقیقی بھائی دفاعی جنگی حربے استعمال کرتے رہے۔ شام تک لڑتے لڑتے منڈا خان نے جب شکست
کے آثار دیکھے تو اپنے چند مسلح پہرہ داروں کے ساتھ قلعے کی ایک دیوار پھلانگ کر نزدیک انگلش لیوی
پوسٹ پہنچا اور وہی پناہ لی اور یوں اقتدار ایک دفعہ پھر نواب اورنگزیب خان کے ہاتھ آیا۔ اگلی صبح کا سورج
نواب کی دوبارہ حکمرانی کے ساتھ عید کا روز بھی ساتھ لایا لیکن اس دن اس خوشی کے دن پر سوگ اور ماتم تھا
کیونکہ عید سے ایک دن قبل سینکڑوں گھرانوں کا بھاری جانی نقصان ہوا تھا۔

منڈا خان چار مہینے ملاکنڈ اور پشاور میں قید رہا۔ ایک دن پشاور سے فرار اختیار کر کے وہ براستہ
وڑ جندول پہنچا اور دوبارہ اپنے بھائی سے اقتدار چھیننے کے خفیہ منصوبے تیار کرنے لگا۔ آخر نواب نے

اس سگے بھائی میاں گل جان المعروف منڈا خان کو ایک غدار نوکر کے ہاتھوں بھاری لالچ دے کر قتل کرا دیا۔

نواب کا سوات پر تیسرا حملہ

جس طرح پہلے بیان ہوا ہے کہ میاں گل عبدالودود چکدرہ دربار میں رہائش پذیر تھے۔ان چند سالوں میں وہ نواب دیر کے پاس نہ صرف ایک مشیر رہے بلکہ نواب نے انھیں اپنی فوج میں ایک اہم عہدہ دیا تھا۔جب جندول میں منڈا خان کا قتل ہوا اور سید احمد خان کی طاقت میں کمی آئی تو نواب نے اپنی توجہ ایک دفعہ پھر سوات کی طرف کی۔ایک طرف اگر سوات پر حملہ میاں گل عبدالودود کی خواہش تھی تو دوسری وجہ یہ تھی کہ جب منڈا خان کے ہاتھوں نواب اورنگزیب معزول ہو کر نہاگ درّہ میں پناہ گزین تھا تو اس دوران سید عبدالجبار شاہ نے سوات کے لشکر کی مدد سے دو بار حملوں میں دیر کا ایک وسیع علاقہ قبضہ کیا تھا۔

1914ء میں میاں گل سوات اور نواب کے لشکر نے پہلا حملہ تازہ گرام پر کیا۔دوسرا حملہ مانیار قلعہ پر کیا گیا (جو کہ سوات لشکر کا اہم قلعہ اور فوجی گڑھ تھا)۔سوات کے لشکر نے جب اس محاذ پر دیر کے لشکر کو شکست سے دوچار کیا تو نواب نے میاں گل عبدالودود کی درخواست پر اپنے چھوٹے صاحبزادے عالمزیب خان کو اسّی گھڑسوار دستے کے ساتھ اس محاذ پر بھیجا۔عالمزیب خان جس نے جندول و شہزادی کی جنگوں میں بڑی بہادری اور شجاعت کا مظاہر کیا تھا انھیں باپ نے ادھر بھی آزمانا چاہا۔نہاگ درّہ کے ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ ''بعد میں نواب کا ان پر ایسا اعتماد بنا کہ ہر مشکل قلعے کو سر کرنے کیلئے عالمزیب خان کو استعمال کرتے تھے۔ان کے بقول عالمزیب خان جنگ سے پہلے جنگی لباس کو زیب تن کرنے کے علاوہ سو گھڑسواروں کی کمان لے لیتا تو اس موقع پر ایک بھاری بھر چرس سگریٹ پی کر جب وہ کسی قلعے پر یورش کرتا تو مخالفوں پر یہ یلغار بہت گراں گزرتی تھی''۔

دیر کے تازہ دم لشکر کے پہنچنے پر مانیار قلعہ کو محاصرہ میں لیا گیا۔دو دن اور دو راتوں کے محاصرے اور بڑی خونریزی کے بعد مانیار اور پاچی گرام کے قلعے فتح کر کے میاں گل عبدالودود دیر کے نوعمر سپہ سالار کو لے کر بڑی تیزی کے ساتھ سوات کے قلعوں کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔عید کو چندروز باقی تھے گزشتہ

1 میاں گل جان کو اقتدار کی خاطر سگے بھائی نے مار ڈالا اور بعد میں سوتیلے بھائی سنگر خان نے اُس قاتل سے اُن کا بدلہ لیا۔

لڑائیوں میں چونکہ کافی خون خرابہ ہوا تھا لہٰذا سوات سے ایک جرگہ نواب کے پاس دیر روانہ ہوا۔ جنگ بندی کی اپیل پر نواب نے اس جرگہ کی درخواست منظور کی اور میاں گل عبدالودود سے کہا کہ عید کے تیسرے دن آپ کو لشکر بھیج کر سوات پر مزید حملوں کا حکم دیا جائے گا۔

میاں گل عبدالودود کی نواب کو پیشکش

والی سوات میاں گل عبدالودود اپنی سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ ”جب عید کے بعد نواب کی خبر نہ آئی تو میں خود ان کے پاس چلا گیا۔ تین دن دیر مہمان خانے میں قیام کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ شرارتی افسروں نے نواب کو میرے خلاف بہکایا ہے اسلئے چوتھے روز میں نے خود بات شروع کی اور نواب صاحب سے کہا کہ اگر آپ مجھے مزید لشکر دینا نہیں چاہتے تو مانیار اور پاچی گرام اور چند دوسرے قلعے جو ہم نے مل کر فتح کئے ہیں اگر آپ یہ مجھے حوالہ کر دیں تو اس کے عوض میں آپ کو جنگی معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔

یہ سن کر نواب کے غصے سے شاہی کرسی ہلنے لگی وہ مجھ سے الجھنا چاہتے تھے مگر میں خاموش رہا۔ کھری کھری سنا کر میں نے ان سے کہا کہ میں تو اسلئے آیا ہوں کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ عید کے بعد دوبارہ حملے کریں گے ان باتوں سے نواب کچھ مطمئن ہوا اور انہوں نے سیند، شہزادی، رباط کے خوانین کو خطوط بھیجے کہ اگر میاں گل کو ضرورت پڑے تو انکے لئے لشکر تیار کر کے انکی پکار پر ادینزئی روانہ کئے جائیں“۔

نواب پر سوات اور جندول کا مشترکہ حملہ 1914ء

نواب کی منظم فوج کو جندول وسوات کے لشکر علیحدہ ہو کر شکست دینے کی قابل نہ تھے۔ ایک طرف جندول میں میاں گل جان قتل ہوا تھا جو سید احمد خان کا دایاں ہاتھ تھا اور سید عبدالجبار شاہ حکمران کر کے سوات قبضہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ یہ حالات سید عبدالجبار شاہ اور سید احمد خان کو ایک دوسرے کے قریب لائے۔ ایک ماہ بعد سید احمد خان نے لشکر لے کر میدان لعل قلعہ کو آسانی سے قبضہ کرلیا۔

[1] سوانح عمری والی سوات ”محمد آصف خان“ صفحہ ۲۳۶

نواب نے خبر پا کر اپنے سپاہیوں کو براستہ براول، وادی میدان روانہ کیا، جبکہ سپہ سالار صفدر خان و عالم زیب خان دوسرا لشکر لے کر ادینزئی پہنچے۔ جہاں سنڈا کی ملا بڑی تیزی سے نواب دیر کے علاقوں کو قبضہ کرنے میں مگن تھے۔ سواتی لشکر کا ایک حصہ سنگین قلعے تعمیر کرنے میں مصروف تھا۔ دیر کے تازہ دم لشکر کے پہنچنے سے نواب کا شکست خوردہ لشکر ایک دفعہ پھر لڑنے کیلئے تیار ہوگیا۔ عالمزیب خان نے اوچ قلعہ پر دھاوا بول دیا اور اسے اسی روز فتح کرنے کے ساتھ ساتھ چار روز کے مسلسل حملوں میں ادین زئی، شموزئی کے علاقے بھی سوات کے لشکر سے واپس لے لئے۔ میدان لعل قلعہ میں بھی جندول لشکر کو شکست دینے کے بعد نواب کے حکم سے فاتح گھڑسوار دستہ عالمزیب خان کے مزید حملوں میں مدد کیلئے شموزئی پہنچا۔

عبدالمتین خان کی افغانستان سے آمد 1914ء

جب نواب کو سید احمد خان کے مزید حملوں کی تیاری کی خبر ملی تو انھوں نے عمرا خان کے بیٹے عبدالمتین خان کو افغانستان سے بلانے کیلئے ایک جرگہ بھیجا۔ عبدالمتین خان بھی یہ موقع غنیمت جان کر جرگہ کے ساتھ آئے۔ انہیں میدان کا لعل قلعہ تصرف میں دے دیا گیا۔ نواب کا مقصد عبدالمتین خان کے ذریعے ان کا چچازاد بھائی سید احمد خان (تربور) کو ہٹانا تھا۔ نواب کا یہ ایک غیر دانشمندانہ عمل تھا کیونکہ اس نے چیتے سے اپنے آپ کو بچانے کیلئے شیر کو بلا لیا۔ اسی عبدالمتین خان نے بعد میں نواب پر سید احمد خان سے زیادہ حملے کئے اور انھیں ایک بڑے عرصے تک مشکل میں ڈالے رکھا۔

عبدالمتین کے بلاوے سے تبدیلیاں

۱۔ سید احمد خان کی جندول میں لشکری قوت کم پڑ گئی اور جندول کی عوامی طاقت متین کی طرف ہوگئی۔

۲۔ سوات میں سنڈا کی ملا اور سید عبدالجبار شاہ بھی یہ بات جان گئے کہ نواب کو عبدالمتین کی صورت میں ایک بڑا فوجی جرنیل مل گیا۔ اب وہ سوات کو بچانے کی فکر میں لگ گئے اور اتفاق و اتحاد پر زور دینے لگے۔

۳۔ میاں گل عبدالودود بھی جان گئے کہ عبدالمتین کے آنے سے اب نواب کی نظروں میں میری قدر و قیمت میں کمی آئے گی اسلئے انھوں نے سوات واپسی کا ارادہ کیا۔

میاں گل عبدالودود کی سوات واپسی 1915ء

میاں گل عبدالودود صرف مانیار قلعہ کے تصرف پر راضی ہوئے اور عبدالمتین کے آنے سے میاں گل عبدالودود کے خدشے سے نواب نے انھیں بحفاظت ادھر پہنچایا۔ سید عبدالجبار شاہ کے حملے کے خدشے سے نواب کے گھڑسوار دستے نے میاں گل کو قلعہ دینے کی خبرسن کر سید عبدالجبار شاہ نے مانیار قلعہ پر اپنے لشکر کو ادھر پڑاؤ ڈالنے کو کہا۔ میاں گل عبدالودود نے نوابی لشکر کی مدد سے اس حملے کو پسپا کر دیا۔ ایک حملہ کیا مگر

میاں گل عبدالودود (والی سوات اوّل) کی حکمرانی کا آغاز 1915 تا 1949ء

میاں گل عبدالودود کے آنے سے نواب کو اب جندول پر حملے کی فکر کم ہوگئی وہ اوچ منتقل ہوئے اور عبدالمتین خان کو اوچ کے گردونواح میں قلعے بنانے پر زوروشور سے کام شروع کرنے کا حکم دیا۔ یہ جنگی تیاریاں دیکھ کر سوات کے عوام سمجھے کہ نواب کے اوچ میں اسی طرح قیام کا مقصد کیا ہے۔ ان حالات میں خوانین سوات نے میاں گل عبدالودود کے پاس مانیار قلعے میں ایک جرگہ بھیجا اور کچھ عرصہ بعد اس جرگے نے سید احمد خان اور میاں گل عبدالودود کے درمیان صلح کرا دی۔

تین ماہ بعد اس خبر نے پورے سوات میں کھلبلی مچا دی کہ حکمران سید عبدالجبار شاہ کا تعلق ایک قادیانی فرقے سے ہے اسلئے اسے معزول کر کے ہزارہ واپس بھیج دیا گیا۔ اس کے لوٹتے ہی 1915ء میں کبل کے ایک سبزہ زار میں سوات کے سینکڑوں قبائلی عمائدین نے میاں گل عبدالودود کی رسم دستار بندی کر کے انھیں حکمران سوات تسلیم کرلیا۔ اب میاں گل عبدالودود سوات کا حاکم بنا چونکہ ریاست سوات کے کئی علاقے دیر نواب کے قبضے میں تھے اس لئے نواب دیر اور سوات کے نئے حکمران میں دوستی اور اتحاد قائم رکھنا ناممکن تھا یہی وجہ تھی کہ آگے جا کر یہ دونوں ایک دوسرے کے سخت حریف بن گئے۔

سید احمد خان کی دوبارہ گرفتاری

میدان لعل قلعہ میں مسلح لشکر اس اشارے کا منتظر تھا کہ سید احمد خان جب سر اٹھائے تو عبدالمتین نواب کے حکم پر اس لشکر کو لے کر جندول کی جنگ میں شامل ہو کر سید احمد خان کے خلاف لڑیگا۔ جب سید احمد خان نے جندول کے دو مرکزی قلعوں طور قلعہ و منڈا قلعہ پر پے در پے حملے کئے تو عبدالمتین

بھی سرلڑہ پاس سے ہوکر تازہ دم لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑا۔ ولی عہد شاہ جہان سمیت عبدالمتین کا پہلا حملہ طور قلعہ پر تھا جسے سید احمد خان نے قبضہ کر کے فوجی گڑھ کی حیثیت دی تھی۔

جندول کے اہم قلعے سید احمد خان کے لشکر کے ہاتھ آئے تھے لیکن عبدالمتین نے تین محاذوں پر سید احمد خان کو شکست دے کر نہ صرف ان سے مقبوضہ قلعے آزاد کرائے بلکہ سید احمد خان کو بھی سینکڑوں سپاہیوں سمیت گرفتار کیا۔

نواب و عبدالمتین خان کے درمیان جندول کی تقسیم پر اختلافات 1916ء

پورے جندول کو آزاد کرنے کے بعد نواب نے جندول کی انتظامی تقسیم کرتے ہوئے قلعہ باڑوہ شاگے ملک، قلعہ منڈا عالمزیب خان، طور قلعہ عبدالخالق خان اور قلعہ گمبیر شاد محمد خان کو دیئے۔ عبدالمتین اور ان کے بھائی جو باڑوہ، منڈا یا طور قلعہ جیسے مرکزی قلعوں کی امید رکھتے تھے۔ انھیں سنگ پارہ مسکینی جیسے غیر اہم قلعے دیئے گئے۔

پورے جندول کی تسخیر کے بعد نواب اورنگزیب عبدالمتین کی جنگجوئی اور بہادرانہ سپہ سالاری پر حیران تھے۔ متین نے دو درجن سپاہیوں کے کڑے پہرے میں سید احمد خان کو نواب کے پاس قید و بند کیلئے روانہ کیا اور ان کے بیٹے جو کہ دو قلعوں پر صوبیدار تھے، باجوڑ کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ نواب عبدالمتین خان کے جندول میں خاندانی حیثیت اور اثر و رسوخ کو پہلے سے جانتا تھا۔ انہیں یہ احساس تھا کہ اگر جندول کے مرکزی قلعوں میں انھیں ایک قلعہ دے دیا گیا تو وہ جندولی عوام کو جو کہ سابقہ حکمران عمرا خان کے مداح تھے، ایک بار پھر اٹھا کر میرے لئے مشکلات پیدا کریگا۔ ابھی عبدالمتین کے یہ زخم نہیں بھرے تھے کہ نواب نے سید احمد خان کو ایک دفعہ پھر معاف کر کے شاہی قلعہ تصرف میں دیا۔ عبدالمتین اس پر سخت برہم ہوئے لیکن نواب کی طاقت کے سامنے اپنی قوت کمزور دیکھ کر موقع کا انتظار کرنے لگے۔

طور قلعہ پر سید احمد خان کے بیٹوں کا حملہ 1916ء

دو ماہ باجوڑ میں گزار کر سید احمد خان کے بیٹوں ایوب خان و یوسف خان نے وہاں کے خوانین کی مدد سے لشکر تیار کر کے ایک رات ناگہانی طور پر طور قلعہ پر دھاوا بول دیا اور معمولی جھڑپ کے بعد یہ

قلعہ ان کے قبضے میں آ گیا۔ یہ شدید سردی اور جاڑے کے دن تھے۔ حملے کی خبر پا کر نواب نے ولی عہد شاہ جہان اور سپہ سالار صفدر خان کی کمان میں طور قلعہ کی طرف براستہ براول شاہی پاس گھڑ سوار لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب عبدالمتین خان کو اس غیر متوقع حملے کی خبر ملی تو ایک لشکر جرار کو لے کر وہ طور قلعہ پہنچے اور سید احمد خان کے بیٹوں کو نواب کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کی پیشکش کی لیکن ان کو یہ خدشہ تھا کہ عبدالمتین پورے جندول کو فتح کر کے ہمیں جندول سے نکال دے گا اور ہم سے اپنا پرانا انتقام لے گا کیونکہ سید احمد خان نے ہمیشہ عمرا خان کے خلاف خان دیر کا ساتھ دیا تھا۔

انکار پر عبدالمتین خان نے طور قلعہ پر حملہ کیا۔ یہ ناگہانی حملہ دیکھ کر سید احمد خان کے بیٹوں نے کچھ مزاحمت کے بعد طور قلعہ خالی کیا۔ جب نواب کا مزید لشکر براستہ براول دیر سے اور براستہ سرلڑہ پاس میدان سے طور قلعہ پہنچے تو سید احمد خان کے بیٹوں نے نواب سے ملکر مشترکہ محاذ قائم کیا۔

یہ اتحاد عبدالمتین کے لئے کافی باعث حیرت تھا ہر طرف سے لشکر امڈ آنے کے بعد عبدالمتین طور قلعہ تک محصور ہوا چاروں طرف سے سنگین قلعہ پر تفنگ اندازی اور گولہ باری ہوئی لیکن جندولی لشکر نے شدید سردی کے موسم میں انتہائی جرأت مندی سے قلعے کا بھرپور دفاع کیا۔ نواب کا لشکر بھی وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا یہاں تک کہ جندولی لشکر ایک ماہ تک محصور رہا۔ باڑوہ قلعہ میں عبدالمتین اور ان کے لشکر کے ہاتھوں نواب کے لشکر سے ڈھائی سو کے لگ بھگ سپاہی مارے گئے۔

جب نواب کو اپنے لشکر کی ناکامی اور برف باری کا احساس ہوا کیونکہ بہت جانی نقصان کے علاوہ یہ شدید سردی اور جاڑے کے دن تھے تو انہوں نے لشکر کو واپس بلا کر ایک عارضی معاہدہ کر کے طور قلعہ عبدالمتین خان کے تصرف میں دیا۔ باڑوہ قلعہ میں عبدالمتین کی بہادری اور شدید مزاحمت کو دیکھ کر اس زمانے کے گلوکاروں نے یہ گیت تخلیق کیا جو بعد میں کئی زمانے تک کابل اور پشاور کے ریڈیو سٹیشن سے گایا جاتا تھا اور دیر کے عوام میں بھی کافی مقبول رہا۔

متین په طور کے قلعه بند شنړا رازینه

او زولنئی ورله ور وړینه

عبدالمتین کو نواب کے لشکر نے طور قلعہ میں چاروں طرف سے محاصرے میں لے رکھا ہے زنجیر کھنک رہی ہے اور ان کو گرفتار کرنے کیلئے بیڑیاں لائی جا رہی ہیں۔

عبدالمتینه زولنئی درله راوړینه

ولہ ولہ غوگین ولہ

اے عبدالمتین! آپ کے پاؤں کیلئے زنجیریں لائے جارہی ہیں۔غوگین چلاؤ، چلاؤ یعنی غوگین نامی بندوق سے گولہ باری جاری رکھو۔

دپلار دوتر دی په منډا کی پاتے شونه

متین په طور کی قلعه بند شنړا رازینه،

آپ کی پدری جائیداد صرف منڈا تک محدود ہوگئی اسلئے باقی جندول کو آزاد کرنے کیلئے لڑتے رہو۔ عبدالمتین کو نواب کے لشکر نے طور قلعہ میں چاروں طرف سے محاصرے میں لے رکھا زنجیر کھنک رہی ہے۔

وله وله غوگین وله جرمنئی درله راوړینه

وله وله غوگین وله ددادا دوتر دی زینه

غوگین جیسے کمزور بندوق سے نواب کے لشکر کا مقابلہ جاری رکھو، ابھی آپ کیلئے جرمنی کا بنا ہوا اسلحہ پہنچ جائیگا۔ چلاؤ چلاؤ غوگین چلاؤ ورنہ آپ کے آباؤ اجداد کی پانچ سو سالہ پرانی جائیداد (سلطنت جندول) ہمیشہ کیلئے نواب کے قبضے میں چلی جائیگی۔

سوات، جندول کا نواب دیر کے خلاف مشترکہ محاذ قائم کرنا

میاں گل عبدالودود اپنی سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ "انگریزوں کی پشت پناہی کے علاوہ نواب کا لشکر منظم، مسلح گھڑ سوار دستوں پر مشتمل تھا جب کہ میں ابھی ابھی سوات کا حکمران بنا تھا اور سوات حکومت کا صرف ایک سال ہوا تھا۔ اسی صورت میں ریاست دیر اور ریاست سوات کی لڑائی ایسی تھی جیسے چھوٹے بچے کی بڑے آدمی سے لڑائی ہو"۔ شاید یہی وجہ تھی کہ والی سوات نے عبدالمتین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تاکہ جندول اور سوات کا لشکر دونوں اطراف سے بیک وقت دیر پر حملہ کریں تو ایسی صورت میں دیر کے طاقتور نواب کو مشکل میں ڈالا جاسکتا ہے۔

کامبٹ محاذ پر عبدالمتین کی بہادری

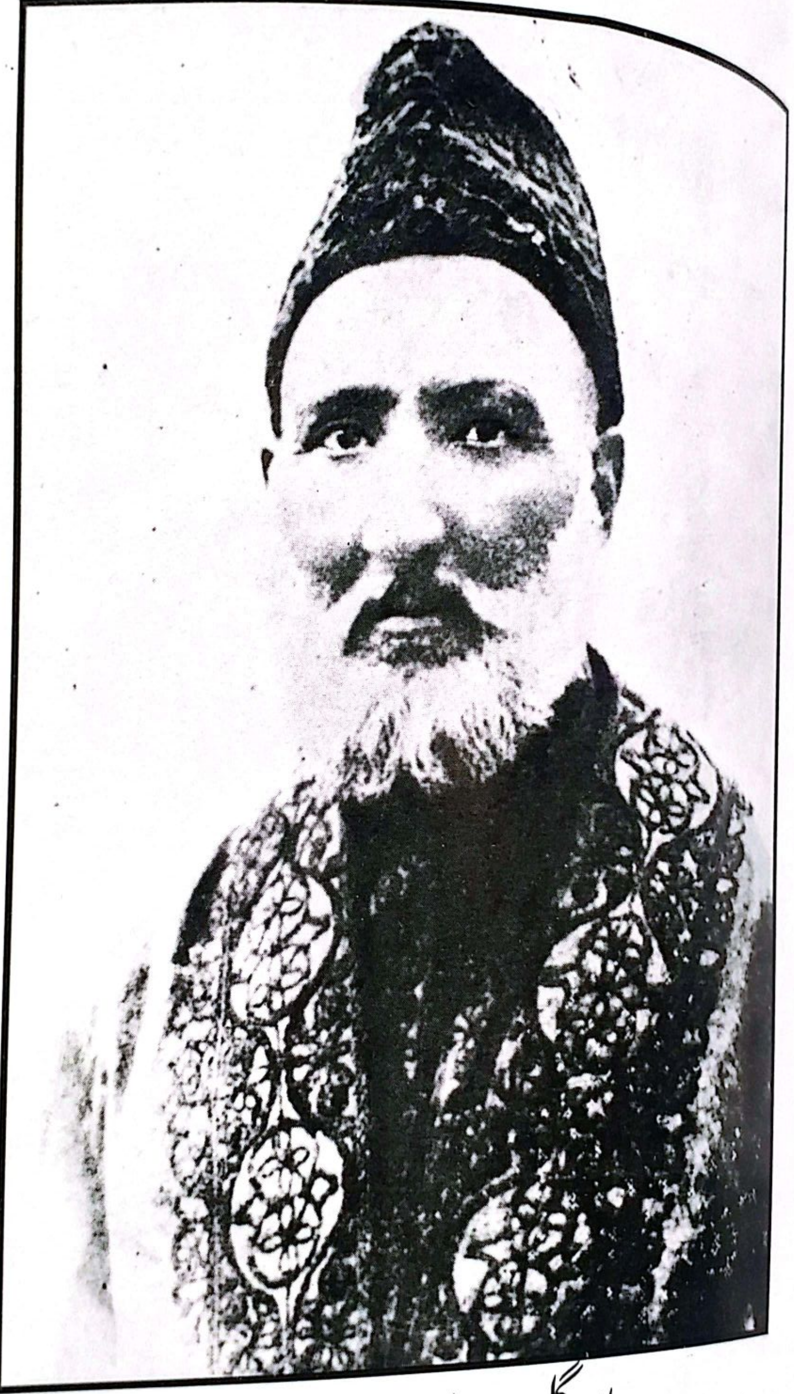
عبدالمتین خان نے صرف طور قلعہ پر اکتفا نہیں کی، بلکہ سارے جندول پر اپنا جھنڈا لہرانا اور اپنے باپ کی وصیت کو پورا کرنا تھا۔ اس غرض سے طور قلعہ میں رہ کر ان کا نواب کے غدار افسروں سے ساز باز جاری رہا۔ سوات کے والی سوات سے بھی انھوں نے یہ خفیہ معاہدہ کیا تھا کہ جب میں نواب کے خلاف جندول میں بغاوت کا نعرہ لگاؤں گا تو تم بھی لشکر لا کر نواب پر تلوار اٹھاؤ گے۔

ایک روز نواب کے افسروں نے متین کو باڑوہ قلعہ خالی کرنے کی پیش کش کی لیکن دوسری جانب شاید یہ نواب کی ایک جنگی چال تھی کیونکہ متین ڈیڑھ ماہ سے قلعے میں محصور تھا اور بار بار حملوں کے باوجود نوابی لشکر اسے شکست دینے میں ناکام رہا۔

عبدالمتین نے طور قلعہ پر اپنے بھائی کو مامور کیا اور خود معمولی لشکر لئے صبح کی تاریکی میں باڑوہ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب وہ اپنے دو سو سپاہیوں سمیت کامبٹ پہنچے (کامبٹ براول وادی کو جندول سے ملانی والی پہاڑی دامن ہے) تو نواب کے چھ سو لشکر نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔ ہتھیار ڈالنے کی بجائے عبدالمتین نے اپنے لشکر کو ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا نعرہ لگایا۔ پو پھٹنے کی خاموشی شور و غوغا اور جنگی نعروں کی ایک گونج بن گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ سبزہ زار لاشوں کے ڈھیر میں بدل گیا۔ اس لڑائی میں عبدالمتین کے وفاداروں نے یا تو ایک ایک کر کے جان دے دی یا زخمی ہو کر میدان جنگ میں پڑے تڑپتے رہے۔

اس جنگ کے آخری لمحوں میں گرفتاری دینے کی بجائے عبدالمتین چند ساتھیوں سمیت ایک غار نما پہاڑی پر مورچہ زن ہو کر لڑنے لگا۔ نواب کا سپہ سالار چونکہ جلد از جلد اسے گرفتار کرنا چاہتا تھا اس لئے اس انعام و اعزاز کے لالچ میں اس غار کے منہ میں جیسے ہی نواب کے سپاہی نمودار ہوتے تو اندر سے گولی کا نشانہ بن کر تڑپ کر نیچے گرتے۔

یہ ایک بے سوچی سمجھی حکمت عملی تھی کہ اس محاصرے میں عبدالمتین خان کے ہاتھوں نواب کے تقریباً ایک سو بیس سپاہی مارے گئے۔ یہ تعداد نہ صرف حبیب الرحمٰن میر منشی نے لکھی ہے بلکہ نہاگ درّہ، درّہ براول اور جندول کے سفید ریشوں سے بھی بار بار دہرائی گئی۔ بہت جانی نقصان ہونے کے بعد نواب



میاں گل عبدالودود (والی سوات)



نواب دوم محمد اورنگزیب خان

کے سپہ سالار نے زور آزمائی کی بجائے عقل سے کام لیا اور اس کے حکم پر گوجر نامی ایک جمالدار تنگنے تنگنے غار کے منہ میں پہنچ کر اچانک اندر کود پڑا۔ اس گھتم گھتا میں نواب کے باقی سپاہی بھی اندر پہنچے اور عبدالمتین کو گرفتار کر کے ڈیڑھ سو سپاہیوں کے کڑے پہرے میں دیر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ایک ضعیف العمر پائندہ خیل بزرگ کہتے ہیں کہ ''جب نواب کے مسلح لشکر کے گھیرے میں عبدالمتین چکیا تن پہنچے تو گھروں کی چھتوں پر عورتیں اور بچے ان کے دیدار کیلئے نکل آئے۔ ان لوگوں نے ان کی بہادری کے بہت سے قصے سنے تھے لیکن شکل وصورت دیکھ کر وہ ایک عام آدمی نظر آئے اسلئے ایک عورت نے ان کے شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ جسے سن کر انھوں نے اس عورت کو جواب دیتے ہوئے کہا ''راستے پر نظریں جما کر رکھنا''۔ اس کے چند لمحوں بعد ان تماشائیوں کے سامنے سے نواب کے لشکر کی سینکڑوں لاشیں گزر رہی تھیں جو عبدالمتین اور ان کے سپاہیوں کے ہاتھوں میدان جنگ میں ہلاک ہوئے تھے۔

میاں گل عبدالودود بیان کرتے ہیں کہ ''جب کامبٹ پر لڑائی جاری تھی تو ہم نے ادین زئی، شموزئی پر حملہ کیا تھا اور ہمارا لشکر ایک ایک قلعہ فتح کر کے ادین زئی کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا''۔ جب عبدالمتین کو شکست دی گئی تو نواب نے گھڑ سوار دستوں کے سپہ سالار کو ادینزئی دوڑنے کا حکم دیا جہاں سوات کے لشکر نے شوہ تک سارے قلعے قبضہ کر لئے تھے اور شوہ کے مقام پر قلعے میں دیری لشکر کو محصور کیا تھا۔ تازہ دم لشکر کے پہنچنے سے اس قلعے کا محاصرہ ختم کیا گیا اور سوات لشکر کو شوہ کے اس پار پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا گیا۔

نواب کا سوات پر چوتھا حملہ (توتانو بانڈئی جنگ) 1917ء

جب عبدالمتین سلاخوں کے پیچھے چلا گیا تو نواب ایک دفعہ پھر اوچ آیا اور سوات لشکر نے جو قلعے قبضہ کئے تھے ان کو واپس لینے کیلئے نواب کے حکم سے دیری لشکر نے شوہ قلعہ سے آگے بڑھ کر طوطالئی تک پیدل مارچ کیا۔ اس پیش قدمی میں جب نواب کوئی قلعہ فتح کرتا تو وہاں پتھریلی حصار بنانے پر عوامی لشکر (بیگاریان) متعین کرتا یہ لوگ دن رات کام میں مگن رہتے۔

لشکر دیر کی مزید پیش قدمی روکنے کیلئے میاں گل عبدالودود نے سوات کے لشکر کو توتانو بانڈئی مقام تک جمع

ہونے کا حکم دیا۔ دیروی لشکر جب اس مقام تک پہنچا تو دونوں مخالف لشکروں نے ایک دوسرے پر حملہ بول دیا۔ دیر کے بیشتر بزرگ کہتے ہیں کہ ''اس جنگ میں ہمارے آباؤ اجداد نے شرکت کی تھی''۔ اوچ کے ایک نوے سالہ بزرگ کا کہنا ہے کہ ''ہمیں اتنا تک یاد ہے کہ اس وقت ہم بچے تھے اور ان جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کے جنازے اپنی آنکھوں سے جاتے ہوئے دیکھ چکے ہیں''۔

اس جنگ کے بارے میں تالاش قاضیانو ڈھیری کے ایک انتہائی ضعیف العمر بزرگ جسے گھر والے ہاتھوں میں اٹھائے انٹرویو دینے کیلئے بمشکل باہر لے آئے تھے، یہ بزرگ کہتے ہیں کہ ''1895ء میں ملاکنڈ جنگ کے وقت میری عمر قریباً تیرہ سال تھی۔ تو تانو بانڈئی جنگ میں، مَیں نے نہ صرف شرکت کی بلکہ اس کا وہ کشت وخون اب بھی میرے سامنے ہے''۔ اس بابا کے بقول چار بڑی جنگوں میں شمار ہونے والی تانو بانڈئی کی حدود میں یہ جنگ ایک خاردار جنگل میں اس وقت لڑی گئی جب دونوں لشکروں کا اتفاقاً وہاں آمنا سامنا ہوا۔

اس جنگل میں وہ ان خونخوار کانٹے دار پودوں کا بھی ذکر کرتے ہیں جنھوں نے میدان جنگ سے فرار ہونے والوں کو مشکل میں ڈالا تھا۔ اس روز جو بھی میدان جنگ سے فرار ہوتا تو لا تعداد کانٹے اس کے جسم میں چب جاتے۔ اس طرح تلواروں، نیزوں، کلہاڑیوں اور پٹاخہ دار بندوقوں کے علاوہ سینکڑوں سپاہیوں کے جسم انہی کانٹوں کی وجہ سے خون سے تر ہوئے۔ آخر کار شدید خون ریزی اور دونوں طرف سے قریباً تین سو سپاہی مارے جانے کے بعد دونوں لشکر فتح پائے بغیر پیچھے ہٹ گئے''۔

دیر اور باجوڑ نوابین کا سوات پر مشترکہ پانچواں حملہ 1917ء

میاں گل عبدالودود (والی سوات) اپنی سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ ''نواب کا گھڑ سوار لشکر گرد وغبار اڑاتے ہوئے اچانک سوات کے قلعوں پر حملہ آور ہو جاتا اور کافی نقصان دے کر واپس لوٹتا اسلئے میری بھی انتہائی خواہش تھی کہ سوات کی بھی گھڑ سوار فوج تشکیل دی جائے''۔ 1917ء کے لگ بھگ نواب ایک لشکر جرار کیساتھ ادینزئی میں مقیم تھا۔ یہ باجوڑ و دیر کا متحدہ لشکر تھا کیونکہ باجوڑ کے نواب نے نواب دیر کیلئے لشکر بھیجا تھا۔

اگلے روز نواب نے سپہ سالار صفدر خان کی کمان میں اس لشکر کو شموزئی کی طرف پیش قدمی

کا حکم دیا۔ یہ لشکر بڑھتے بڑھتے خزانہ نامی مقام تک پہنچا اور گڑھی گاؤں کے اہم سواتی قلعے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ اس قلعے میں کئی صوبیداریاں (ایک صوبیداری 100 سپاہی) فوج میاں گل شیرین جان (چھوٹا بھائی میاں گل عبدالودود) کی سپہ سالاری میں محصور ہو کر رہ گئی۔ سوات کا لشکر قلعے کے برجوں پر مورچہ زن ہونے کے ساتھ قلعے کے اندر بھی جنگی تیاریاں کرنے لگا۔

اس زمانے میں قلعے کا صدر دروازہ بہت مضبوط لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔ جب مقامی لشکر اپنی تعداد کم پاتا تو وہ قلعہ کو پناہ گاہ کے طور پر استعمال کر کے اندر چلا جاتا اور بیرونی حملہ آور اس قلعے کا محاصرہ کر کے دروازے کو توڑنے اور جلانے کی کوشش کرتے۔ جب لشکر کا کوئی حصہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تو اوپر مورچہ زن سپاہی ان کو نشانہ بنا کر دروازے پر پہنچنے سے پہلے مار ڈالتے۔ اس صورت حال میں اکثر ایک سپاہی نیزے کے سرے میں آگ لگا کر گولیوں کی بوچھاڑ میں صدر دروازے پر پہنچ کر آگ کا یہ نیزہ دروازے کے نیچے رکھتا۔ مخالف فوج چونکہ قلعے میں محصور رہتی اسلیئے وہ آگ بجھانے کیلیئے باہر نہیں آسکتی تھی اور یوں یہ آگ آہستہ آہستہ پورے دروازے کو لپیٹ میں لے لیتی۔

اس روز بھی سپہ سالار صفدر خان نے صدر دروازے کو آگ لگانے کیلیئے کئی سپاہی بھیجے لیکن وہ سواتی لشکر کے صحیح نشانے پر آگئے۔ جب یہ حربہ ناکام رہا تو سپہ سالار نے خطرہ مول لے کر دروازہ توڑنے کیلیئے دو درجن سپاہیوں کو بڑھنے کا حکم دیا۔ اس لشکر کی روانگی کو دیکھ کر اوپر سے سواتی لشکر نے ان پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع کی جبکہ باہر دیروی لشکر نے بھی ان برجوں میں بیٹھے سواتی لشکر کو نشانہ بنانے کیلیئے اپنی بندوقیں سیدھی کیں۔ دروازہ توڑنے کے وقت زبردست نعرہ بازی تھی۔ موت و زندگی کے کشمکش کا یہ سماں جنگ کے تیز لمحات تھے اور کئی سپاہی دروازے پر پہنچنے سے پہلے لاشوں کی صورت اختیار کر چکے تھے جبکہ سواتی لشکر کے چند سپاہی جو اوپر سے نشانہ بنا رہے تھے، خاموش ہو گئے۔

آخر دروازہ توڑا گیا قلعے کا دروازہ ٹوٹتے ہی سواتی لشکر بیرونی لشکر پر حملہ آور ہوا جبکہ دیروی لشکر بھی ان پر باہر سے جھپٹ پڑا۔ خون کی اس ہولی میں سواتی لشکر کی مزاحمت کافی زیادہ تھی جس سے چند لمحوں میں قلعے کا ہر کونہ لاشوں کا ڈھیر بن گیا۔ ڈیڑھ گھنٹے اس محاذ پر لڑائی باہر اور اندر جاری رہی۔ جب سوات کے سپہ سالار میاں گل شیرین جان اس لڑائی میں زخمی ہوئے تو سواتی لشکر کی مزاحمت کم ہوئی اور میاں گل شیرین جان کو اہم جنگجوؤں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔

میاں گل شیرین جان کا قتل

سپہ سالار دیر نے میاں گل شیرین جان اور جنگجو قیدیوں کو مسلح پہرے میں نواب کے پاس بھیجنے کیلئے دیر روانہ کیا اور خود لاشوں کو الٹ پلٹ کرنے کے علاوہ مال غنیمت کو محفوظ کرنے لگا۔ جب جنگی قیدیوں کا یہ قافلہ ادین زئی پہنچا تو سمکوٹ کے ایک خان نے دیروی لشکر سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اے لوگو! ان دشمنوں کو اس لئے دیر لے جا رہے ہو کہ ہماری عورتیں گھروں سے نکل کر ان کا تماشہ دیکھیں بہتر یہی ہوگا کہ ان سب کو اسی جگہ گولی ماردی جائے''۔ یہ سن کر باقی لشکر نے بھی اس کی بات سے اتفاق کیا اور نواب کو پہنچنے سے پہلے ہی میاں گل شیرین جان اپنے ساتھی قیدیوں سمیت مارا گیا۔ یہ ایک غیر دانشمندانہ رائے تھی اور انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا کہ وہ نواب کی اجازت کے بغیر اتنا بڑا اقدام اٹھائیں۔ یاد رہے کہ بعض مؤرخین کے مطابق میاں گل شیرین جان میدان جنگ پر لڑائی کے دوران مارے گئے تھے۔

میاں گل عبدالودود (والی سوات اوّل) جو پہلے ہی اپنے دو چچازاد بھائیوں کو قتل کر چکا تھا بھائی کی وفات پر تنہا رہ گیا۔ بھائی کی موت پر وہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں اور سوات کے سارے لوگ اس روز ان کی موت کے صدمے سے سخت پریشان تھے''۔ لیکن ایک اور سوانح عمری میں وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ''بھائی کی زندگی میں ہم دونوں سوات کے حکمران تھے اسلئے ہم میں بعض باتوں پر اختلاف ہوتا۔ جب میں ان سے کہتا کہ گھڑ سوار دستے پہلے تشکیل دیتے ہیں تو وہ اسلحہ بڑھانے کی بات کرتا''۔ بھائی کی موت سے میاں گل عبدالودود اب سوات کا واحد اور بااختیار حکمران بن کر دیر کے خلاف بڑی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ نواب نے اسی سال ادین زئی اور شموزئی کو مکمل قبضہ کر لیا۔

دیر و باجوڑ کے نوابین کا سوات پر چھٹا حملہ

ادینزئی اور شموزئی میں فتح پا کر دیر اور باجوڑ کے متحدہ لشکر نے مزید حملوں کی غرض سے یہاں پڑاؤ ڈالا تھا۔ باجوڑ اور دیر کا یہ اتحاد سوات کیلئے بڑا خطرہ تھا۔ والی سوات اپنی سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ ''ہمیں سخت فکر تھی اور ہماری امید نہ تھی کہ اس دفعہ سوات بچ جائے گا''۔ دیر کے نواب کے آئندہ ارادے دیکھ کر مہمند و سلارزو علاقے میں مشہور با اثر مذہبی بزرگ بابڑا ملاؔ نے باجوڑ نواب کے خلاف ایک تحریک شروع کی تاکہ ان کو سوات سے لشکر واپس بلانے پر مجبور کریں۔ اس مقصد کیلئے انھوں نے جگہ جگہ

اور عوام کو یہ پیغام دیا کہ یہ ظالمانہ فعل ہے کہ دیر اور باجوڑ کے نوابوں کے لشکریں متحد ہو کر سوات
خطے دیئے
پر حملہ آور ہوں۔

اس بزرگ کی پر جوش تقریروں سے سالارزی و مہمند قبائل مشتعل ہو کر نکل آئے اور باجوڑ نواب
کے خلاف بغاوت کر کے ان سے دو قلعے قبضہ کر لئے۔ باجوڑ میں صورتحال بگڑتی دیکھ کر باجوڑ کے نواب
نے ادینزئی سے اپنا لشکر واپس بلالیا۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ "بابڑا ملا ہمارے لئے خدا کی طرف سے
غیبی امداد بن کر آئے"۔ اسی سال نواب دیر نے مزید پیش قدمی کر کے سوات کے مزید علاقے قبضہ
کر لئے۔

عبدالمتین خان کی رہائی

عبدالمتین خان جو دیر میں سلاخوں کے پیچھے قید تھے۔ ان کی رہائی کیلئے ان کے بھائیوں اور مست خیل قوم
کے قبائلی عمائدین نے بابڑا ملا، حاجی صاحب ترنگزئی اور باجوڑ کے علماء و مشائخ سمیت چالیس مشران کا
ایک جرگہ نواب کے پاس بھیجا۔ عبدالمتین نے اگرچہ کئی بار بغاوت کر کے نوابی لشکر کو بڑا نقصان پہنچایا تھا
لیکن حاجی ترنگزئی اور بابڑا ملا جیسے بااثر مذہبی بزرگوں کی عزت کی خاطر نواب نے متین کو رہا کر دیا۔

عبدالمتین خان کا قلعہ باڑوہ پر ناگہانی حملہ 1918ء

عبدالمتین کی رہائی کے چند ماہ بعد سوات و جندول میں ایک دفعہ پھر خفیہ رابطے شروع ہوئے۔
یہ والی سوات کے الفاظ ہیں "ایک شام مخبر نے مجھے یہ اطلاع دی کہ صبح عبدالمتین باڑوہ پر حملہ آور ہونے والا
ہے۔ یہ خبر سن کر میں نے ہر علاقے کے خان اور ملک کو خطوط بھیجے اور راتوں رات ایک بڑا لشکر تیار کیا"۔
نواب ان دنوں سوات شانگوٹئی میں مقیم سوات پر مزید حملوں کیلئے یہاں لشکر کو ترتیب دے رہے تھے۔
جب انہیں یہ خبر ملی کہ عبدالمتین ایک لشکر جرّار کو لے کر باڑوہ قلعہ پر حملہ آور ہوا ہے تو یہ حملہ اس کیلئے انتہائی
باعث حیرت تھا۔ انھوں نے ادینزئی و شموزئی میں معمولی لشکر چھوڑ دیا اور باقی دستوں کو عالمزیب خان کی
سرکردگی میں فوراً جندول کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

نواب کے دیر پہنچنے سے پہلے یہ خبر پہنچی کہ باڑوہ قلعہ بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ ہو گیا ہے اور
عبدالمتین پے در پے آس پاس کے قلعوں کو اپنے قبضے میں لانے میں مصروف ہے۔ ادھر نواب کو جندول کی

فکر ہونے لگی انھیں شاید سوات سے حملے کی توقع نہ تھی لیکن وہاں تیرہ ماہ کے عرصے میں والی سوات نے گھڑ سوار دستے بھی تشکیل دیئے تھے اور منظم فوج کو مسلح کر کے بھرپور تیاری کر چکا تھا۔

سواتی لشکر کا غیر متوقع حملہ

دیروی لشکر کا جندول روانہ ہونا تھا کہ سوات کا ایک بڑا لشکر ہرنائی کے محاذ پر سیلابی ریلے کی صورت میں دیروی قلعوں پر حملہ آور ہوا۔ یہ اچانک حملہ دیکھ کر نواب کی فوج نے جو مختلف فاصلوں میں قلعوں میں تقسیم تھی، حواس باختہ ہو کر پیچھے ہٹنا شروع کر لیا۔ سواتی لشکر نے نہ صرف معمولی مزاحمت کے بعد شموزئی وادین زئی کے سارے قلعے قبضہ کر ڈالے بلکہ یہ فاتح لشکر وادی تالاش تک پہنچا اور نواب کے فرار ہونے والے لشکر کا تعاقب کرتا رہا۔

کہتے ہیں کہ ''سوات کے درجنوں گھڑ سوار ایک ایک سپاہی کے پیچھے بھاگ کر اسے بے دردی سے قتل کرتے رہے''۔ اس طرح دیروی لشکر کا نہ صرف بڑا جانی نقصان ہوا بلکہ سواتی لشکر کے اس انداز جنگ پر دیر وسوات جو کہ دونوں یوسفزئی ہیں نفرت اور دشمنی کی ایک ایسی فضا بن گئی جو کہ 1960ء تک قائم تھی۔ دیر وسوات کے عوام اور ان کے حکمرانوں نے ایک دوسرے کیساتھ رابطہ نہیں رکھا مگر اب جدید دور میں دونوں طرف کے عوام یہ جنگیں بھول چکی ہیں اور ایک دوسرے کیساتھ برادرانہ تعلق رکھتے چلے آرہے ہیں۔

نواب کی مشکلات کا سال 1919ء

فاتح سواتی لشکر ادینزئی، شموزئی ونیکپی خیل پر مکمل قابض ہو کر وہاں قلعے تعمیر کرنے میں مصروف تھا۔ دوسری جانب عبدالمتین خان نے بھی ایک بار پھر پے در پے حملوں سے پورا جندول قبضہ کر کے وہاں سے نوابی سپاہیوں کو نکال دیا تھا۔ ہرنائی کے محاذ پر واضح اور مکمل شکست سے ولی عہد شاہ جہان اور صفدر خان دونوں نواب کا سامنا کرنے سے ہچکچاتے رہے اور تین دن تک ایک مذہبی بزرگ ''دیر باباجی'' کے ہاں پناہ گزین رہے۔

بزرگوں کا قول ہے کہ نواب کے غدار افسران اپنے قلعے جندول وسوات سے رشوت لے کر آسانی سے چھوڑ دیتے تھے۔ نواب کا سپہ سالار صفدر خان بھی جنگی سازشوں میں ملوث تھا بلکہ پائندہ خیل

قبیلے کا ایک بزرگ تو یہاں تک انکشاف کرتے ہیں کہ "ہمارے بزرگوں کو سپہ سالار کے علاوہ ولی عہد شاہ جہان پر بھی سوات سے رشوت لینے کا شبہ تھا"۔

وہ کہتے ہیں کہ "ہرنائی کے محاذ پر شکست کھا کر پائندہ خیل، سلطان خیل مرنے والوں کی لاشیں واپس لے جا رہے تھے تو ولی عہد شاہ جہان نہاگ درّہ میں بڑا گاؤں کی ایک پہاڑی پر بیٹھ کر (منزرے) کی کھیل، کھیل رہے تھے۔ پائندہ خیل کے ایک سردار نے جب اس کو دیکھا تو جا کر ولی عہد کو کئی لاتیں رسید کیں اور ان پر غصہ ہو کر کہا کہ "ہم پر کیا گزر رہی ہے اور آپ یہاں کھیل سے لطف اندوز ہو رہے ہیں"۔

حبیب الرحمٰن میر منشی لکھتے ہیں کہ "نواب نے جندول کی دوبارہ تسخیر کیلئے ولی عہد اور سپہ سالار کو کسی طرح منا لیا اور جب دوبارہ لشکر کی تیاری کا حکم دیا گیا تو بمشکل چالیس سپاہیوں کا دستہ جندول کو قبضہ کرنے کیلئے تیار ہوا کیونکہ نواب کے افسروں کی غداری اور ولی عہد پر شک ہونے کی وجہ سے سلطان خیل، پائندہ خیل قبائل نے نواب کے ہراول دستوں میں شامل سوات کے خلاف مزید لڑنے سے انکار کیا تھا۔ اسی کم تعداد میں جندول کے لئے لشکر روانہ کرنے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نواب اورنگزیب مضبوط قوت ارادی کے مالک اور ایک نڈر حکمران تھے۔ بمقام دیارون رات گزار کر یہ لشکر جندول کی طرف بڑھنے لگا۔ خار نواب نے بھی اس بار نواب کو مشکل میں دیکھ کر اپنا لشکر دینے کا وعدہ کیا تھا۔

نواب کا جندول پر عید کے روز جوابی حملہ 1919ء

دیارون گاؤں سے جیسے ہی یہ لشکر آگے بڑھا تو اس میں اضافہ ہوتا رہا اور علاقہ اتمانخیل سے خار نواب کا لشکر آ کر پایہ خیل میں نوابی لشکر سے مل کر ایک جم غفیر کی شکل اختیار کر گیا۔ اب یہاں سے عبدالمتین کے لشکر سے جھڑپیں شروع ہوئیں۔ منڈا پہنچ کر نوابی لشکر جرّار نے منڈا قلعے کو گھیرے میں لے لیا عبدالمتین خود باڑوہ قلعہ میں رہے لیکن نواب کے لشکر سے ٹکر لینے انھوں نے منڈا میں ایک بڑا محاذ قائم کیا تھا۔

ایک خون ریز جنگ چھڑنے پر دونوں اطراف سے بڑا جانی نقصان ہونے کے بعد نواب کے دوسرے بیٹے عالمزیب خان کی بہادری و شجاعت سے یہ قلعہ فتح ہوا۔ شاید نواب صفدر خان اور ولی عہد شاہ جہان پر غداری کا الزام ہونے کی وجہ سے عالمزیب خان کو میدان جنگ میں آزمایا جا رہا تھا۔ فتح پا کر دیر

اور باجوڑ کے متحدہ لشکر عید کے روز باڑوہ کی طرف بڑھنے لگے جہاں عبدالمتین ان کے لئے جنگی تیاری کر کے انتظار کر رہا تھا۔ نواب کا لشکر ڈھول باجوں کیساتھ فاتحانہ انداز میں باڑوہ کے قلعے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حالانکہ یہ عید کا دن تھا اس دن پورے جندول میں نہ نئے کپڑے پہنے گئے نہ کھانا پکانے کیلئے آگ روشن کی گئی کیونکہ قریباً ہر گھرانے کا ایک فرد اس روز میدان جنگ میں تھا۔ عبدالمتین پہلے باہر انتظار کر رہا تھا مگر مخالف لشکر کی زیادہ تعداد دیکھ کر اس نے قلعے کے اندر سے جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا اور قلعے تک محدود ہو گیا۔

نوابی لشکر نے پہنچ کر چاروں طرف سے قلعے پر بڑی شدت سے تفنگ اندوزی شروع کی۔ اس لشکر کی کوشش تھی کہ قلعے کی ایک دیوار گرائے یا صدر دروازہ توڑے لیکن برجوں پر بیٹھا مخالف لشکر برابر گولیاں برسا کر انھیں کوئی ایسا موقع نہیں دے رہا تھا۔ چار گھنٹے کی مسلسل لڑائی کے بعد نوابی لشکر نے قلعے کی دیواروں پر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ شاید یہ عبدالمتین کا کھیل تھا کیونکہ وہ ایسے اشارے دے رہا تھا کہ میرے پاس اسلحہ ختم ہو چکا ہے۔ دوسری طرف قلعے کے برجوں پر ان کے لشکر کا کافی نقصان ہوا تھا۔

سپہ سالار کے حکم پر نواب کا لشکر جیسے ہی ایک طرف سے قلعے میں اترنے لگا تو عبدالمتین کی طرف سے خاموشی پر آہستہ آہستہ اس تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ جب کافی لشکر قلعے میں اتر آیا تو متین نے اپنی چھپے لشکر کو حملہ آور ہونے کا جنگی نعرہ لگایا اور یوں قلعے کے اندر ایک بار پھر شور وغوغا، مشت و گریبانی شروع ہو گئی جبکہ باہر نواب کے باقی لشکر اپنے ساتھیوں کی مدد کیلئے دروازہ توڑنے کے نعرے لگانے لگے۔ آخر کار مضبوط دروازہ توڑا گیا لیکن قلعے کے اندر لاشوں کی گنتی مشکل تھی اور قلعہ خاموش سنسناہٹ کا نغمہ بجا رہا تھا۔ عبدالمتین خان جو کہ قلعے کے ایک دیوان خانے میں چھپے ہوئے تھے باٹل خان اور گنوڑئی جان نے مسلح لشکر کے ہمراہ جا کر انہیں گرفتار کیا۔ باڑوہ کے اس محاذ پر نواب کے دو سو چالیس کے لگ بھگ اور متین کے ایک سو ساٹھ سپاہی مارے گئے۔

عبدالمتین کی قید بندی

عبدالمتین کو گرفتار کرنے کے بعد ولی عہد شاہ جہان کا اصرار تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ دو سال پہلے نواب کی اجازت کے بغیر سوات لشکر کا سپہ سالار میانگل شیرین جان کو قتل کیا گیا تھا۔ شاید یہی

وجہ تھی کہ صفدر خان سپہ سالار اور دوسرے افسروں کی ضد تھی کہ ان کو نواب کے سامنے زندہ پیش کیا جائے۔
آخر کار عبدالمتین ایک دفعہ پھر مسلح لشکر کے ساتھ شاہی پاس کے ذریعے براول درّہ سے ہو کر نواب کے
ہاں پہنچا اور قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ سات سال وہ مسلسل نواب دوم کے پنجرے میں قید رہا۔ اس قید
سے وہ دو دفعہ فرار ہونے میں کامیاب ہو کر دوبارہ قید کیا گیا تھا۔ نواب اورنگزیب کی وفات کے بعد نواب
شاہ جہان کے دور میں عبدالمتین 1945ء تک براول درّہ کے سرباٹ گاؤں میں نظر بند رہے اور وہاں
وفات پانے کے بعد اسی گاؤں میں دفن کیے گئے۔

جندول کی اس تسخیر کے روز بہادری اور شجاعت پر نواب نے عالمزیب خان کو منڈا اور جندول
کے دوسرے قلعے دیئے۔ ولی عہد اس تقسیم پر سخت برہم ہوئے مگر بارعب والد کے ڈر سے چپ سادھ لی۔
عبدالمتین نے جس طرح جندول پر حملہ کیا تھا ادھر سوات کے لشکر نے ایک دفعہ پھر ایک ساتھ حملہ کر کے
ادینزئی کو قبضہ کیا اور شوہ قلعہ تک پہنچ کر وہاں قلعے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ عبدالمتین کو شکست دے کر
نواب کے حکم سے گھڑ سوار لشکر نے ادینزئی کا راستہ لیا اور شوہ کا اہم قلعہ ان سے قبضہ کر کے یہاں پڑاؤ
ڈالا۔ ایک ماہ بعد دیر وی لشکر جو سوات پر مزید حملوں کیلئے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اس میں ایک وباء پھوٹ
پڑی جس کی خبر پا کر قلعوں میں تعینات لشکر کو چھوڑ کر باقی لشکر کو واپس بلا لیا گیا۔

یہ زمانہ دیر میں جنگوں اور بغاوتوں کے لحاظ سے اپنے عروج پر تھا۔ دیر کی عوام گزشتہ دو صدیوں
سے ان حکمرانوں کے اشاروں پر لڑتے لڑتے تھک چکے تھے اور سینکڑوں لشکر کشیوں کے دوران دیر میں
ایسا گھرانہ کم و بیش ملتا تھا جس میں جنگوں کی وجہ سے ماتم نہ ہوا ہو۔ دیر کے حکمرانوں نے دارالحکومت دیر
اور اس کے چاروں طرف دو سو سالوں تک سینکڑوں جنگیں لڑیں لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ حکمران
خاندان سے کوئی اہم شخصیت یا حکمران میدان جنگ میں نہیں مرا۔

نواب کا سوات پر مزید حملوں کیلئے سلطان خیل، پائندہ خیل کو اعتماد میں لینا

نواب کے افسروں کے سوات و جندول کی جنگوں میں رشوت لینے اور ولی عہد پر الزام کی وجہ
سے ان قبائل نے مزید جنگوں میں حصہ لینے سے انکار کیا تھا۔ نواب اس دفعہ شاید سوات پر ایک بڑے حملے
کا ارادہ رکھتا تھا جو سلطان خیل و پائندہ خیل کی شرکت کے بغیر یقینی نہ تھا کیونکہ نواب کے آباؤ اجداد نے

ماضی میں جتنی جنگیں لڑی تھیں یہ طاقتور قبائل ان میں ہراول دستے کے طور پر شامل رہے۔ان قبائل کو اعتماد میں لینے کیلئے واڑی میں سلطان خیل، پائندہ خیل کا بیس ہزار لشکر بلایا گیا لیکن اس کے چند روز بعد نواب پر جزام کی بیماری نے حملہ کیا جس سے وہ فالج زدہ ہو کر کرسی تک محدود ہو گیا۔

دیر اور سوات کی مستقل حد بندی

انگریز سوات اور دیر کی جنگیں دیکھتے ہوئے بھی پختونوں کے آپس میں لڑانے کی پالیسی یا نواب کے ساتھ اچھے تعلقات کی وجہ خاموش تماشائی بنا رہا۔ چکدرہ تا دیر جرنیلی سڑک پر انگریز فوج ہر چھ ماہ بعد گلگت تک جاتی تھی۔اس سڑک کو خطرے میں دیکھ کر انگریزوں نے نواب اورنگزیب اور والی سوات کے درمیان 1923ء میں ایک معاہدے کے تحت حد بندی کر کے راموڑہ میں ’کمال خان چینہ‘ حد رکھا گیا۔ یاد رہے دیر کی جنوب مغرب کو خادکزو میں حد ’تودہ چینہ‘ ادین زئی کے شمال مشرق میں اسبنڑ سر بالا دیر کا سوات سے حد ہے۔والی سوات اس تقسیم کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”انگریز نے طرف داری کر کے ہمارے بیشتر حصے نواب کو دیئے مگر ہم پھر بھی معاہدے پر رضا مند ہو گئے“۔ یہ سرحد رکھ کر والی سوات کو سوات میں حکومت چلانے اور نظم و نسق سنبھالنے کا موقع ملا مگر دیر کے نواب کو اب بھی جندول میں بغاوتوں کا سامنا باقی رہا۔

دیر اور سوات کی یہ حد بندی دیر کے کسی بھی حکمران کا پڑوس کے حکمران سے اوّلین حد بندی معاہدہ تھا کیونکہ دیر کے حکمران اوّل غلام خان سے لیکر اب تک دیر کے ہر حکمران نے اپنے دور اقتدار میں ہر طرف لشکر کشی جاری رکھی اور اپنی سلطنت کے حدود شمال میں چترال جنوب میں سخاکوٹ مشرق میں زیریں سوات اور مغرب میں اسمار و باجوڑ تک پھیلائیں لیکن کبھی کسی حکمران نے دیر کی سلطنت کا تعین نہیں کیا اور نہ آس پاس حکمرانوں سے حدود رکھنے کے معاہدے ہوئے۔

نواب کو جندول سے بھی حد بندی رکھنی چاہیے تھی

اگر نواب دیر سوات کے معاہدے کی طرح جندول کے ساتھ بھی حد بندی کا معاہدہ کرتا تو آج تاریخ دیر اپنے اوراق میں اتنا خون خرانہ نہ سمیٹا ہوتا اور نہ دیر اتنا پسماندہ ہوتا۔اگر دیر کے نوابوں کی یہ دلیل تھی کہ جندول ہم پر انگریزوں نے اسّی ہزار ہندوستانی روپیوں کے عوض بیچ ڈالا ہے تو دیر کے حکمران

جندول کے عوام پر ٹیکس لگا کر یہ رقم مختصر عرصے میں وصول کر سکتے تھے۔ اگر جندول سے اس وقت معاہدہ ہوتا تو پشاور سے جندول تک تجارت براستہ دیر ہوتی اسی طرح ولئی کنڈاؤ پر ایک معصول چونگی بنا کر نواب دیر اسی ہزار سالانہ ٹیکس صرف ایک سال کے اندر بھی وصول کر سکتا تھا۔

شاید یہ انگریز بھی نہیں چاہتے تھے کہ دیر سے جندول کو آزادی ملے۔ ہو سکتا ہے یہ Divide and rule پالیسی تھی کیونکہ دیر، جندول اور باجوڑ میں ترکلانی، سلارزئی، مہمند اور دیر کے سلطان خیل و پائندہ خیل جیسے جنگجو قبائل آباد تھے۔ اگر یہ قبائل آپس میں اتفاق سے رہتے تو ماضی کی دوسرے اقوام کی طرح انگریزوں کو ان شمالی علاقوں میں حکومت چلانی مشکل ہوتی۔

سوات اور جندول کو قبضہ میں رکھنے کے اثرات

حکمران خاندان میں ہر زمانے میں اندرونی خانہ جنگی رہی

ایک طرف دیر ہر طرف لشکر کشی کی مہمات کی وجہ سے خانہ جنگی کا شکار رہا اور دوسری طرف دیر کے ہر حکمران نے کئی شادیاں کیں۔ ہر حکمران کے ہاں سوتیلے بیٹے ہوتے تھے جس کی وجہ سے ان کے مابین جائیداد کی مساوی یا جائز تقسیم ناممکن ہو جاتی۔

تاریخ دیکھی جائے تو اس خاندان میں جائیداد کی مساوی تقسیم کی بجائے یہ طریقہ رہا کہ ایک حکمران کئی بیویاں رکھتے ہوئے اپنی پسند کی بیوی کے بیٹوں کو دوسرے بیویوں کے اولاد کی نسبت زیادہ جائیداد دیتا یا بعض حکمران اپنے بیٹوں کو جائیداد دیتے اور اپنے بھائی اور چچازاد بھائیوں کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس ناانصافی کے نتیجے میں اس خاندان میں کبھی اتفاق و اتحاد کا نام نہیں رہا اور عروج سے لیکر زوال تک اس خاندان کے کئی افراد جائیداد کے تنازعات کی وجہ سے مارے گئے اور آپس کی دشمنیاں سالہا سال چلتی رہیں۔

دیکھا جائے تو خان قاسم خان کو اقتدار کی خاطر اس کے بیٹے نے قتل کیا پھر غزن خان کی لشکر کشی سے اس کا ایک بھائی مارا گیا۔ نواب اوّل محمد شریف خان کے ہاتھوں اس کا ایک بھائی جمروز خان اور بھتیجا مارا گیا۔ پھر نواب دوم اورنگزیب نے اپنے سگے بھائی میاں گل جان کو مار ڈالا اور آخر میں نواب سوم شاہ جہان اور

ماضی میں جتنی جنگیں لڑی تھیں یہ طاقتور قبائل ان میں ہراول دستے کے طور پر شامل رہے۔ ان قبائل کو اعتماد میں لینے کیلئے واڑی میں سلطان خیل، پائندہ خیل کا بیس ہزار لشکر بلایا گیا لیکن اس کے چند روز بعد نواب پر جزام کی بیماری نے حملہ کیا جس سے وہ فالج زدہ ہو کر کرسی تک محدود ہو گیا۔

دیر اور سوات کی مستقل حد بندی

انگریز سوات اور دیر کی جنگیں دیکھتے ہوئے بھی پختونوں کے آپس میں لڑانے کی پالیسی یا نواب کے ساتھ اچھے تعلقات کی وجہ خاموش تماشائی بنا رہا۔ چکدرہ تا دیر جرنیلی سڑک پر انگریز فوج ہر چھ ماہ بعد گلگت تک جاتی تھی۔ اس سڑک کو خطرے میں دیکھ کر انگریزوں نے نواب اورنگزیب اور والی سوات کے درمیان 1923ء میں ایک معاہدے کے تحت حد بندی کر کے راموڑہ میں 'کمال خان چینہ' حد رکھا گیا۔ یاد رہے دیر کی جنوب مغرب کو خادکزو میں حد 'تودہ چینہ' ادین زئی کے شمال مشرق میں اسبنڑ 'سر بالا' دیر کا سوات سے حد ہے۔ والی سوات اس تقسیم کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''انگریز نے طرف داری کر کے ہمارے بیشتر حصے نواب کو دیئے مگر ہم پھر بھی معاہدے پر رضامند ہو گئے''۔ یہ سرحد رکھ کر والی سوات کو سوات میں حکومت چلانے اور نظم و نسق سنبھالنے کا موقع ملا مگر دیر کے نواب کو اب بھی جندول میں بغاوتوں کا سامنا باقی رہا۔

دیر اور سوات کی یہ حد بندی دیر کے کسی بھی حکمران کا پڑوس کے حکمران سے اوّلین حد بندی معاہدہ تھا کیونکہ دیر کے حکمران اوّل غلام خان سے لیکر اب تک دیر کے ہر حکمران نے اپنے دور اقتدار میں ہر طرف لشکر کشی جاری رکھی اور اپنی سلطنت کے حدود شمال میں چترال جنوب میں سخاکوٹ مشرق میں زیریں سوات اور مغرب میں اسمار و باجوڑ تک پھیلائیں لیکن کبھی کسی حکمران نے دیر کی سلطنت کا تعین نہیں کیا اور نہ آس پاس حکمرانوں سے حدود رکھنے کے معاہدے ہوئے۔

نواب کو جندول سے بھی حد بندی رکھنی چاہیے تھی

اگر نواب دیر سوات کے معاہدے کی طرح جندول کے ساتھ بھی حد بندی کا معاہدہ کرتا تو آج تاریخ دیر اپنے اوراق میں اتنا خون خرانہ نہ سمیٹا ہوتا اور نہ دیر اتنا پسماندہ ہوتا۔ اگر دیر کے نوابوں کی یہ دلیل تھی کہ جندول ہم پر انگریزوں نے اسّی ہزار ہندوستانی روپیوں کے عوض بیچ ڈالا ہے تو دیر کے حکمران

جندول کے عوام پر ٹیکس لگا کر یہ رقم مختصر عرصے میں وصول کر سکتے تھے۔ اگر جندول سے اس وقت معاہدہ ہوتا تو پشاور سے جندول تک تجارت براستہ دیر ہوتی اسی طرح ولئی کنڈاؤ پر ایک معصول چونگی بنا کر نواب دیر اسی ہزار سالانہ ٹیکس صرف ایک سال کے اندر بھی وصول کر سکتا تھا۔

شاید یہ انگریز بھی نہیں چاہتے تھے کہ دیر سے جندول کو آزادی ملے۔ ہو سکتا ہے یہ Divide and rule پالیسی تھی کیونکہ دیر، جندول اور باجوڑ میں ترکلانی، سلارزئی، مہمند اور دیر کے سلطان خیل و پائندہ خیل جیسے جنگجو قبائل آباد تھے۔ اگر یہ قبائل آپس میں اتفاق سے رہتے تو ماضی کی دوسرے اقوام کی طرح انگریزوں کو ان شمالی علاقوں میں حکومت چلانی مشکل ہوتی۔

سوات اور جندول کو قبضہ میں رکھنے کے اثرات

حکمران خاندان میں ہر زمانے میں اندرونی خانہ جنگی رہی

ایک طرف دیر ہر طرف لشکر کشی کی مہمات کی وجہ سے خانہ جنگی کا شکار رہا اور دوسری طرف دیر کے ہر حکمران نے کئی شادیاں کیں۔ ہر حکمران کے ہاں سوتیلے بیٹے ہوتے تھے جس کی وجہ سے ان کے مابین جائیداد کی مساوی یا جائز تقسیم ناممکن ہو جاتی۔

تاریخ دیکھی جائے تو اس خاندان میں جائیداد کی مساوی تقسیم کی بجائے یہ طریقہ رہا کہ ایک حکمران کئی بیویاں رکھتے ہوئے اپنی پسند کی بیوی کے بیٹوں کو دوسرے بیویوں کے اولاد کی نسبت زیادہ جائیداد دیتا یا بعض حکمران اپنے بیٹوں کو جائیداد دیتے اور اپنے بھائی اور چچازاد بھائیوں کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس ناانصافی کے نتیجے میں اس خاندان میں کبھی اتفاق و اتحاد کا نام نہیں رہا اور عروج سے لیکر زوال تک اس خاندان کے کئی افراد جائیداد کے تنازعات کی وجہ سے مارے گئے اور آپس کی دشمنیاں سالہا سال چلتی رہیں۔

دیکھا جائے تو خان قاسم خان کو اقتدار کی خاطر اس کے بیٹے نے قتل کیا پھر غزن خان کی لشکر کشی سے اس کا ایک بھائی مارا گیا۔ نواب اوّل محمد شریف خان کے ہاتھوں اس کا ایک بھائی جمروز خان اور بھتیجا مارا گیا۔ پھر نواب دوم اورنگزیب نے اپنے سگے بھائی میاں گل جان کو مار ڈالا اور آخر میں نواب سوم شاہ جہان اور

عالمزیب خان 1940ء تک جندولی جائیداد پر ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے۔

دیر کے حکمرانوں نے ماضی کی غلطیاں دہرائیں

۱۔ عمرا خان کی سلطنت کے زوال کی بنیادی وجہ ان کا ہر علاقے کو بزور شمشیر اپنی سلطنت میں شامل کرنا اور ہر طرف تلوار اٹھانا تھا دیر کے نوابوں کو ان سے سبق لینا چاہئے تھا۔

۲۔ ریاست سوات کے ساتھ 1923ء میں بونیر نے بخوشی الحاق کیا۔ والی سوات کا ریاست سوات کو ترقی کے راہ پر ڈالنے سے اہل بونیر اور وادی کالام کے کوہستانی قبائل نے متاثر ہو کر ریاست سوات میں شامل ہونے کی حامی بھر لی۔ اگر والی سوات بھی دیر کے حکمرانوں کے ڈگر پر چل کر تلوار اٹھاتا تو ان کو بھی نوابین دیر جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔

۳۔ دیر کے حکمرانوں نے ہمیشہ تلوار کے زور پر جندول وسوات کو دبائے رکھا۔ اگر نواب دیر بیدار مغز رہ کر سوات کے عوام کی شکایتوں کا ازالہ کرتے اور جندول میں سلطان خیل پائندہ خیل اور ترکلانی قبائل کے درمیان امتیازی اور غیر روادارانہ سلوک نہ رکھتا تو شاید محبت اور خوشحالی فضا میں دیر سلطنت کا دائرہ سوات و جندول تو کیا اس سے بھی آگے بڑھایا جاسکتا تھا۔

مسلسل بغاوتوں میں مصروف رہنے سے دیر کے حکمران روشن خیال نہ بن سکے

☆ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کے دوران دوسری ریاستوں کے نواب راجے مہاراجے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے دورے کرتے، ان کے بچے اکسفورڈ اور میونخ میں پڑھتے تھے۔ باہر گھوم پھر کر یہ شہزادے جب اقتدار لیتے تو اپنی قوم کے لئے ترقی و خوشحالی کے نئے نئے منصوبے بنانا ان کے لئے آسان ہوتا۔

☆ ایسی ہی مثال ایک چترالی شہزادے ناصر الملک کی ہے۔ انھوں نے اسلامیہ کالج پشاور سے گریجویشن کیا اور 1936ء میں شجاع الملک کے بعد مہتر بنے۔ یاد رہے شجاع الملک وہی مہتر تھا جس کو انگریزوں نے عمرا خان کی شکست کے بعد 1895ء میں چترال کے تخت پر بٹھایا تھا۔ اس مہتر کے اکتالیس سالہ دور حکومت میں ریاست چترال انتہائی پسماندہ رہا لیکن جب تعلیم یافتہ مہتر ناصر الملک اقتدار میں آیا تو انھوں نے سب سے پہلے چترال کے عوام سے بیگار (مفت کام لینا) ختم کیا۔ چترال کا

عالمزیب خان 1940ء تک جندولی جائیداد پر ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے۔

دیر کے حکمرانوں نے ماضی کی غلطیاں دہرائیں

۱۔ عمرا خان کی سلطنت کے زوال کی بنیادی وجہ ان کا ہر علاقے کو بزور شمشیر اپنی سلطنت میں شامل کرنا اور ہر طرف تلوار اٹھانا تھا دیر کے نوابوں کو ان سے سبق لینا چاہئے تھا۔

۲۔ ریاست سوات کے ساتھ 1923ء میں بونیر نے بخوشی الحاق کیا۔ والی سوات کا ریاست سوات کو ترقی کے راہ پر ڈالنے سے اہل بونیر اور وادی کالام کے کوہستانی قبائل نے متاثر ہو کر ریاست سوات میں شامل ہونے کی حامی بھر لی۔ اگر والی سوات بھی دیر کے حکمرانوں کے ڈگر پر چل کر تلوار اٹھاتا تو ان کو بھی نوابین دیر جیسے حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔

۳۔ دیر کے حکمرانوں نے ہمیشہ تلوار کے زور پر جندول وسوات کو دبائے رکھا۔ اگر نواب دیر بیدار مغز ہو کر سوات کے عوام کی شکایتوں کا ازالہ کرتے اور جندول میں سلطان خیل پائندہ خیل اور ترکلانی قبائل کے درمیان امتیازی اور غیر روادارانہ سلوک نہ رکھتا تو شاید محبت اور خوشحالی فضا میں دیر سلطنت کا دائرہ سوات و جندول تو کیا اس سے بھی آگے بڑھایا جا سکتا تھا۔

مسلسل بغاوتوں میں مصروف رہنے سے دیر کے حکمران روشن خیال نہ بن سکے

☆ ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کے دوران دوسری ریاستوں کے نواب راجے مہاراجے دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے دورے کرتے، ان کے بچے اکسفورڈ اور میونخ میں پڑھتے تھے۔ باہر گھوم پھر کر یہ شہزادے جب اقتدار لیتے تو اپنی قوم کے لئے ترقی وخوشحالی کے نئے نئے منصوبے بنانا ان کے لئے آسان ہوتا۔

☆ ایسی ہی مثال ایک چترالی شہزادے ناصر الملک کی ہے۔ انھوں نے اسلامیہ کالج پشاور سے گریجویشن کیا اور 1936ء میں شجاع الملک کے بعد مہتر بنے۔ یاد رہے شجاع الملک وہی مہتر تھا جس کو انگریزوں نے عمرا خان کی شکست کے بعد 1895ء میں چترال کے تخت پر بٹھایا تھا۔ اس مہتر کے اکتالیس سالہ دور حکومت میں ریاست چترال انتہائی پسماندہ رہا لیکن جب تعلیم یافتہ مہتر ناصر الملک اقتدار میں آیا تو انھوں نے سب سے پہلے چترال کے عوام سے بیگار (مفت کام لینا) ختم کیا۔ چترال کا

پہلا مڈل سکول بھی انھوں نے 1938ء میں بنایا اور دوسرے شعبوں میں بھی چترال کو ترقی کے نئے راستوں پر گامزن کیا۔

اس طرح ایک دوسری مثال والی سوات کے جانشین عبدالحق جہانزیب کی ہے جب انھوں نے پشاور سے ایف اے تک تعلیم حاصل کی اور 1949ء میں سوات کے حکمران بنے تو تین سال بعد انھوں نے سوات میں جہانزیب کالج کی بنیاد رکھی اور 1969ء تک اقتدار میں رہ کر انھوں نے سوات کو ایک جدید ترقی یافتہ اور مثالی ریاست بنا دیا۔ ☆

اپنی اہم جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے دیر انگریزوں کے دور میں بڑی اہمیت کی حامل ریاست رہی اور یہاں کے بعض حکمرانوں کے انگریزوں سے بہت قریبی تعلقات رہے۔ اس وجہ سے اپنے بچوں کو بیرون ملک تعلیم دلوانا ان کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اگر اس زمانے میں دیر کا کوئی ایک بھی حکمران لندن کی سیر پر جاتا تو یہ پورے دیر کے لئے انقلاب لاتا اور آج دیر کی تاریخ کچھ اور رنگ میں پیش ہو جاتی۔

دیر کا ہر حکمران اس خدشہ کے سبب ریاست سے باہر ہندوستان یا لندن نہیں گیا کہ خاندانی لڑائی جھگڑوں میں مصروف رہنے کے علاوہ ہر حکمران کو یہ خدشہ رہا کہ اگر وہ ریاست سے باہر گیا تو اپنی ہی برادری کا کوئی فرد اقتدار پر قبضہ کر لے گا۔

جندول اور سوات کو ہمیشہ طاقت سے دبانے میں یہ اتنے مصروف رہے کہ انگلینڈ جانا تو در کنار اس خاندانؒ کے بانی اخون الیاسؒ کے بعد تین سو اکیس سالہ دورِ حکومت کے دوران اس خاندان کا کوئی حکمران حج کیلئے بھی نہ جا سکا جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ حکمران دنیاوی اقتدار میں کتنے مصروف رہے۔ ہر زمانے میں بیرونی و اندرونی لڑائی اور جنگوں میں مصروف رہنے سے نہ تو یہ حکمران خود ترقی یافتہ اور روشن خیال بن سکے اور نہ یہاں کے عوام کو ترقی دے سکے۔

خانہ جنگی میں مصروف نواب اوّل کی نا اہلی

1895ء میں نوابی کا خطاب لے کر نواب اوّل خان محمد شریف خان کو موقع ہاتھ آیا تھا کہ انگریزوں کیساتھ مل کر وہ ریاست دیر کو ایک ترقیافتہ ریاست بناتے لیکن نواب اوّل کو عمرا خانی سلطنت

بزور شمشیر قابو میں رکھنے اور جندول کے اقتدار پر اپنے چابک دست بیٹے میاں گل جان سے اختلافات کے باعث یہ فرصت نہیں مل رہی تھی، کہ وہ ریاست میں قانون سازی، تجارت، مواصلات، تعلیم کے فروغ یا دوسری اصلاحات کے لئے کام کر سکتے۔

1901ء میں درگئی سے نوشہرہ تک ریلوے پٹڑی بچھائی گئی۔ اس زمانے دیر میں جنگلات، چاول، دیسی گھی، جنگلی جڑی بوٹیوں اور جانوروں کی کھالوں کی بہتات تھی۔ نواب کو چاہئے تھا کہ وہ دیر کے جنگلات کاٹ کر درگئی میں ٹمبر مارکیٹ بنالیتا اور دیر کے تاجروں کو مراعات دے کر ہندوستان سے براہ راست تجارت کو فروغ دیتا۔

1912ء میں درگئی ملاکنڈ ٹنل اور بجلی گھر (جبن فاور ہاؤس) بنایا گیا لیکن نواب انگریزوں کے دوست ہوتے ہوئے بھی دیر میں نہری نظام کو فروغ دینے، بجلی گھر بنانے یا مواصلاتی نظام کو ترقی دینے میں ناکام رہا۔ نواب اوّل کا صرف ایک کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے 1896ء میں پانچ ہزار روپے دے کر انگریزوں کی مدد سے چکدرہ میں ایک ہسپتال بنایا جو 1897ء میں قبائلیوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت میں جلا کر خاکستر کر ڈالا۔

نواب دوم کے سر پر کانٹوں کا تاج تھا

نواب دوم محمد اورنگزیب خان 1904ء میں تخت نشین ہونے پر ایک متنازعہ حکمرانی ملی۔ نواب اوّل کے انگریزوں سے اچھے تعلقات کے سبب ان کی نو سالہ اقتدار میں 1897ء میں سوات کے عوام کی بغاوت کے علاوہ کسی اور خاص بغاوت کا ذکر نہیں ملتا۔ جب نواب دوم تخت نشین ہوئے تو بغاوتوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو ان کی وفات تک جاری رہا۔ نواب دوم کی بیس سالہ حکومت جندول و سوات کے عوام کو بزور شمشیر قابو میں رکھنے کی کوشش تھی بلکہ یہ بغاوت اٹھنے اور بغاوت کو دبانے کی ایک ایسی لڑی تھی جو نواب کی موت کے ایک سال پہلے دیر اور سوات کی حد بندی کی صورت میں ختم ہوئی۔

نواب پر اپنے درباریوں کا ظلم

نواب محمد اورنگزیب کے درباری غدار افسر جن کی تعداد چھ بتائی جاتی ہے نے، نواب سے قومی خزانہ لوٹ لیا تھا اور ان کو برائے نام نواب رکھ کر ان سے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے

تھے۔ یہ غدار جندول اور سوات کی جنگوں میں نہ صرف رشوت لیتے بلکہ ان کو نواب کی پیاری بیوی خارو بی بی تک رسائی تھی۔ ولی عہد کو معلوم تھا کہ یہ افسر جو بات بھی ان کے والد سے منوانا چاہتے ہیں تو وہ انکی ماں خارو بی بی کے ذریعے ان کے باپ سے منواتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے ولی عہد کو ان افسروں کا اپنی ماں سے ملنا جلنا انتہائی ناپسند تھا لیکن وہ ان کو اپنے باپ کے خوف کی وجہ سے اپنی ماں سے ملنے جلنے سے منع نہیں کر سکتا تھا۔ ولی عہد کو یہ میل جول اس لئے بھی ناپسند تھا کہ یہ افسر شاہی خاندان کے کسی رشتے میں نہیں آتے تھے اور گھر کے بھیدی بنے بیٹھے تھے۔

ولی عہد جب حکمران بنا تو وہ پردے کا اس حد تک پابند تھا کہ ایک دفعہ اس کی نواسی ولی عہد محمد شاہ خسرو کی بیٹی بیمار ہوئی تو ڈاکٹر کو دکھانے کیلئے یہ بچی ایک سفید چادر میں لپیٹ کر باہر لائی گئی۔ ڈاکٹر کے رخصت ہونے پر وہاں موجود فوجی افسر کو اس وجہ سے عہدے سے ہٹا دیا گیا کہ ڈاکٹر کو بچی کے بدن کا کچھ حصہ نظر آ گیا تھا۔

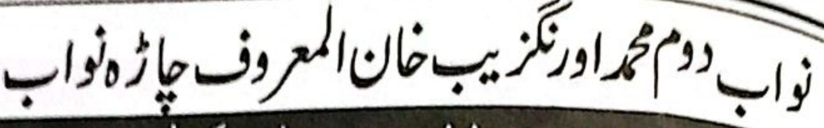
مرحوم نواب کی بیوی (شاہ جہان و عالمزیب خان کی سوتیلی ماں) خارو بی بی کا تعلق قبیلہ مشوانی سے تھا اور جس سے نواب بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اس کا پہلا خاوند بہورا نامی شخص تھا جس سے چارہ نواب نے تین ہزار روپیہ کے عوض یہ حسین و جمیل عورت آزاد کرائی تھی۔ اس کو نواب پیار سے خارو بی بی کہتے تھے جو پشتو میں ''مینا'' پرندے کو کہتے ہیں۔ بدقسمتی سے نواب ایک طرف سوات و جندول کی بغاوتوں سے تھکا ہوا تھا دوسرے ان کو جزام کا موروثی مرض لاحق ہوا جس کی وجہ سے انکی انگلیاں گر چکی تھی اور وہ فالج زدہ تھے۔ دوسری طرف خارو بی بی کی اچانک موت نے نواب کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ اس ملکہ کی موت ایک معمہ بن گئی بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اپنی موت نہیں مری بلکہ اسے مار ڈالا گیا تھا۔

ان کی وفات کے بعد یہ افسران جو پہلے سے نواب سے طرح طرح کی چالیں چلتے آ رہے تھے۔ اب خارو بی بی کے نام ان سے پیسہ بٹورنے لگے۔ کہتے ہیں کہ نواب کی زبان پر ہر لحہ، خارو بی بی، خارو بی بی کا نام رہتا۔ دیر کے سینکڑوں بزرگان سے یہ مشہور قصے ہیں کہ جب نواب اپنی خوابگاہ میں جاتے تو ایک افسر خارو بی بی کا لباس پہن کر زیورات سجا کر اسی ناز و ادا کیساتھ چل کر محل سے گزرتا۔ نواب فوراً جاگ کر کہتا کہ یہ کون تھی۔ باقی افسر آ کر کہتے کہ یہ خارو بی بی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اتنی رقم بھیج دیں تو پھر میں آؤں گی۔ عشق میں دیوانہ نواب اپنے خزانہ افسر کو بلا کر کہتا'' :هله زر ور کړئ چه سو مره غواړی''

''جلدی سے دے دیں جتنا مانگتی ہے''۔

اس طریقے سے رقم لے کر یہ افسر اسے آپس میں بانٹتے۔ایسے قصے سن کر یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ نواب اپنی پیاری بیوی کے عشق میں کس حد تک پاگل ہو چکا تھا۔ایسی ہی ایک اور مشہور روایت کے مطابق بعض اوقات یہ افسر اس (معذور) نواب کو ہاتھوں میں اٹھائے خاروبی بی کے قبر پر لے جاتے اس کے ساتھ والی قبر کو خاروبی بی کا مزار ظاہر کرتے اور اس میں پہلے سے ایک افسر نیچے چھپ کر خاروبی بی کی آواز نکال کر کہتا کہ میں خاروبی بی ہوں اور میں آرہی ہوں لیکن مجھے اتنا سونا چاہیے۔اسطرح نواب سونے کا حکم بھی صادر فرماتا الغرض اس نواب پر ان افسروں اور درباریوں نے بہت ظلم کیا۔کچھ غدار افسروں کے ہاتھوں سوات وجندول کی جنگوں میں ہارے، کچھ فالج زدہ اور تکلیف دہ بیماری اور سب سے بڑی مصیبت ان کی پیاری بیوی خاروبی بی کی موت تھی جس کی یاد میں وہ دیوانہ وار روتا رہا۔اسی طرح ان کی زندگی کے آخری لمحات بڑی دردناک حالت میں گزرے۔

نواب دوم محمد اورنگزیب خان المعروف چاڑہ نواب



نواب سوم محمد شاہ جہان خان
دیکھئے آئندہ کتاب

نوابزادہ عالم زیب خان
حال گرداس کلے مردان و جان بی براول

نوابزادہ بخت جہان زیب خان
المعروف تیمر خان اولاد تیمر میاں باندہ تیمر گرہ

نوابزادہ پام جان خان بچپن وفات

عالم زیب خان بیویاں

(1) خار باجوڑ خان کی بیٹی
(2) جان بی خان کی بیٹی
(3) شہزادی عاریف اللہ کی خان کی بیٹی
(4) میانگل جان بیوہ (سید احمد خان کی بیٹی)
(5) باندی میدان حاجی خان کی بیٹی
(6) بیبیوڑ (میاں باندہ) بیبیوڑ بی بی

شاہ سلطان مرحوم
مبارک زیب خان مرحوم

اظہر سلطان المعروف ٹیپو خان

محمود زیب خان
احمد زیب خان
سکندر زیب خان
اورنگزیب (عالمگیر) خان

بزرگ شاہ زیب خان
عالمگیر خان
محمد فیروز خان
انور شاہ زیب دیوانہ
شاہ زیب خان مرحوم
محمد سلطان خان

عمرا خان
کامران

اختر زیب خان المعروف (نکلی خان)
اکبر زیب خان المعروف خانانو
سکندر زیب (شہزاد)

زاہد سلطان خان
وحید سلطان
شریف سلطان
قاسم سلطان
آمیر خان

بہادر شاہ زیب خان (مرحوم)
جہانگیر خان
بخت شاہ زیب خان
آمیر شاہ زیب

محمد زیب خان
احمد زیب خان
شاہ فھد
طارق اکلوتا
لغمان خان

باب ہشتم

نواب سوم سر محمد شاہ جہان خان یوسفزئی

1924ء تا 1960ء

ولی عہد کا کٹھن بچپن اور لڑکپن

ولی عہد محمد شاہ جہان خان نے 1895ء میں براول بانڈئی میں اس زمانے میں آنکھ کھولی۔ جب ان کے دادا خان شریف خان سوات میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ پانچ سال تک براول کے بلند وبالا پہاڑوں کے حصار میں پرورش پانے کے بعد اسے فارسی کی تعلیم دلانے کی غرض سے اوچ کے فضل عظیم جان کے پاس بھیجا گیا لیکن جندول وسوات کی بغاوت شروع ہونے کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر براول لوٹ آیا۔

ولی عہد نو سال کی عمر کے تھے کہ جندول سے ان کے چچا میاں گل جان نے ان کے والد نواب اورنگزیب پر پہلا حملہ کیا۔ گیارہ سال کی عمر میں سوات کی بغاوت کو دبانے کے لئے انھیں والد نے بطور سپہ سالار سوات کے محاذ پر بھیجا لیکن کم عمری کی بناء پر انھوں نے میدان جنگ سے فرار اختیار کی۔ سولہ سال کی عمر میں انھیں بمقام اخگرام اپنے چچا میاں گل جان نے ایک دفعہ پھر شکست سے دوچار کیا اور تین روز بعد ان کے والد سے اقتدار بھی چھین لیا۔ ولی عہد اپنے چودہ سالہ بھائی کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر شام کو جندول کے انتہائی مغربی پہاڑوں سے ہوتے ہوئے باجوڑ پہنچے۔ جہاں ان دونو عمروں پر دو مہینے بڑی بے چینی اور تکلیف سے گزرے۔ الغرض ابتدائی سولہ سال ولی عہد نے جنگی مہمات میں شرکت کرتے ہوئے گزارے۔

بلند و بالا پہاڑوں میں ولی عہد کی ذہنی نشو ونما

بغاوتوں کو کچلنے اور جنگی مہمات کی تیاری میں مصروف رہنے کی وجہ سے نواب دوم محمد اورنگزیب خان ولی عہد کو شفقت ومحبت نہ دے سکا۔ والی سوات کی سوانح عمری کی مطابق 1915ء کے لگ بھگ نواب کے افسران کی شرارت پر ولی عہد نے بیس سال کی عمر میں اپنے والد سے اقتدار لینے کی سازش بھی کی جو انھیں زندگی بھر بڑی مہنگی پڑی۔ دیکھا جائے تو یہاں سے نواب کے اپنے بیٹے سے اور بھی فاصلے بڑھنا شروع ہوئے۔

ولی عہد سے اپنے باپ کی نفرت کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نواب خود ایک جنگجو اور بہادر حکمران تھا انھوں نے اپنے جانشین کو کئی جنگی میدانوں پر آزمایا لیکن وہ یا تو شکست کھا گیا یا فرار کی راہ

اختیار کی جبکہ ان کے دوسرے لڑکے عالمزیب خان نے ان کے برعکس کئی محاذوں پر اپنی بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور نتیجتاً نواب نے اپنے چھوٹے صاحبزادے کو منڈا جیسا اہم قلعہ تصرف میں دے دیا۔ سازشی اور چالباز افسران نواب کو ولی عہد کی یہ کمزوری بھی بار بار دہرا کر کہتے کہ میدان جنگ میں مسلسل ہارنے والا آپ کی ریاست کو کیا سنبھالے گا۔ ان افسران نے باپ بیٹے میں نفرت کی ایک ایسی دیوار کھڑی کردی کہ فالج زدہ ہو کر بھی نواب اورنگزیب ولی عہد کو اقتدار نہیں سونپ رہا تھا۔

ولی عہد کو باپ نے اپنے آپ سے دور رکھا، رشتہ داروں کی طرف سے بھی اس کو پیار نہ ملا کیونکہ اس کے بیشتر قریبی رشتہ داران کے والد سے اقتدار چھیننے میں مصروف رہے۔ اس نے صرف چھٹی جماعت تک پڑھا۔ جنگوں اور کشیدہ حالات کے سبب براول علاقے کے بنگلے تک محدود رہ کر ولی عہد کا یہ حال تھا کہ انھوں نے انتیس سال کی عمر تک کبھی پشاور یا ہندوستان کی سیر نہیں کی تھی۔ والد کا رعب، چالاک و چالباز افسران کے ہاتھوں قتل کا خدشہ لئے ولی عہد براول بنگلہ میں احساس کمتری کی زندگی گزارنے پر مجبور تھا اور یہی وہ وجوہات تھے جوان کی روشن خیالی میں رکاوٹ بنے۔ اگر نواب اپنے بیٹے کو ساتھ رکھتا تو شاید بے ایمان افسران نواب کو اتنی تکالیف نہ دیتے اور ولی عہد بھی پیار بھرے خوشگوار ماحول میں پرورش پاکر شاید اتنا سخت دل نہ بنتا۔

مشہور ہے کہ ایک دن ولی عہد نے انہی افسران میں سے جوان کے بیمار والد کی ساری نوابی چلا رہے تھے، ایک افسر سے پوچھا کہ بابا (نواب) کی وفات کے بعد حکومت کا کیا ہوگا۔ انہوں نے بتایا کہ تم براول میں رہو گے اور ہم آپ کی نوابی سنبھالیں گے۔ ولی عہد ان کے ارادے بھانپ گیا اور خاموش رہا۔ میاں کلی کے معجون اور دوسرے منشیات سے دل بہلا کر ولی عہد اس دن کا انتظار کر رہا تھا۔ والد کی زندگی میں انھوں نے اقتدار حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اس حرکت سے خانہ جنگی کے علاوہ کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔

ولی عہد کے ہاتھوں اپنے باپ کا قتل

نواب محمد اورنگزیب خان بیس سال تک کانٹوں کا تاج سر پر سجائے سوات اور جندول کیساتھ بیسیوں جنگوں لڑنے کے بعد تین سال تک فالج زدہ حالت میں شاہی کرسی تک محدود رہے۔ کچھ اپنی

پیاری بیوی خاروبی بی کی موت کے بعد ان کی یاد میں روتے اور کچھ غدار افسران کے ہاتھوں غمزدہ ہو کر دیر کا یہ بادشاہ اپنے درباریوں کے ہاتھوں کھلونا بن گئے لیکن انھوں نے اس حالت میں بھی نوابی کے اختیارات اپنے پاس رکھے اس کے کچھ وجوہات یہ تھے۔

۱۔ غدار افسران اقتدار بیمار نواب کے پاس رکھنا چاہتے تھے کیونکہ آخری عمر میں ان افسران نے سارے اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے رکھے تھے۔

۲۔ والی سوات بیان کرتے ہیں کہ ''1915ء کے لگ بھگ افسران کی سازش تھی کہ ولی عہد شاہ جہان کو تاج سجا کر نواب اورنگزیب کو ہٹایا جائے لیکن وہ اس چال میں ناکام ہوئے تھے''۔ ولی عہد کی یہ حرکت شاید باپ کو سخت ناپسند آئی تھی اور وہ اقتدار ان کو نہیں سونپ رہا تھا۔

۳۔ نواب کو شاید خانہ جنگی کا بھی ڈر تھا کیونکہ ولی عہد کی بجائے بہت سے درباری افسران اور قبائلی سردار نواب کے دوسرے چھوٹے بیٹے عالم زیب خان کو اقتدار دلوانے کی ضد کر رہے تھے۔

۴۔ مشہور ہے کہ ولی جب اپنے باپ کے دربار میں جاتے تو غدار افسران کی خوشامد، بے ایمانی اور بعض دوسرے کرتوت دیکھ کر وہ ان افسران پر قہر آلود نظر ڈالتے یہ افسران ان کی نظروں میں خطرہ محسوس کر رہے تھے، اسلئے یہ افسران انھیں دیر کا آئندہ حکمران بنانے کے مخالف تھے۔ وہ انہیں نظر انداز کرتے اور نواب کو اکساتے کہ جب تک آپ میں دم ہے تو آپ ہی حکومت کریں اور ولی عہد کو ناسمجھ، نادان اور حکومت کیلئے نااہل ظاہر کر کے ان کے باپ کے اقتدار کو طول دیتے رہے۔

۵۔ نواب اورنگزیب (چاڑہ نواب) کی وفات کے متعلق ان کا پوتا سلطان خان (رہائش جان بٹئی درّہ براول) کہتے ہیں کہ ''میں نے اپنے والد عالمزیب خان سے سنا تھا کہ ولی عہد شاہ جہان نے اپنے باپ کو زہر دے کر مروایا''۔ یہ بات مرحوم نواب کے ذاتی ڈاکٹر جو ڈاکٹر ملاّ کے نام سے مشہور تھے، سے بھی ایک پائندہ خیلی بزرگ نے سنی تھی لیکن ولی عہد کے خوف و دہشت کی وجہ سے افسران نے یہ راز دل میں چھپائے رکھا۔

مشہور روایت کے مطابق چاڑہ نواب کی لاش کو تین دن تک دربار کے ایک حصے دریچہ (دربچہ) نامی عمارت میں رکھا گیا تھا اور اس دوران نواب کی شدید علالت کی خبر پھیلا کر ولی عہد نے فوراً اپنے مخالف افسران کو یا تو نظر بند کروا دیا یا معطل کر دیا۔ اقتدار پر قبضہ جماتے ہی اس نے ایک دن

کے اندر اندر ریاست بھر سے اپنے حمایتی قبائیلی سرداروں کو اپنے پاس بلایا۔
یہ روایت اگرچہ بزرگوں سے بہت کم سنی گئی مگر مندرجہ ذیل حالات کو دیکھ کر یہ اندازہ صحیح نکلتا ہے۔

۱۔ شاید ولی عہد مزید انتظار کو اپنے اقتدار اور اپنی جان کے لئے خطرہ محسوس کر رہا تھا کیونکہ انہیں ان افسروں سے اپنے قتل کی سازش کی بو آرہی تھی۔

۲۔ نواب فالج زدہ رہ کر نوکر کے ہاتھوں کھانا کھاتے لیکن اقتدار پھر بھی ولی عہد کو نہیں دے رہا تھا۔ ایک طرف نواب اپنی موت سے نبرد آزما تھے اور دوسری طرف یہ غدار افسران اس سوچ میں تھے کہ یا تو اقتدار عالمزیب کے ہاتھوں میں دے دیں یا خود بغاوت پر اتر کر نوابی پر قبضہ جما لے۔

۳۔ بزرگوں کی یہ روایت بھی یہاں موزوں رہیگی کہ اس خاندان کے کئی حکمران یکے بعد دیگرے اپنے جانشینوں کے ہاتھوں زہر دینے سے مار ڈالے گئے۔

۴۔ بعد میں یہ ولی عہد حکمران بن کر کتنا سخت دل نکلا کس خوف و دہشت سے اس نے حکومت کی۔ کتنے لوگوں کو اس نے اقتدار کی خاطر اپنے وطن سے ملک بدر کیا۔ حتیٰ کہ اپنے سگے بھائی سگے بیٹے اور ان کی اولاد کو بھی اپنی گرفتاری تک ریاست سے بے دخل کئے رکھا۔ اپنے اہل و عیال اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے قوم کو جتنی تکالیف سے اس نے دو چار کئے رکھا تو اسکی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس سخت دلی کی ابتداء اس نے اقتدار کے پہلے ہی دن سے کی تھی۔

سپہ سالار صفدر خان پر لشکر کشی

صفدر خان (بہادر شاہ خیل) جاڑہ نواب کا مشیر خاص، فوج کا سپہ سالار، وزارت خزانہ اور کئی دوسرے اہم امور کے اختیارات رکھتا تھا۔ براول کے بہادر شاہ خیل قوم میں بہت اثر دخل ہونے کے علاوہ ان کے دو بیٹے علیٰحدہ قلعوں کے صوبیداران اور ماموٗ شاگے ملک ایک دوسرے قلعے کا حاکم تھا۔ یہ سپہ سالار چونکہ نواب کے دوسرے بیٹے عالمزیب خان کو دیر کا حکمران بنانے کا سخت حمایتی تھا۔ اسی شام کو جب نواب کی لاش محل کے ایک حصے میں خفیہ رکھی گئی تھی۔ والد کی موت کو صیغہ راز میں رکھ کر ولی عہد سپہ سالار کے گھر پر حملہ آور ہوا۔ اس خدشے سے کہ نواب کی موت کی خبر پا کر اقتدار لینے کی صورت میں مزاحمت نہ کر سکے۔ اس حملے کی اطلاع پہلے سے سپہ سالار کو ملی اور انھوں نے اندھیرے میں گھر سے فرار

ہو کر انگلش لیوی پوسٹ میں پناہ لے لی۔ وہاں سے انگریزوں نے سپہ سالار کو ملاکنڈ کے قید خانے میں منتقل کیا۔ سپہ سالار کے علاوہ وہ درباری افسران جو مرحوم نواب کے ہاں اہم عہدوں پر فائز تھے اور عالمزیب خان کے حمایتی تھے ولی عہد ان کو بھی ایک ہی دن کے اندر اندر یا تو نظر بند کروالیا یا انکی چھٹی کرادی۔

پینڈی کس جرگہ کا دیر پہنچنا

حبیب الرحمٰن میر منشی لکھتے ہیں کہ ” نواب اورنگزیب کی شدید علالت کے دوران منجائی کے نزدیک ’پینڈی کس‘ کے مقام پر تقریباً ڈیڑھ سو سردار جن کا تعلق خونگی، رانی، شجادئی، خال اور سیند کے علاقوں سے تھا۔ اس غرض سے جمع تھے کہ اقتدار کی صورت میں بستر مرگ پر پڑے فالج زدہ نواب کے کون سے بیٹے کی حمایت کی جائے۔ ولی عہد ہوتے ہوئے بھی ان کے خلاف اتنے بڑے اجتماع کا جمع ہونا اور اقتدار حوالہ کرنے پر جرگہ کا بحث کرنا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ دیر کے بیشتر بااثر لوگ ان کے خلاف تھے۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ولی عہد کی براول کی زندگی بڑی بدنام تھی اور فالج زدہ نواب نے آخری سانس تک انھیں اقتدار نہ سونپا۔ شاید وہ بھی اپنے بیٹے سے مطمئن نہ تھے۔ ابھی یہ جرگہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پایا تھا کہ ایک مخبر نواب کی موت کی خبر لایا۔ جرگہ نے فوراً نواب کی تعزیت کیلئے دارالحکومت کی راہ لی اور بحث ادھوری رہ گئی۔

جرگہ کی خوشامد اور عمائدین کو بھاری لالچ دینا

جب یہ لوگ دیر پہنچے تو جاسوس پہلے سے جرگہ کے موضوع بحث اور جرگہ میں ہر بااثر شخص کی تقریر کا ایک ایک لفظ دارالحکومت کے دربار تک پہنچا چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جرگہ نے جب تعزیت کرتے ہوئے واپس جانے کی رخصت مانگی تو ولی عہد نے بڑے عاجزانہ انداز میں کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ چند دن تو ٹھہریئے اب بھلا یہ کتنا برا ہوگا کہ اس غم میں اتنی جلدی آپ ہمیں اکیلا چھوڑ کر جائینگے۔ اس طرح وہ ان لوگوں کو کئی دن تک ٹھہرائے رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔

اس جرگہ میں عالمزیب خان کے جو حمایتی تھے، ولی عہد انہیں اپنا طرف دار بنانا چاہتے تھے

اور جرگہ کو روکنے کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ ریاست کے ان چیدہ چیدہ عمائدین کو اپنے خلاف گٹھ جوڑ اور خفیہ جرگوں میں شرکت سے روکا جاسکے۔ حبیب الرحمٰن میر منشی کے مطابق ولی عہد نے اس جرگہ والوں پر دولت کی تجوری کھولنے کیلئے سرکاری خزانہ پر نظر ڈالی تو یہ غدار افسران کے ہاتھوں خالی پڑا تھا۔ انھوں نے نے فوراً اپنے صوبیدار کو نوشہرہ بھیج کر تاج محمد خان بدرشی سے مالی امداد کا بطور قرض مطالبہ کیا لیکن اس نے رقم ڈوبنے کے خوف سے معذرت کرالی۔ وہاں سے ناامید ہو کر نوشہرہ کے ایک دوسرے مالدار تاجر میاں فیروز شاہ سے ادھار کا مطالبہ کیا گیا جنھوں نے ان کے صوبیدار کو بھاری رقم دے دی۔

ولی عہد کے پہلے سے سمجھانے پر اس رقم سے پشاور سے دستار پگڑیاں، کپڑے، کھسے (پنڑے)، لاٹھیاں اور بیش قیمت تحائف خرید کر لائے گئے۔ جرگہ کو رخصت کرتے وقت ولی عہد نے ان ڈھیر سارے تحائف کی تقسیم کے علاوہ کسی کو عہدہ، کسی کو جائیداد دینے کیساتھ پیشکش کر کے مستقبل کے سبز باغ دکھا کر بڑی ہوشیاری سے اس جرگہ کو، جو کہ دیر کے بڑے بڑے عمائدین اور سرداروں پر مشتمل تھا اپنا طرف دار بنالیا۔

نوابی کا خطاب 1925ء

پینیدی کس جرگہ کو سبز باغ دکھانے کے سبب اعتماد میں لینے کے علاوہ ولی عہد نے اپنی چالاکی اور چرب زبانی سے دیر کے بیشتر سرداروں کو اپنے پاس بلا کر طرفدار بنالیا تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے نوابی کا تاج اپنے سر سجالے۔ اس کے لئے وہ ملاکنڈ پولیٹیکل ایجنٹ کو اعتماد میں لینے کیلئے سرگرم رہے۔ اس دوران ولی عہد نے اپنے بھائی عالمزیب خان کو ایک جرگہ بھیجا اور جھوٹی وفا کے دعویدار بن کر اسے منا کر چکدرہ قلعہ لانے میں کامیاب ہوگیا۔ انگریزوں نے دونوں بھائیوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا۔

ولی عہد کا بھائی کو اس محفل میں لانے کا مقصد یہ تھا کہ انگریز سمجھے کہ دونوں بھائیوں کے درمیان کوئی اختلافات نہیں اور ولی عہد ہوتے ہوئے وہ جلدی سے نواب کا خطاب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیگا۔ اس روز ولی عہد نے اپنے بھائی عالمزیب خان کے پسندیدہ نکات والے معاہدے پر دستخط کیئے۔ ان کا بھائی سے تازہ معاہدہ ہوا تھا اسلیئے کچھ مطمئن ہو کر انھوں نے فوراً ہندوستان کا پہلا دورہ

کیا اور نہایت چالاکی سے وائسرائے ہند کو باور کرا کے چھ ماہ کے مختصر عرصہ میں ایک تقریب کے دوران نواب آف دیر کا خطاب حاصل کیا جو کہ اسکی بہت بڑی کامیابی تھی۔

عبرتناک سزائیں

دہلی سے واپسی اور نواب کا خطاب ملنے کے کچھ عرصہ بعد شاہ جہان ایک دن ان بے ایمان افسران کو چکیاتن پل تک لے آیا۔ یہ دسمبر کا مہینہ تھا، کافی برف پڑی تھی ہزاروں سلطان خیل، پائندہ خیل اور آس پاس کے لوگوں کو بلا کر اس عبرت ناک سزاؤں کا چشم دید گواہ بنایا۔ اس روز ان تماشائیوں کے لئے درجنوں دیگیں پکانے کا بندوبست کیا گیا جس کے متعلق یہ گیت مشہور کر دیا گیا۔

پہ چکیاتن پی ورتہ باندی کڑل دیگونہ　　　　گڈان ورلہ وروڑینہ۔

یعنی چکیاتن کے مقام پر دیگیں آگ پر رکھ کر۔ تماشائیوں کے کھلانے کیلئے دنبے لائے جا رہے ہیں۔
دعوت طعام سے نواب کا شاید مقصد یہ تھا کہ لوگ یہ تماشہ دیکھنے آئیں۔ اس موقع پر نواب نے چونکہ ہزاروں پائندہ خیل قوم کو بلالیا گیا تھا اسلئے یہ دعوت طعام ان کے لئے بھی تھی۔

اس روز دریا کے آر پار برف پڑی تھی لوگ چوغے، چادر پہنے بھی سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ ہزاروں لوگوں کے جم غفیر میں ان افسران کو لمبی رسیوں سے باندھا کر چکیاتن پل سے پچیس میٹر نیچے گہرے ٹھنڈے پانی میں کچھ دیر کیلئے پانی میں ڈبو دیا جاتا یہ چیختے چلاتے تو نکال کر دوبارہ پھینک دیئے جاتے۔ حال ہی میں نواب کے ایک وفادار جمالدار سے نوماہ دوبارہ معلومات لیتے ہوئے انکی منہ سے یہ بات نکل گئی کہ یہ سزائیں میں نے ان افسران کو اپنے ہاتھوں سے دی تھیں۔ میں اس زمانے میں ایک نوعمر سپاہی تھا۔ اس کی ایک چونکا دینے والا انکشاف یہ بھی تھا کہ ان افسران میں بعض افسران کی عورتیں بھی اس روز دریا پر لائی گئیں اور ان کو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے رسی سے جکڑ کر پانی میں ڈبویا تھا۔ اس سوال پر کہ اس میں عورتوں کا کیا قصور تھا؟۔ اس نے بتایا کہ ان افسران سے پائی پائی اگلنے کیلئے نواب انھیں تکلیف دینے کیلئے ایسا کر رہا تھا۔

نواب بعد میں عورت ذات کے بارے میں بہت سخت مزاج رہا۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ ان کی چھتیس سالہ دور حکومت میں ریاست میں کوئی بھی قاضی عورت کے بارے میں شکایت وصول

نہیں کرسکتا تھا اور یہ بھی ایک پکا قول ہے کہ نواب کے پاس جو عورتیں سرخ جوڑا پہنے دلہن بن کر آتیں تو کفن پہن کر محل سے نکلتیں اور ان میں سے کوئی بھی عورت کبھی بھی اپنے والدین کے ہاں نہیں گئی۔ اسی طرح نواب کی اپنی پانچ بیٹیاں بھی دوسروں کے گھروں میں گئیں تو انھوں نے انھیں بھی دوبارہ اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی۔

بعض افسران نواب کے تیز جاسوسی نظام کے خدشے کے سبب چپ سادھ کر ان سزاؤں کا حال سینوں میں لئے وفات پا گئے اسلئے ان سزاؤں کے قصے اتنے مشہور نہ ہو سکے۔ شاید اس سے بھی زیادہ سزائیں دے دی گئی ہوں۔ چکدرہ کے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ "چالیس سال پہلے میری ان ہی افسران میں سے ایک کیساتھ ملاقات ہوئی تھی اور ان کے ناخن پر کیل کے نشانات میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے"۔ اس دن نواب کا ان افسران کو یوں برسرعام سزا دینے کا مقصد پوری ریاست میں اپنا رعب جمانا اور خوف و دہشت پھیلانا تھا۔

سات بڑی طاقتیں

۱۔ بھائی عالمزیب خان (جندول کا حکمران)

۲۔ انگریز

۳۔ سلطان خیل و پائندہ خیل قبائل

۴۔ ترکلانی قبائل

۵۔ قبائلی سردار۔ ملک۔ خوانین۔

۶۔ میاں، ملا، قاضیان، صاحبزادگان

۷۔ عوام (رعایا)

سولہ سال سے انتیس سال کی عمر تک انتظار کے بعد اقتدار حاصل کر کے نواب نے اپنے اقتدار کے راستے میں حائل ہر رکاوٹ اور طاقت کو پرکھ لیا تھا۔ اب وہ ایک ایک طاقت کو راستے سے ہٹانے پر کچھ یوں عمل پیرا رہا۔

عالمزیب خان سے جندول حاصل کر کے اس پر قبضہ جمانا

نواب چونکہ دیر اور جندول کا بادشاہ تھا تو یہ ممکن نہ تھا کہ جندول میں اس کا بھائی حکومت کرتا اور دونوں بھائیوں کے قوانین ایک جیسے بنتے اور نواب کو یہ بھی معلوم تھا کہ جندول میں عالمزیب خان کے حکمران ہوتے ہوئے وہ بعض قوانین جندول کے عوام پر لاگو نہیں کر سکے گا۔ اگر دونوں بھائی حکمران رہینگے تو دیر و جندول کی اطراف والی زمینوں پر آباد ملیزئی وترکلانی برادری اقوام بھائیوں کی پالیسیوں میں تضاد پا کر فرق محسوس کر کے بغاوت پر اتر آئینگے۔ نواب بڑی شان و شوکت سے حکومت کرنا چاہتا تھا اور اس قوم کو پسماندہ رکھ کر ایک جاہ و جلال کی حکمرانی کا خواب لئے ہوئے تھا۔ اگر عالمزیب خان جندول کا حکمران رہتا تو وہ کسی نہ کسی طرح بھائی کی من مانیوں اور ناجائز پالیسیوں کی مخالفت کرتا اسلئے نواب کے دل میں مصمم ارادہ تھا کہ وہ اپنے بھائی سے ہر قیمت پر جندول کا اقتدار لیکر جندول و دیر کا واحد امر بنے گا۔

سپہ سالار کا قتل

عالمزیب خان اور سپہ سالار صفدر خان کے درمیان جو ملاکنڈ جیل میں تھا، خفیہ رابطے تھے۔ ایک دن انگریزوں سے فرار ہو کر جب وہ زولم شگوکس پہنچے تو عالمزیب خان نے ان کیلئے جندول سے تیراک بھیج رکھے تھے تاکہ انہیں جندول پہنچا سکیں لیکن بدقسمتی سے نواب اس دن چکدرہ میں تھے۔ جیل کے ملازم جاسوس نے یہ خبر دی کہ سپہ سالار فرار ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر انھوں نے سپہ سالار کی گرفتاری پر بھاری انعام کا اعلان کیا۔ جس کا سن کر اگر کوئی سرکاری سپاہی تھا یا کسان سینکڑوں لوگوں نے پنجکوڑہ سے ملاکنڈ تک مفرور قیدی کا تعاقب شروع کیا اور آخر کار ایک پوشیدہ غار سے سپہ سالار کو گرفتار کر لیا گیا۔ پہلے اسے تالاش گور و مسجد میں بیس مسلح افراد کے ہاتھوں محصور رکھا گیا اور وہاں سے کڑے پہرے میں دیر لے جایا گیا۔

حبیب الرحمٰن میر منشی لکھتے ہیں کہ" صفدر خان کو کچھ عرصہ نظر بند رکھنے کے بعد ایک دن عبدالرحیم (سمکوٹ خان) کے ذریعے مسجد کے سامنے چبوترے پر بٹھا کر مارا گیا"۔ ان کے قتل سے عالمزیب خان کی قوت کو شدید دھچکا لگا اگر اس روز پنجکوڑہ پار کر کے سپہ سالار اس کے پاس جندول پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو دونوں جنگجو سپہ سالار حملہ آور ہو کر آسانی سے نواب سے اقتدار چھین سکتے تھے۔

عالمزیب خان کے حمایتیوں کو کچلنا

اقتدار کے شروع دن سے ہی شہزادی، رانی، رباط میں ملک، خوانین اور بااثر لوگوں کے خفیہ جرگے ہورہے تھے۔ عالمزیب خان کے ان وفاداروں اور نواب مخالفین کے متعلق حبیب الرحمٰن میرمنشی لکھتے ہیں کہ "اس نے اپنے حمایتی طلب کئے اور انہیں مخالفوں پر حملے کیلئے ابھارا۔ جسے ان لوگوں نے اپنے گھروں میں آگ لگانے کے مترادف سمجھ کر انکار کیا۔ اب نواب نے اپنے بھائی کے حمایتی منائے اور ان سے ایسا کرنے کو کہا جس سے شہزادی سے تالاش تک جگہ جگہ ملک اور خوانین کے درمیان جھڑپیں شروع ہوکر درجنوں گاؤں خاکستر ہوگئے۔ اس طریقے سے چندماہ میں عالمزیب کے حمایتی چن چن کر یا تو اپنے طرف دار بنائے گئے یا خاموش رہنے پر مجبور کئے گئے۔

عالمزیب خان کو گمراہ کرنا

نواب نے پانچ سالوں کے دوران اپنے بھائی سے کوئی جنگ نہیں لڑی بلکہ اقتدار کے پہلے روز سے ہی مختلف حربوں کے ذریعے اسے کمزور کرنے کے درپے رہا۔ جن میں سے ایک حربہ یہ بھی تھا کہ اس نے اپنے وفادار لوگ عالمزیب خان کے دربار میں شامل کئے تھے تاکہ وہ انھیں گمراہی اور عیاشی کے راہ پر ڈال دیں۔ چالاک نواب کا اسمیں مقصد یہ تھا کہ ان کا بھائی جندول ودیر کے عوام میں ہردلعزیز حکمران نہ بن سکے اور یہ اسکی کامیابی تھی کہ ان پانچ سالوں میں عالمزیب خان نے عیاش زندگی بسر کی اور منشیات کی دنیا میں مدہوش رہا۔

یہ طریقہ بعد میں نواب محمد شاہ جہان نے اپنے بیٹے جندول کے حکمران شہاب الدین خان پر بھی آزمایا۔ کہتے ہیں کہ شہاب الدین خان اپنے ایک استاد سے بہت متاثر تھے۔ اس انگریزی تعلیم یافتہ استاد کے زیرسایہ تربیت پاکر شہاب الدین خان نے جندول میں ایک سکول قائم کیا اور اعلان کیا کہ بچے سرکاری بس میں مفت سفر کرینگے۔ اس تبدیلی نے نواب کے سارے منصوبے کو ہلاکر رکھ دیا۔ نواب کا یہ بیٹا چونکہ ایک تندخو اور ضدی نوجوان تھا۔ سکول بنانے سے پہلے 1956ء میں انھوں نے اپنے باپ سے اختلاف ہونے کی وجہ سے اپنے باپ کے متعین کردہ سارے افسران کو جندول سے نکال باہر کیا تھا اور اپنے باپ کو جنگ کیلئے للکارا تھا لیکن ہوشیار باپ نے اپنے پیروں آپ کلہاڑی مارنے کی بجائے بیٹے کو

راضی کیا۔ جب ان کے بیٹے کے ذہن میں ایسے جدید خیالات پیدا ہوئے تو ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنے بیٹے کو عیاشی اور نشے کی دنیا میں لے جائے کیونکہ نواب جانتا تھا کہ بیٹے کے جدید خیالات کا تدارک، طاقت اور دباؤ سے ممکن نہیں۔

نواب نے پہلے اس کے استاذ کو اپنے بیٹے کا ذہن بدلنے کی پاداش میں کڑی سزا دی اور شہاب الدین خان کیلئے منڈا میں قریباً پچاس چھوٹے بڑے کمروں پر مشتمل ایک عالیشان محل بنوایا بلکہ اس کے لئے نشہ آور ادویات تیار کرنے والے اپنے حکیم بھی بھیجا کرتا تھا۔ نواب کا یہ مقصد تھا کہ اگر شہاب الدین ہوش میں رہا، اس کے محفل میں پاکیزہ لوگ آئے، وہ پرہیز گار بنا اور نماز پڑھنی شروع کی تو عدل وانصاف کی صورت مین نہ صرف مجھ میں اور میرے بیٹے میں جندول اور دیر کے عوام فرق محسوس کرینگے بلکہ وہ میری تمام پالیسیوں میں بھی رکاوٹ بنے گا۔ ایسی باتوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نواب نے اپنے خاندان کے ساتھ بھی اقتدار کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا اور انھیں دنیاوی بادشاہت کتنی عزیز تھی۔

عالمزیب خان پر پہلا حملہ

سیند ''خزانہ تا خال'' کے علاقوں میں سرکار کے خوف سے اب لوگ عالمزیب خان کی حمایت چھوڑ چکے تھے اور ان کا جو بھی دست و بازو تھا اسے کاٹ ڈالا گیا تھا۔ جندول میں ایک مرکزی قلعے، طور قلعہ پر بغاوت کے خدشے سے نواب نے اپنی ایک بیٹی سپہ سالار حیات اللہ خان المعروف ڈوڈبا ہ خان کے بیٹے سے بیاہ دی تھی۔ یہ ان کا ایک دانشمندانہ اقدام تھا کیونکہ یہ رشتہ ہونے سے اب عالمزیب خان کیلئے یہاں ساز باز ممکن نہ رہا۔

عالمزیب خان اپنے بھائی کے ہاتھوں سیند میں اپنے حمایتیوں کا حشر دیکھ رہا تھا لیکن پھر بھی انھوں نے حملے میں پہل نہ کی۔ نواب نے پھر بھی جندول سے حملے کے خطرے کے پیش نظر میدان لعل قلعے پر بارکند ملک کی کمان میں ساڑھے تین ہزار اضافی لشکر ٹھہرایا تھا۔ ایک دن پولو کھیلتے ہوئے عالمزیب خان گھوڑے سے گر گئے اور بستر پر پڑے رہنے لگے۔

منڈا قلعہ میں مقیم نواب کا ایک جمالدار میاں سید کہتے ہیں کہ ''نواب نے عالمزیب خان پر حملے کی اجازت مانگی تو انگریزوں کے فساد پھیلانے کے خدشے پر انھوں نے کہا کہ عالمزیب خان میرا سگا

بھائی ہے۔ مجھے تو یہ حملہ مجبوراً اسلئے کرنا پڑ رہا ہے کہ میرا بھائی ذرا سرکش ہوگیا ہے۔ میرا مطلب انہیں اقتدار سے ہٹانا یا خونریزی کرنا نہیں بلکہ یہ کہ وہ میرا تابع ہو جائے۔ اسی طرح ان کو صرف دس دن کی مہلت دی گئی"۔ ادھر عالمزیب خان بستر پر زخمی پڑے تھے اور یہاں سے نواب نے فوراً سرلڑہ پاس کے ذریعے میدان سے لشکر اتار کر جندول پر ناگہانی حملہ کر دیا۔ چھوٹے بھائی پر بیماری اور زخمی حالت میں حملہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نواب اپنے بھائی سے میدان جنگ میں مدمقابل ہونے سے خوف زدہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عالمزیب خان کے زخمی ہونے کی وجہ سے جندول بہت جلد دیر فوج کے قبضے میں آ سکتا تھا۔

نواب کی وعدہ خلافی اور حملے کی خبر سن کر زخمی ہونے کے باوجود عالمزیب خان بستر سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور لشکر لے کر روانہ ہوگیا۔ بمقام کافرگٹ ایک جنگ ہوئی۔ جندولی لشکر اس کے جنگی نعروں پر بہادری سے لڑا اور نواب کے لشکر کو واپس میدان تک فرار ہونا پڑا۔ 1925ء کے معاہدے کی رو سے نواب شاہ جہان کو جندول پر حملہ جائز نہ تھا لیکن حملہ کر کے اس نے ثابت کر دیا کہ وہ معاہدہ اس نے صرف نوابی کا خطاب حاصل کیلئے کیا تھا۔

عالمزیب خان کا طور قلعہ پر یلغار

کافرگٹ پر فتح پا کر عالمزیب خان نے گھڑسوار دستوں کیساتھ پیش قدمی کر کے طور قلعہ پر ایک بڑا زوردار حملہ کیا۔ کامبٹ سر کے ذریعے براول سے تازہ دم لشکر نواب کے طور قلعہ کی دفاع کیلئے پہنچ چکا تھا۔ اس لڑائی میں نواب کی طرف سے اسّی سپاہی کام آئے۔ اگلے روز طور قلعہ فتح کرنے میں ناکام رہ کر عالمزیب خان نے باڑوہ قلعہ کے دفاع پر اپنی توجہ مرکوز کی کیونکہ مخالف لشکر اب قلعہ باڑوہ کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سید بادشاہ کی کمان میں اگرچہ یہ قلعہ نوابی لشکر نے فتح کر لیا مگر ان کے دو سو تیرہ سپاہی اس لڑائی میں مارے گئے۔

اس جنگ کے تیسرے روز رضا خان تحصیلدار کی کمان میں منڈا قلعے پر حملہ کیا گیا۔ تحصیلدار رضا خان مرحوم کے بیٹے دلاور جان (مرحوم) کے بقول کر عالمزیب خان کے بھرپور دفاع اور بہتر جنگی حکمت عملی کی بدولت نواب کے ڈیڑھ سو سپاہی مارے گئے۔ اگرچہ دیر لشکر نے مرکزی قلعے فتح

کر لئے مگر عالمزیب خان کے ایک سو بیس مور چہ زن لشکر کے قتل کے بدلے میں چار محاذوں پر نواب کے چارسو کے لگ بھگ سپاہی بھی قتل کر دیئے گئے۔ عالمزیب خان کے پاس لشکر و اسلحہ کی کمی لشکر غیر منظم مگر جنگی تدابیر بھائی سے بہتر تھی اور اس کو جندول وسوات کی جنگوں کا پہلے سے تجربہ تھا۔ دوسری بات یہ کہ عالمزیب خان کے شانہ بشانہ جندول کے عوام بھی نواب کے خلاف لڑ رہے تھے۔ ان شکست نما فتوحات سے نواب کی فوجی قوت پر بہت بڑا اثر پڑا۔

نواب کی کامیاب چال

عالمزیب خان پر حملہ کیلئے نواب نے انگریزوں سے چند دن کی مہلت مانگی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بھائی چونکہ بستر پر پڑا ہے اسلئے جندول چند دنوں میں میرے قبضے میں آجائیگا لیکن جب عالمزیب خان نے زخمی حالت میں بھی بہادری سے لڑ کر بھائی کی لشکر کو پسپا کیا تو نواب کو خدشہ ہوا کہ یہ کہیں ماضی کی طرح جنگوں کا سلسلہ نہ بن جائے اسلئے انھوں نے ایک بار پھر بھائی سے چال چلنے کا سوچا۔

حبیب الرحمٰن میر منشی لکھتے ہیں کہ ''ریاست بھر سے قبائیلی عمائدین، گنوڑئی جان، رباط عبداللہ خان خان، عبدالجلیل اخونزادہ اور چند دوسرے معززین کا ایک جرگہ جندول بھیج کر عالمزیب خان سے کہا گیا کہ کیوں تم دونوں بھائی آپس میں لڑ رہے ہو؟ آپ کی بھائی کی پوزیشن انگریزوں کے سامنے کمزور ہو رہی ہے۔ ابھی یہ لڑائی بند کر دینی چاہیئے''۔ جرگہ نے جو کہ ریاست بھر کے معززین پر مشتمل تھا اپنی طرف سے عالمزیب خان کو مطمئن کر کے یہ بھی باور کرایا'' اب ہم کہتے ہیں کہ بہتر یہی ہوگا کہ آپ جنگی سرگرمیاں بند کر کے دو چار دن کیلئے باجوڑ چلے جائیں۔ نواب کو مطمئن کر کے ہم آپ کو واپس بلالینگے یوں آپ کے بھائی کے دل میں بھی کچھ نہیں رہے گا اور آپ کو جندول کے چند قلعے بھی واپس دلا دینگے''۔

اس جرگہ کی باتوں میں آکر انہوں نے 1929ء میں باجوڑ کی راہ لی۔ عالمزیب خان کو چونکہ لشکر اور اسلحہ کی کمی تھی اور نواب کی چالبازی اور خوف و دہشت سے دن بدن لوگ ان کے ہمراہ لڑنے سے کترا رہے تھے اسلئے انہی مشکلات کی وجہ سے انہوں نے جرگہ کی بات مان لی تھی ورنہ عالمزیب خان کے ہاتھ میں اس وقت بھی جندول کے بائیس قلعے تھے۔

عالمزیب خان پر جندول کے دروازے بند کرنا

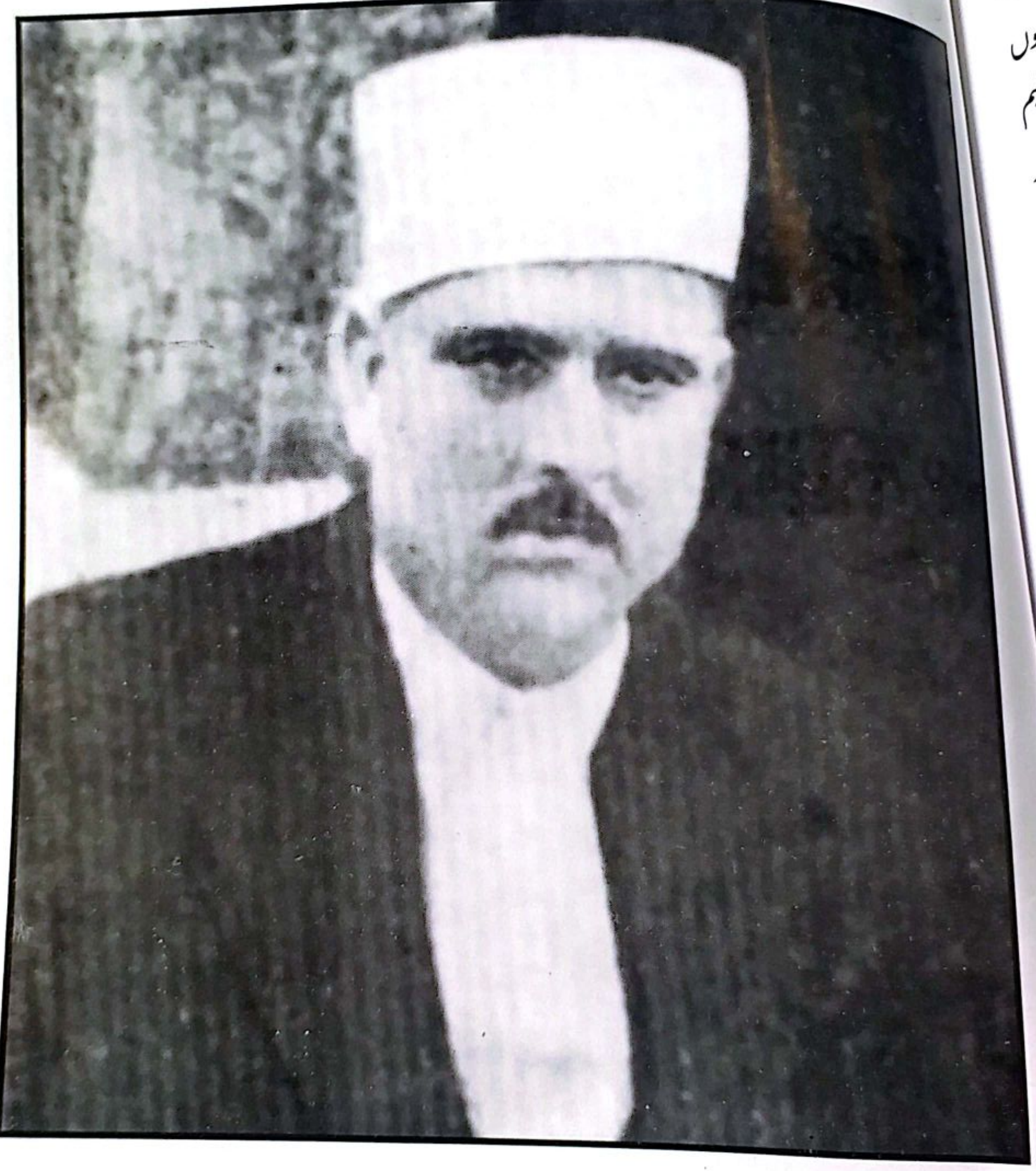
عالمزیب خان کا باجوڑ روانہ ہونا تھا کہ نواب نے بڑی تیزی سے سارا انتظام جندول الٹ ڈالا اور وہاں عالمزیب خان کے حمایتی افسران سیند (دریائے پنجکوڑہ کے دونوں جانب علاقے) قلعوں پر تعینات کئے اور اس طرف سے اپنے وفادار بھیج کر جندول کے نئے قلعوں پر تعینات کیا گیا۔ از سرِنو تنظیم میں باڑوہ قلعہ حضرت سید اخونزادہ، طور قلعہ بدستور حیات اللہ خان، منڈا قلعہ طالب جان المعروف دپور ملک، کوٹکے پایہ خیل بزرگ احمد تحصیلدار اور صدر بر کلے سید جان، سنگ پارہ اور مسکینی شاہ طماس خان کو حوالہ کیا گیا۔ اِسی سال نواب نے جندول میں بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کرنے والوں کو طلائی تمغے انعامات، عہدے اور جائیدادیں دیں۔

عالمزیب خان پر افغانستان سے حملے کا الزام لگانا

عالمزیب خان نے چونکہ اس معزز جرگہ کی بات پر یقین کرلیا تھا اور اب وہ جرگہ کے بقول ان دو چار دن کا انتظار کرنے لگا جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا مگر یہ جان کر کہ یہ بھائی کی چال تھی۔ جندول پر حملہ کرنے سے پہلے انھوں نے حج کا ارادہ کیا۔ نواب نے بھائی کو حج پر جاتے دیکھ کر دہلی کا فوراً دوسرا اور آخری دورہ کیا اور وائسرائے ہند کو ملاکنڈ کا دورہ کرنے کیلئے مدعو کیا۔ عالمزیب خان کے سفر حج کے دوران اتفاقاً امیر امان اللہ خان (حکمران افغانستان) کی بہن بھی اس جہاز میں سفر کر رہی تھی۔ جاسوس نواب کیلئے یہ خبر لائے تو نواب نے دہلی پہنچ کر انگریزوں کے سامنے یہ واویلہ کیا کہ مجھ پر افغانستان سے حملہ ہونے والا ہے۔ یہ ان کی ایک کامیاب سازش تھی کہ حج سے واپسی پر عالمزیب خان کو انگریزوں نے گرفتار کرکے ایبٹ آباد میں نظر بند کردیا۔

خار نواب پر انگریزوں کے ذریعے دباؤ بڑھانا

پانچ ماہ بعد باجوڑ سے گھڑ سوار دستے عالمزیب خان کو ایبٹ آباد جیل کی شکارگاہ سے بھگا کر باجوڑ لے آئے۔ خار (باجوڑ) کے نواب محمد جان کی بہن عالمزیب خان کی بیوی تھی۔ عالمزیب خان چونکہ باجوڑ سے دیر اپنے بھائی پر حملے کرتا تھا تو نواب کو ایک دفعہ پھر فکر لاحق ہوگئی اور اب وہ بھائی کو باجوڑ سے نکالنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ باجوڑ میں 1934ء کے لگ بھگ غفار خان اور گاندھی کی کانگریسی



نواب محمد شاہ جہان خان



عالم زیب خان

آزادی کی تحریک زوروں پر تھی اور عالمزیب خان اکثر ان محفلوں میں دیکھے جاتے تھے۔ اسکی بجائے نواب دیر چونکہ تحریک آزادی کو دبانے میں انگریزوں کا وفادار تھا اسلئے نواب نے انگریزوں کو مطمئن کرالیا کہ میرا بھائی خار نواب کی مالی تعاون سے تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا ہے۔
انگریزوں نے ردعمل کے طور پر خار کے نواب پر دباؤ بڑھایا اور ان کو مجبوراً نواب دیر سے ایک معاہدہ کرنا پڑا۔ جس کی رو سے عالمزیب خان کو باجوڑ سے نکل کر اتمانخیل علاقوں میں آنا پڑا اور انگریزوں نے خار نواب سے کہا کہ آپ عالمزیب خان کی کسی قسم کی مدد نہیں کرینگے۔
یہ نواب دیر کی ایک اہم کامیابی تھی کہ اس نے حملے کے خوف سے بھائی پر کانگریسی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا الزام لگا کر انھیں باجوڑ سے بے دخل کیا۔ باجوڑ عالمزیب خان کا اہم محاذ تھا اسلئے باجوڑ سے بے دخلی ان کیلئے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔

عالمزیب خان کا آخری حملہ 1935ء

1935ء میں علاقہ اتمان خیل میں دیر و جندول سے بہت کم لشکر جا کر عالمزیب خان کے سنگ کھڑا تھا۔ خار نواب عالمزیب خان کا رشتہ دار تھا لیکن انگریزوں کے دباؤ کی وجہ سے وہ ان کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ عالمزیب خان نے پھر بھی ایک کمزور لشکر کیساتھ جندول پر حملے کا منصوبہ بنایا لیکن نواب کے تیز جاسوسی نظام نے پہلے سے خبر دی تھی کہ وہ کس طرف سے حملہ کر رہا ہے اور اس کیساتھ کتنا لشکر اور اسلحہ ہے۔ انہی خفیہ معلومات کے پہنچنے سے نواب نے دگنی تیاری کر کے گولڑہ کے محاذ پر عالمزیب خان کو ایک دفعہ پھر شکست سے دوچار کیا۔

نواب شاہ جہان اور عالمزیب خان کا معاہدہ 1940ء

گولڑہ کے محاذ پر شکست کھا کر عالمزیب خان مایوس ہو گئے کیونکہ انہیں اپنے سازشی بھائی جو کہ نہ صرف طاقتور اور امیر تھا بلکہ انگریزوں سے اچھے تعلقات بھی رکھتا تھا، کی طرف سے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب وہ اپنے بھائی کو کبھی بھی شکست نہیں دے سکے گا۔ وہاں 1939ء کے لگ بھگ جزام مرض کے حملے میں ان کے دانت تک خراب ہو کر گرنے لگے اور اپنے والد اورنگزیب کی طرح بیماری نے انھیں معذور کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے کمزور اور بے بس ہو کر وہ مالی مشکلات کا بھی شکار ہو گیا تھا۔

انگریزوں کے ذریعے ایک جرگہ کی مدد سے بھائی کو منا کر ایک دفعہ پھر مذاکرات کی میز پر لے آیا۔ 1940ء میں ایک معاہدہ ہوا کہ نواب اپنے بھائی کو سالانہ پانچ سو (500) روپیہ کابلی وظیفہ دے گا۔ نواب محمد شاہ جہان کا اپنے بھائی پر ترس کھانا نہ تھا بلکہ اس دوراندیش نے شاید سوچا ہو کہ انگریز اور دیر کی عوام دیکھ رہے ہیں کہ وہ اپنے بھائی سے کیا سلوک کر رہا ہے۔ مردان میں گرداس نامی ایک گاؤں تھا جو ایک ہندو جواری ''گرداس'' کے نام سے منسوب تھا اور سرکار کے قبضے میں تھا۔ نواب نے سرکار سے یہ گاؤں دس ہزار پانچ سو روپے میں خریدا۔ جہاں اب بھی عالمزیب خان کی اولاد بستی ہے۔ اس پسماندہ گاؤں میں رہ کر عالمزیب کی اولاد کی دو مختلف گھرانوں سے دشمنی چھڑ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود آج عالم زیب خان کی اولاد کی زندگی کافی کٹھن گزر رہی ہے۔

مسلم لیگ میں شمولیت

1944ء میں عالمزیب خان مردان نواب کیساتھ کراچی گئے۔ قائداعظم سے ملاقات کے وقت ان کا خاندانی تعارف کرایا گیا۔ قائداعظم ان کی مسلم لیگ میں شمولیت پر بہت خوش ہوئے کیونکہ عالمزیب خان نواب دیر کا بھائی تھا جو کہ تحریک آزادی دبانے میں انگریزوں کا ساتھ دے رہا تھا۔ اگلے سال 1945ء میں مردان نواب اکبر خان ہوتی کے ہاں قائداعظم کی آمد پر آپ کو باجوڑ و مردان کا مسلم لیگی صدر چنا گیا۔ 1940ء کی معاہدے کی رو سے نواب اپنے بھائی کیلئے پانچ سو روپیہ سالانہ وظیفے کے علاوہ ایک سامان بھرا ٹرک جسمیں اشیاء خرد و نوش کے علاوہ، بکریاں اور پھل وغیرہ شامل ہوتے تھے، بھیجا کرتا تھا۔ مسلم لیگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر نواب نے یہ سامان بند کر دیا۔ یہ جواب بھیجتے ہوئے کہ تم (شین پوش) مسلم لیگ کیساتھ گھومتے پھرتے ہیں۔ یہ سامان بند کرنے کے باوجود وہ پاکستان بننے تک مسلم لیگ کے اہم رکن رہے اور پھر اپنے گھر کو اپنے بھائی کا تختہ الٹنے کیلئے ریاست بدر قبائلی سرداروں کا مرکز بنایا۔ ''میدان بغاوت'' کا منصوبہ عالمزیب خان کے گھر میں تیار ہوا تھا۔

1940ء کے معاہدے کی رو سے عالمزیب کو تو اقتدار دیر نہیں مل سکتا تھا مگر یہ سب کچھ وہ دیر عوام کی خاطر کر رہا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ ان کا بھائی کتنی جابرانہ اور شاہانہ عیش پرستانہ حکومت کر رہا ہے۔ دوم یہ کہ شاہی خاندان ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جب کہ ان کا بھائی ایک عیش پرست

حکمران تھا جس سے اس خاندان کی کافی بدنامی ہو رہی تھی۔ میدان بغاوت پر عالمزیب خان نے دیر کی آزادی کی خاطر تین سال جیل بھی کاٹے۔ مردان میں رہائش پذیر عالمزیب خان جنوری 1967ء میں اس فانی دنیا سے کوچ کر گئے۔

انگریزوں کو ریاست دیر سے نکلنے پر مجبور کرنا

انگریز فوج ہر چھ ماہ بعد پشاور سے آکر براستہ دیر چترال و گلگت جاتی۔1895ء سے دیر انگریزوں کیلئے ایک پر خطر علاقہ رہا۔اس فوج کو پر امن طریقے سے گزارنے کیلئے انگریزوں نے دیر چترال سڑک پر قریباً نو مقامات پر چوکیاں بنائیں تھیں جو پڑاؤ کہلاتی تھیں۔

نواب کا خیال یہ تھا کہ اگر انگریزوں کی چوکیاں دیر میں قائم رہیں یا انگریز اس ملک میں آزادانہ گھومتے پھرتے رہے تو انھیں دیر کے عوام کی پسماندگی، رعایا سے سلوک اور ناروا پابندیوں کا نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور انگریز میری پالیسیوں پر اعتراض کرینگے اسلئے نواب کیلئے یہ ناگزیر تھا کہ وہ انگریزوں کو ریاست دیر سے نکال کر ملاکنڈ تک محدود کرے۔

انگریزوں کے سامنے اپنی قوم کو وحشی ظاہر کرنا

1929ء میں عالمزیب خان سے جندول قبضہ میں لے کر نواب محمد شاہ جہان نے فوراً دہلی کا دوسرا دورہ کر کے وائسرائے ہند کو مالاکنڈ ایجنسی کے دورے کی دعوت دی۔اس دورے کے موقع پر دیر کے ایک خوبصورت سیاحتی مقام کامرانی سر پر شکار کے بعد نواب اس وائسرائے ہند کو دھوم دھام سے تیمرگرہ تک لایا جس کے لئے پہلے سے ہزاروں پائندہ خیل قبائل کو بلایا گیا تھا۔یہ لوگ بے خبر اپنے سرداروں (مشران) کی پکار پر یہاں آچکے تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔یہ واقعہ بعض لوگ واڑی سے منسوب کرتے تھے لیکن تاریخ میں محفوظ ہے کہ نواب شاہ جہان نے تو کبھی انگریزوں کے قافلے میں سفر نہیں کیا اور نہ ان کا واڑی میں کوئی ریسٹ ہاؤس تھا۔

اس واقعہ کی اصلیت تک پہنچ کر بعد میں اس روز کے تین چشم دید گواہ ملے ان میں ایک تیمرگرہ کا ضعیف العمر بزرگ صاحب علی بابا تھا جو نواب کے ساتھ نوے قلعہ کے سامنے تیمرگرہ شاہی باغ کا مالی رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ ''میں خود اس اجتماع میں شریک تھا اور اس وقت میری عمر پندرہ برس تھی مجھے اتنا تک یا

دہے کہ اس زمانے میں تیمر گرہ تحصیلدار حیا گی کے میر علی کا کا تھے۔ چار جنگی گاڑیاں آنے پر انگریز افسران نواب سے ملاقات کے لئے اندر گئے۔ ملاقات کے بعد جب انگریز نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی موٹروں کے سامنے گھاس پڑی ہے، ان کے لئے پانی لایا گیا ہے، ہزاروں لوگوں نے گاڑیوں کو گھیرے میں لیا تھا کچھ کارندے ڈنڈے ہاتھ میں لئے جبکہ بعض ان کے ٹائر دبا رہے تھے۔ یہ تماشا دیکھ کر انگریز بالکل حیران رہ گئے اور ہزاروں لوگ سیٹیاں بجا کر خوشی سے اچھل رہے تھے جنہیں پہلے سے ایسا کرنے کو بتایا گیا تھا۔

جب نواب سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو اس نے جواباً کہا میری قوم نے دراصل پہلے کوئی گاڑی دیکھی نہیں ہے۔ یہ سادہ لوح اور ندیدہ قوم ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ گاڑیاں تھک چکی ہے اور اب انھیں کھانا پیش کیا جا رہا ہے۔ نواب نے اپنی قوم کو وحشی ظاہر کر کے ان کے ہاتھوں انگریزوں کی گاڑیوں کو گھاس ڈلوائی۔ اور اپنی قوم کو کہا کہ ہم انگریزوں کو یہاں سے نکالنے کے لئے ایسا کر رہے ہیں مگر قوم کے ان ہزاروں لوگوں کو کیا پتہ کہ نواب کے مقاصد کچھ اور ہیں۔

دراصل نواب کے مقاصد یہ تھے

۱۔ وہ انگریز کو اپنی قوم سے ڈرانا چاہتا تھا تا کہ وہ ریاست دیر سے نکل جائے اور میری رعایا کی غربت، پسماندگی اور طرز زندگی کا انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع نہ ملے۔

۲۔ تا کہ اپنی قوم کو وحشی اور گنوار ظاہر کر کے میں پرانی ڈگر پر حکومت چلاتا رہوں، یا قوم پر جتنا بھی رعب جماؤں اور سختی کروں انگریز اس پر خاموش رہے۔

اس واقعے کے بعد جب برطانوی فوج ریاست دیر سے گزرتی تو کسی پہاڑی سے نواب کے چھپے کارندے ان پر حملے آور ہو جاتے۔ نواب انگریزوں کو یہ پیغام پہنچا کر کہتا کہ یہ حملے میری قوم کر رہی ہیں۔ ان کی جگہ میں معافی مانگتا ہوں۔ وہ نہ صرف تحائف بھیجا کرتا بلکہ اپنی چرب زبانی سے وفا کے جھوٹے دعویدار بن کر وہ انگریزوں کی توجہ ہٹاتا۔ 1933ء کے لگ بھگ باجوڑ علماء نے تحریک آزادی دبانے میں انگریزوں کا ساتھ دینے پر دیر نواب کے خلاف ایک فتویٰ جاری کر دیا۔ جس پر سلطان خیل پائندہ خیل قبائل نے بغاوت کر کے رباط اور واڑی کی دو انگریز چوکیاں نظر آتش کر ڈالیں۔ اب چالاک نواب نے

انگریزوں کو اور بھی اپنی قوم کے انگریز دشمن کا ثبوت دلایا۔

ہر چھ ماہ بعد جب انگریز فوج ریاست دیر سے گزرتی تو دیر نواب ایک طرف قوم کو حملہ کرنے کیلئے کہتے اور دوسری جانب اپنی فوج کو اس دن سخت پہرے میں سرگرم رکھتا اور ایسے حالات پیدا کرتا کہ قوم حملہ کر رہی ہے۔قول مشہور ہے کہ نواب عوام کے ذریعے جگہ جگہ پہاڑوں پر آگ جلا کر انگریزوں کو یہ باور کراتا کہ پہاڑوں پر یہ لوگ متوقع حملے کیلئے آپ لوگوں کی دفاع کیلئے بٹھائے گئے ہیں۔

انگریز چونکہ بار بار حملوں سے تنگ آ چکے تھے بالآخر چالاک نواب کی چال میں آ ہی گئے۔ انگریزوں نے نہ صرف ریاست دیر کے کئی مقامات سے اپنی چوکیاں ختم کر ڈالیں بلکہ دیر کے حکمران سے ایک معاہدہ بھی کیا۔جس کی رو سے چھ ماہ بعد جب انگریزوں کی چار ہزار فوج گلگت و چترال جاتی تو نواب چکدرہ تالواری سڑک کے دونوں طرف اپنی مسلح فوج کھڑی کر کے انگریز فوج کو جانے دیتا اور اس کے بدلے نواب کو ایک خاص مقدار میں مزید وظیفہ بھی دیا جانے لگا۔

انگریزوں کا نواب کی دوستی پر اندھا دھند یقین

نواب محمد شاہ جہان خان نے اقتدار کے پہلے روز سے ہندوستان کی آزادی تک انگریزوں کو شطرنج کے مہروں کی طرح گھمایا۔کمال درجہ سفارتکاری اور خوشامدی میں ماہر حاضر جواب، چرب زبان اور بہانے بنانے والے نواب اپنے دور اقتدار میں تین دفعہ وائسرائے ہند کو دہلی سے چکدرہ تک لے آیا اور ہر وائسرائے ہند سے ان کے اتنے قریبی مراسم رہے کہ جب کسی وائسرائے کی ذاتی دعوت ہوتی تو دیر کے بادشاہ کو ایسے موقع پر ضرور یاد کیا جاتا تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ دہلی سے براہ راست تعلق اور دوستی رکھنے سے ملاکنڈ کا انگریز پولیٹکل ایجنٹ نواب کو چھیڑنے سے گریز کرتا۔

جب انگریز پولیٹکل ایجنٹ ریاست دیر آتا تو دیر حکومت کی طرف سے مہمان کو اکیس توپوں کی سلامی پیش کی جاتی۔اس موقع پر انتہائی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا جاتا، ڈھول باجوں کا زبردست پروٹوکول ملتا۔عمدہ پلاؤ کے ساتھ خوب مہمان نوازی کرنے کے علاوہ جاتے وقت انھیں انمول تحفے دینے کے ساتھ قیمتی شکاری کتے اور نواب کی اصطبل سے ہندوستان اور یورپ سے درآمد شدہ گھوڑے بھی انگریز مہمانوں کو مہیا کئے جاتے۔اس طرح اپنے حکیموں کی مدہوش کرنے والی ادویات کے علاوہ نواب ہر ہفتے شکاری

پرندے (چکور) ملاکنڈ روانہ کرتے۔

والی سوات جس نے اپنی ریاست کو ترقی دی جبکہ دوسری طرف نواب دیر نے جس نے اپنی ریاست کو پسماندگی کی انتہا تک پہنچایا لیکن والی سوات کے مقابلے میں محمد شاہ جہان خان نے 1935ء میں سر کا خطاب حاصل کرلیا۔ دیر کے نواب کو سر Sir کا خطاب دینے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انگریزوں سے ان کے کتنے قریبی تعلقات تھے۔

صوبہ سرحد میں دیر نواب تحریک آزادی کو دبانے میں انگریزوں کے ایک اہم اتحادی تھے۔ اس وجہ سے انگریز نواب کو اپنا وفادار سمجھتے رہے اور انگریز خفیہ ایجنسیاں دیر کی ریاست میں سرگرم نہ تھیں اور شاید یہ انگریزوں کے وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک ایسی قوم جو موٹروں کو گھاس ڈالتی ہے اس پر حکومت کرنے والا نواب ساری دنیا پر حکومت کرنے والی چالاک انگریز قوم کو الّو بنائے گا۔

نواب کا انگریزوں سے مفادات

۱۔ نواب کو انگریزوں سے سالانہ ڈیڑھ لاکھ یا اس سے زیادہ وظیفہ ملتا تھا۔

۲۔ وہ انگریزوں سے سلطان خیل پائندہ خیل کے لئے ہزاروں روپیہ مواجب اصول کرتا تھا۔ (مواجب وہ رقم تھی جو انگریز اپنی فوج کو دیر سے پرامن طور پر گزر جانے کیلئے ان قبائل کو ہر چھ ماہ بعد فراہم کرتی تھی)۔

۳۔ ہوسکتا اس کے بدلے بھی نواب اضافی رقم لیتا ہوتا جب چھ ماہ بعد انگریزوں کی فوج ریاست دیر کے عوام کی حملوں کے خوف سے نوابی فوج کے کڑے پہرے میں دیر سے ہو کر چترال گزاری جاتی تھی۔

۴۔ نواب تو اپنی واجبات کی برابر وصولی کرتا لیکن اس کے بدلے انگریز کو صرف چند دفعہ دعوت طعام ، کتوں ، گھوڑوں کی پیش کش کے علاوہ اپنی حکمرانی کے حدود میں بھی قدم رکھنے کے لیے ترساتا رہا۔

انگریزوں کے نواب سے مفادات

انگریزوں کی نواب سے ایک بڑی لالچ تحریک آزادی کو دبانے میں ساتھ دینا تھا۔ نواب کے چونکہ ریاست چترال ، ریاست مردان ، باجوڑ نواب اور امب نواب سے رشتے تھے اسلئے ان کا آس پاس کی سلطنتوں پر خاصا اثر دخل تھا۔ انگریز ان ریاستوں میں نواب کو آزادی کی تحریک سرد رکھنے کیلئے استعمال

کرتے تھے۔نواب کو چونکہ اپنے اقتدار سے غرض تھی۔اگر چہ وہ ان کا ساتھ دیتا رہا لیکن اس نے انگریزوں کو دیر کی سرزمین استعمال کرنے یا معدنیات لے جانے کی مختلف بہانوں سے اجازت نہیں دی۔

تاریخ گواہ ہے کہ پورے ہندوستان پر حکومت کرنے والے انگریز دیر کی سرزمین کو آزادانہ استعمال نہ کر سکے اور ہمیشہ اس سرزمین سے خوف محسوس کرتے تھے۔

انگریز نہ یہاں شکار سے لطف اندوز ہو سکے اور نہ یہاں ریسٹ ہاؤس تعمیر کر سکے حالانکہ جڑواں ریاست سوات کو وہ بلاخوف سیر و تفریح کیلئے استعمال کرتے رہے۔

نواب کے دور میں انگریز کوہستان جنگل سے ایک درخت بھی نہ کاٹ سکے حالانکہ نواب اوّل اور دوم کے زمانے میں انگریزوں کا دیر کے جنگلات پر مکمل قبضہ تھا۔

نواب کے چھتیس سالہ دور حکومت میں انگریز ریاست دیر سے نہ تو کسی قسم کی معدنیات لے جا سکے اور نہ یہاں کے قدرتی وسائل کو چھو سکے۔

تاریخ گواہ ہے کہ 1924ء تا 1960 انگریز چترال تا دیر سڑک کو وسعت دے سکے نہ اپنا جھنڈا لہرا سکے یہاں تک کہ انھیں سڑک کے کنارے شجر کاری کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔

انگریز پورے ہندوستان پر قابض تھے اور ہر جگہ بغیر خوف و ہراس کے آ جا سکتے تھے مگر دیر ایک ایسی ریاست تھی کہ انگریزوں کو اس پر قدم رکھنے کیلئے نواب سے چند پہلے اجازت لینی پڑتی تھی۔

بڑی عجیب بات تو یہ تھی کہ انگریزوں کی طاقتور فوج بھاری اسلحہ رکھنے کے باوجود ریاست دیر کی حکومت پرانی بندوقوں اور غیر تربیت یافتہ فوج کے پہرے میں چکدرہ تا لواری سفر کرتی۔

(Chitral and kafiristan byL.t Col. M.afzal khan) اس کتاب میں ذکر ہے کہ "1936ء میں پہلی دفعہ انگریز فوج گاڑیوں کے ذریعے ریاست دیر کی سڑک پر جانے لگی۔(یہ سڑک 1925ء میں تیار ہو چکی تھی) مگر نواب کے حیلوں بہانوں سے گیارہ سال بعد انگریزوں کو یہ موقع دیا گیا اور وہ بھی ایسے حالات میں کہ حملے کے پیش نظر جنگی جہازوں کو ہوائی گشت کیلئے دہلی سے لایا گیا تھا اور پھر 1938ء میں ایک دفعہ پھر انگریزوں نے بمبار جہازوں کی ہوائی گشت میں دیر کے راستے گلگت تک سفر کیا"۔جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نواب نے انگریزوں کو اپنی قوم سے کتنا ڈرایا تھا اور اس کے بعد برطانوی فوج کبھی گاڑیوں میں نہ جا سکی کیونکہ ہر چھ ماہ بعد جہازوں کی گشت پر بھاری خرچہ آتا تھا


CS
CamScanner

انگریزوں کو گاڑی میں سفر کرنے سے روکنے میں دیر حکمران کا مقصد یہ تھا کہ اگر انگریزوں کو دیر سڑک پر آرام اور امن وامان سے سفر کا موقع دیا گیا تو وہ اگلی بار سڑک کی کشادگی کا مطالبہ کرینگے، پھر تارکول لگائینگے۔ جب سڑک پکی ہو جائے تو نہ صرف انگریز بار بار آ کر میری طرز حکومت کا مشاہدہ کرینگے بلکہ انھیں دیر کے عوام کی پستی اور ذہنی پسماندگی کو دیکھنے کا موقع ملے گا۔ نواب کا یہ بھی خیال تھا کہ مواصلاتی رابطے تیز ہونے سے ان کو اپنی قوم کو دیر تک محدود رکھنا مشکل ہو جائیگا وہ باہر جائینگے ان میں عقل وشعور آئیگا اور وہ میرے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے۔۔ (انگریزوں سے نواب نے جو دوسری چال چلی ان کا ذکر دوسری جلد میں تفصیل سے موجود ہے)۔

سلطان خیل پائندہ خیل

نواب کو ان قبائل کی تاریخ معلوم تھی کہ ماضی میں یہ قبائل ان کے آباؤ اجداد کے ہراول دستے رہے۔ جب بھی شاہی خاندان کے کسی حکمران پر مشکل وقت آیا تو ان قبائل نے اسے اپنے دامن میں چھپایا۔ نواب کی کل فوج تیرہ ہزار لگ بھگ سپاہیوں پر مشتمل تھی جسمیں صرف ساڑھے تین ہزار فوج قلعوں میں تعینات رہتی اور باقی گھروں پر رہتی (ریزروفورس) جنہیں جنگ کے دنوں میں طلب کیا جاتا۔

نواب کو معلوم تھا کہ اگر یہ قبائل چاہے تو اپنے سرداروں کے ایک نعرے پر ہزاروں کی تعداد میں نکل کر چند گھنٹوں میں میری بادشاہت کو تخت وتاراج کر سکتے ہیں اسلئے نواب کے پاس ان قبائل کے خوف سے انھیں مراعات دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ اگر میں ان قبائل کو مراعات نہ دوں تو دیر پر میرے لئے شان وشوکت سے حکومت کرنا مشکل ہوگا۔ میرے لئے طرح طرح کی من پسند پالیسیاں لاگو کرنا ناممکن ہوگا اور اپنی غربت دیکھ کر یہ میرے عالیشان محلات، میری برطانوی اور جرمن کمپنیوں کے بنے گاڑیوں، میرے سینکڑوں کتوں اور درجنوں گھوڑوں کے رکھنے پر اعتراض کرینگے۔

۱۔ نواب ان قبائل کے ذریعے انگریزوں کو ریاست سے باہر کرنا چاہتا تھا۔

۲۔ وہ ان قبائل کی مدد سے ترکلانی قبائل کو بھی دبانا چاہتا تھا۔

۳۔ ان قبائل کو ساتھ ملانے سے نواب کا مقصد یہ بھی تھا کہ اگر یہ قبائل میری حمایت کرتے رہے تو ریاست کے باقی قبائل، اوسیٰ خیل، نصر الدین خیل، وردگ، مشوانی اور اتمان خیل بھی ان قبائل کے اتفاق

اور طاقت کے خوف سے میرے خلاف آواز اٹھا نہیں سکیں گے۔

امتیازی مراعات

۱۔ نواب محمد شاہ جہان خان نے سلطان خیل پائندہ خیل کو شاہی قبیلوں کی حیثیت دی اور ان قبائل کے ہر فرد کو بھائی اور سرداروں کو ''کاکا (چچا)'' یا ''ماما (ماموں)'' پکارنے لگا۔

۲۔ انھوں نے ان قبائل کو اپنے سخت جرمانوں والے عدالتی نظام سے مستثنیٰ کر دیا اور ان قبائل کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنے تنازعات 1523ء کے شیخ ملی جرگہ سسٹم کے ذریعے حل کیا کریں۔

۳۔ ان قبائل کا کوئی فرد ریاست کے کسی دوسرے علاقے میں جا کر جرم کرتا تو اس دوران قاضی نواب سے پوچھے بغیر اس مجرم کے خلاف بھاری جرمانہ یا سخت سزا نہیں سنا سکتا تھا۔ مشہور ہے کہ ان قبائل کے لوگ ہموار میدانی علاقوں میں آ کر بعض اوقات ڈاکے ڈالتے تھے لیکن ان سے اس علاقے کا تحصیلدار نہیں پوچھ سکتا تھا ایسے واردات پر کمزور قبائل کے مجرموں کو سخت سزائیں سنانے والے نواب کی خاموشی سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ وہ ان قبائل سے ایسی حرکات شاید دوسرے قبائل پر رعب جمانے کیلئے کیا کرتا تھا۔

۴۔ بارعب حکمران کا ایک سپاہی جب ریاست کے کسی بازار میں نمودار ہوتا تو سارے بازار کے لوگ سہم جاتے لیکن ان قبائل کے کسی فرد کے سامنے نواب کا تحصیلدار، صوبیدار بھی دبا رہتا تھا۔

۵۔ انھیں بیگار معاف کیا گیا (ریاستی دور میں بغیر عوض کے عوام سے جو سرکاری کام لیا جاتا اسے بیگار کہا جاتا تھا)۔

۶۔ ان قبائل کو ریاستی ٹیکس (عشر) سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔

۷۔ یہ قبائل سرکاری بسوں میں بغیر ٹکٹ کے سفر کرتے تھے۔

۸۔ دارالحکومت کے سرکاری مہمان خانے میں ان قبیلوں کے لوگ جا کر یہاں کئی کئی دن ٹھہرتے اور انھیں عمدہ کھانے اور پلاؤ پیش کیا جاتا جبکہ باقی قبائل کے لوگوں کا باقاعدہ اندراج ہوتا ان سے دارالحکومت آنے کی وجہ پوچھی جاتی اور ایسے لوگوں کو ٹھہرایا جاتا جنہیں یا تو نواب بلاتا یا عدالت کے معاملے میں انھیں یہاں ٹھہرنا پڑتا۔

۹۔ نواب ان قبائل کے لئے انگریزوں سے ہر سال مواجب لیتا اور ان قبیلوں کے ہر فرد کے سر کا بلی روپیہ گھر گھر تقسیم کیا جاتا۔

۱۰۔ وہ ان قبائل کے سرداروں کو خچروں پر اناج، گھی اور دوسرے تحائف لاد کر بھیجا کرتا۔ ان قبائل کے بڑے بڑے سرداروں کو خوشامد کی غرض سے نواب آداب پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی خوب آؤ بھگت کرتا اور بناوٹی محبت کا اظہار کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ نواب نے اپنے ذاتی استعمال یا سرکاری قلعہ بنانے کیلئے ان قبائل کی جائیداد بھی نہیں چھیڑی۔

مراعات کے ساتھ ساتھ بے اتفاق بھی رکھنا

نواب محمد شاہ جہان خان نے اتنی مراعات کے ساتھ سلطان خیل پائندہ خیل کو دو چیزیں دینے سے گریز کیا۔ ایک کاروباری ٹھیکے، تجارتی مراعات اور دوسرے سرکاری سطح پر بڑے عہدے تحصیلداری صوبیداری وغیرہ۔ کاروباری ٹھیکے نواب نے انھیں اسلئے نہیں دیئے کہ یہ قبائل دولت کا مزہ لے کر پھر معاشی و تجارتی پابندیاں اٹھانے اور آزادانہ تجارت کا مطالبہ کرینگے یا اگر ان قبائل میں کسی ایک سردار نے پیسہ کمایا تو باقی سرداروں کا بھی اسی طرف رجحان بڑھے گا اور یہ پھر میرے محتاج نہیں رہینگے۔

اسی طرح عقلمند حکمران نے ان قبائل کے سرداروں کو اپنے انوکھے طرز قانون اور انتظامیہ میں اسلئے شریک نہیں کیا کہ یہ غیرت مند اور ایمان دار قبائل میری ناروا اور ناجائز پالیسیوں میں رکاوٹ بنیں گے۔ حاکم وقت نے اگرچہ ان قبائل کو بہت سے مراعات بھی دیں لیکن دوسری طرف اس نے سلطان خیل و پائندہ خیل قبائل میں ریاستی مراعات کے حصول کیلئے پھوٹ بھی ڈالی۔ جس کی وجہ سے یہ قبائل ریاستی دور میں باہم غیر متفق رہے۔

نواب یا اس کے کسی تحصیلدار یا صوبیدار کی یہ سوچ نہ تھی کہ ریاست میں سڑکیں بنائیں جائیں، ہسپتال تعمیر کئے جائیں، شجرکاری کی جائے یا عوام کو کسی قسم کی مراعات مل جائے بلکہ ان کی سوچ یہ تھی کہ دیر کے چیدہ چیدہ لوگوں اور بااثر افراد کے درمیان آپس کے اختلافات کو کیسے ہوا دی جائے۔ تاکہ یہ ہمیشہ کمزور اور نواب کے محتاج رہے یہی وجہ تھی کہ ان قبائل کے بڑے بڑے سرداروں کو آپس میں لڑانا نواب اور اسکے ہم خیال گماشتوں کا ایک اہم ٹاسک رہا۔

اس کے متعلق نواب کا ایک سوتیلا بھائی مرحوم بخت جہانزیب خان المعروف تیمر خان نے 1984ء میں ڈسٹرکٹ کونسل دیر کے ایک رسالے ''رواں دواں'' میں اپنی انٹرویو میں کہا تھا کہ ''نواب شاہ جہان اور اسکی انتظامیہ یہ نہیں سوچتی تھی کہ عوام کی فلاح و بہبود کیلئے کچھ کیا جائے بلکہ انکی کوشش یہ ہوتی تھی کہ دیر کے عوام کو کیسے قابو میں رکھا جائے''۔

یہ نواب اور ان کے افسران کا کمال تھا کہ یہ قبائل کبھی بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہو سکے حالانکہ وہ یہ جانتے تھے کہ ہمیں بھائی پکارنے والا ہمیں آپس میں لڑا رہا ہے۔ ان قبائل میں سے جب بھی کوئی طاقتور سردار دیر حکومت کا تختہ الٹنے کے متعلق مشورہ پیش کرتا تو اس جرگہ کا ایک سردار جاسوس بن کر یہ بات حکمران تک پہنچاتا اور پھر یہی سردار انتظامیہ کے نشانے پر ہوتا۔ ان کے خلاف اس کے تربوروں (چچازاد بھائیوں) کو اٹھایا جاتا ان کو کسی الجھا کر عدالت بھاری جرمانے کی سزا سناتا یا انھیں کسی اور چال کے ذریعے کمزور کیا جاتا۔ آج اگر سلطان خیل اور پائندہ خیل کے بزرگ نواب سے خوش ہیں تو وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ہم کو غیر متحد اور منتشر رکھنے کیلئے آپس میں لڑاتا تھا لیکن ان بزرگوں کے برعکس آج کے نوجوان نسل کی رائے بالکل مختلف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر نواب کو ہمارے بزرگوں سے حقیقی محبت ہوتی تو آج ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں اتنی پسماندگی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

ترکلانی قبائل

نواب نے اس قبیلے کو سلطان خیل و پائندہ خیل کے ذریعے دبائے رکھا۔ نواب اس قبیلے کے حدود میں زیادہ قلعے بنائے گئے اور لشکر بھی زیادہ تعینات رکھے گئے۔ آج سلطان خیل و پائندہ خیل کے بزرگ تسلیم کرتے ہیں کہ ''نواب کے ورغلانے پر ہمارے بزرگوں نے چار دفعہ ترکلانی قبیلے پر حملہ آور ہو کر انھیں تاراج کیا تھا۔

ریاست کے باقی قبائل

سلطان خیل و پائندہ خیل کے دو اور برادر قبائل نصر الدین خیل اور اوسیٰ خیل تھے جو ہموار میدانی علاقوں میں آباد تھے یہ نہ صرف تعداد میں سلطان خیل پائندہ خیل سے کم تھے بلکہ یہ ان کی طرح جنگجو بھی نہ تھے اسلئے ان قبائل کو نواب کی فوج اور چالیس ہزار سلطان خیل و پائندہ خیل لشکر کے خلاف (جن کو نواب بغاوت

کرنے والے قبیلوں کے خلاف استعمال کرتا تھا) آواز اٹھانا مشکل تھا۔ دیر میں وردگ، مشوانی اور اتمانخیل بھی ایسے طاقتور قبائل تھے جس سے دیر کے حکمران کو اپنا تختہ الٹنے کا خدشہ تھا اسلئے ان قبائل کو سرکاری عہدے نہ ہونے کے برابر دیئے گئے اور ان قبائل کے درمیان اختلافات رکھنے کیلئے نواب کے کارندے ہر وقت مصروف عمل رہتے تھے۔

خان، مَلِک اور قومی سردار

''خان'' کا لفظ پشتون راجہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ''مَلِک'' اس کی برادری سے تعلق رکھتا ہے لیکن خان اس سے زیادہ جائیداد رکھتا ہے۔ ملک کا اثر و رسوخ صرف اپنے گاؤں تک جبکہ خان کا عمل دخل آس پاس کے کئی دوسرے گاؤں میں بھی ہوتا ہے۔ ریاست دیر میں قریباً سینکڑوں مقامات پر خان اور ملک گھرانے آباد تھے۔ یہ گھرانے اپنے قبائل کی نمائندگی کرتے تھے اسلئے نواب نے ان گھرانوں کی طاقت کو کمزور کرنے کیلئے اپنے مختلف حربے استعمال کئے۔

☆ نواب نے ہر گاؤں اور اہم علاقوں میں بڑے بڑے خاندانوں میں اپنا ٹولہ بنایا۔ ان خاندانواں میں گروپ بندی کر کے انھیں آپس میں لڑایا۔ (تفصیل آئندہ کتاب میں دیکھیں)۔

☆ دیر کے حکمران نے زراعت کو اتنا پسماندہ رکھا کہ جتنی فصل ہوتی یہ ان خاندانوں کے ذاتی استعمال کیلئے بھی ناکافی ہوتی تھی اور فصل اتنی فراوانی سے نہیں نہ ہوتی تھی کہ ایک مَلِک اس کو فروخت کر سکے۔ اس کے باوجود ریاست میں تجارت کے شعبے میں یہ قانون بنایا گیا کہ کوئی خان یا ملک اپنے علاقے سے اناج دوسرے علاقے کو لے جا کر فروخت نہیں کرے گا۔

☆ ریاست میں جائیداد کی خرید و فروخت پر بھاری ٹیکس عائد کیا گیا تھا اور جو خان یا ملک اپنی جائیداد بیچتا تو مقامی تحصیلدار خریدار سے اپنا حصہ بطور ٹیکس وصول کرتا تھا۔

☆ ریاستی سپاہی عشر کی باقاعدہ وصولی کرتے تھے۔ اس دولت کو عوام کی فلاح و بہبود پر نہیں لگایا جاتا تھا اگرچہ سرکاری خزانہ کابلی سکّوں سے بھرا رہتا تھا۔ نواب اپنی فوج کے ایک سپاہی کو ششماہی (چھ ماہ بعد) بارہ، چوبیس اور چھتیس روپیہ تنخواہ دیتا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس فوج کو تنخواہ کے بہانے ہر مالدار ملک، خان یا تاجر سے جائیداد کا مطالبہ کیا جاتا اور بعد میں اس جائیداد کو سرکاری جائیداد کا حصہ بنایا جاتا۔ نواب

کے خلاف ترکلانی قبائل نے بغاوت کا نعرہ بھی اس بات پر بلند کیا کہ اس نے میدان کے عوام سے اپنی

فوج کے لئے ان کی جائیداد کا مطالبہ کیا تھا۔

☆ نواب ہر علاقے کے خوانین اور ملکوں پر کڑی نظر رکھتا تا کہ اس کی فصل خاص مقدار سے بڑھنے نہ پائے۔ یہاں تک کہ بعض گاؤں کے خان یا ملک کے کھیتوں میں رات کو دیر حکومت کے جاسوس گھس کر اس فصل کا حساب لگاتے اور پھر اس خان کے متوقع فصل کا حساب نواب کو پیش کیا جاتا۔

ریاست کے بااثر لوگوں کو مختلف حربوں سے کمزور اور غریب بنانے کی کوشش کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس قابل نہ رہیں کہ ایک بارعب اور طاقتور حکمران کے خلاف نعرہ بغاوت بلند کر سکے۔ مشہور ہے کہ جب ترکلانی قبیلے کے سردار اپنی شکایات لیکر ملاکنڈ کے پولیٹکل ایجنٹ کے پاس پہنچتے تو پیوند لگے کپڑے، پھٹی پرانی چادریں اور گھاس کے بنے چپل (دڑوزہ پائیزار) دیکھ کر وہ افسران لوگوں کے حلئے پر ہنس کر کہتا کہ کہاں تم لوگ اور کہاں شاہجہان نواب یہ مشکل ہے کہ تم اپنی مقصد میں کامیاب ہو سکو۔

اب نواب کے ہاتھ آزاد تھے

۱۔ نواب محمد شاہ جہان خان نے اپنے بھائی کو انگریزوں کی اجازت سے حملہ کر کے ریاست سے باہر کیا پھر افغانستان سے دیر پر حملے کا الزام لگا کر انگریزوں کی مدد سے گرفتار کر کے پانچ ماہ تک ایبٹ آباد جیل خانے میں سلاخوں کے پیچھے رکھا جب وہ جیل سے فرار ہو کر باجوڑ آئے تو نواب نے ان پر تحریک آزادی کے قائد کا لیبل لگایا۔ اس کے بعد انگریزوں کی مدد سے باجوڑ نواب پر دباؤ بڑھا کر اپنے بھائی کو علاقہ اتمان خیل تک محدود کیا۔ اس نے مختلف حربوں اور چالوں سے بھائی کو کمزور کیا۔ آخر تنگ آ کر وہ مردان میں رہائش پذیر ہوا۔

۲۔ نواب نے بھائی کو انگریزوں کے ذریعے ملک بدر کیا اور پھر نوابی کا خطاب حاصل کرنے کے بعد اس نے انگریزوں کو سلطان خیل و پائندہ خیل کے ذریعے ریاست سے باہر رکھنے کیلئے حملے شروع کئے اور کئی بار حملوں کے بعد وہ انگریزوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ دیر پر ان کی اجازت اور پیشگی اطلاع کے بغیر قدم نہیں رکھ سکیں گے۔

۳۔ سلطان خیل و پائندخیل نواب کیلئے بھائی عالمزیب خان اور انگریزوں کے بعد تیسری بڑی طاقت

تھی جو نواب کے اقتدار کیلئے خطرناک تھے اسلئے اس نے انھیں امتیازی مراعات دیئے اور آپس میں لڑانے کیلئے جامع پالیسی تشکیل دی۔

۴۔ چوتھی بڑی خار اور طاقت ترکلانی قبائل کو زور سے دبایا گیا ان کے حدود میں زیادہ قلعے بنائے گئے اور زیادہ فوج تعینات کی گئی۔ ریاست کے باقی قبائل کمزور تھے اور ان کو بیک وقت نوابی فوج اور سلطان خیل و پائندہ خیل سے ٹکر لینی مشکل تھی۔

۵۔ پانچویں بڑی طاقت ریاست میں جہاں مالدار زیادہ جائیداد والے ملک، خان گھرانوں کو معاشی طور پر کمزور بنانے کی پالیسی بنانے کے علاوہ ہر گاؤں میں بااثر ملک یا خان گھرانوں کو غیر متحد رکھنے کیلئے نواب اور اس کے تحصیلداران، صوبیداران اور جمالداران مصروف عمل رہے۔

۶۔ چھٹی بڑی طاقت میاں، ملاّ، قاضی، صاحبزادہ، پیر کو عشر سے بری قرار دیا گیا یہ اس وجہ سے بھی خاموش رہے کہ ان کو اسلامی عدالتی نظام دینے کا وعدہ کیا گیا۔

ساتویں بڑی طاقت عوام (رعایا)

نواب نے اپنی رعایا کو قابو میں رکھنے انھیں بغاوت کا نعرہ بلند کرنے سے روکنے کیلئے جو پالیسیاں تشکیل دی تھیں۔ ان کے کچھ خدوخال اس طرح ہیں۔

قوم پر حد سے زیادہ رعب جمانا۔

قوم کو معاشی لحاظ سے پسماندہ رکھنا۔

قوم کو ذہنی لحاظ سے غلام رکھنا اور انھیں جدید تعلیم سے دور رکھنا۔

قوم کو ریاست دیر تک محدود رکھنا تا کہ وہ ریاست کے اندر اور باہر کے حالات میں فرق محسوس نہ کر سکے۔

قوم کا مطالعہ

نواب شاہ جہان کے اقتدار کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر پتہ چلتا ہے کہ اس حکمران نے ہمیشہ ماضی میں جھانک کر دیکھا ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ تاریخی کتابوں کا باقاعدہ مطالعہ کرتا تھا دوران حکومت انھیں اپنی فوج کے ہر سپاہی یا افسر کا قوم اور باپ دادا کی تاریخ معلوم تھی اور اسی بنیاد پر عہدہ دیتا تھا۔ اقتدار لینے سے پہلے شاید انھوں نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ خان قاسم خان کے دور سے ان

آباؤاجداد کو لڑایا جارہا ہے۔ انھوں نے اپنے باپ کی طرز حکومت پر بھی خوب غور وفکر کیا۔ ان کے والد چاڑہ نواب اگرچہ ایک بارعب، جنگجو اور نڈر حکمران تھے مگر وہ ہر کسی پر اعتبار کرتے اور اپنے افسران سے غیر سنجیدہ تھے۔ تاریخی نقطہ نظر سے شاید نواب شاہ جہان نے اسلئے یہ ذہن بنایا کہ جس قوم پر میرے باپ دادا نرمی سے حکومت نہ کر سکے تو میں بھی ان پر نرمی سے حکومت نہیں کر سکوں گا اسلئے اس نے ارادہ کیا کہ وہ اس قوم پر بڑی سختی سے حکومت کرے گا اور اگر وہ نرمی کریگا تو شاید اس قوم کے سردار اور بااثر لوگ انہیں حکومت کرنے نہیں دیں گے اور نہ وہ ان غدار افسران کو سزا دے سکے گا جنہوں نے ان کے مرحوم والد پر ظلم کئے تھے۔

والد نواب اورنگزیب کی برعکس پالیسیاں

☆ وہ والد کے برعکس کبھی بھی کسی کا جرم معاف نہیں کریگا۔ اس کا والد چاڑہ نواب بڑے درگزر سے کام لیتے تھے۔

☆ وہ اس قوم پر بڑی سختی سے حکومت کرے گا۔ چاڑہ نواب کا سوات، جندول اور باجوڑ حکمرانوں پر جنگی میدانوں میں رعب تھا مگر رعایا پر ان کا رعب نہ ہونے کے برابر تھا۔

☆ وہ والد کے برعکس اپنے افسران اور فوج سے انتہائی سنجیدہ رہے گا۔ نواب دوم افسران سے سنجیدہ نہ تھے۔

☆ وہ بہت کم کسی پر اعتماد کرے گا اور ہر افسر کے پیچھے جاسوس لگائے گا ان کے والد کا درباری افسران پر اعتبار تھا اور ان کا جاسوسی نظام نہ ہونے کے برابر تھا۔

☆ وہ ریاست کے انتظام کے سارے اختیارات اپنے پاس رکھے گا اس کے والد نے اپنے دور میں بیشتر انتظامی امور اپنے افسروں کو سونپ دیئے تھے۔

رعب جمانا

نواب نے جس انداز سے حکومت کرنے کا سوچا تھا اس کو لاگو کرنے کیلئے اس نے سات بڑی طاقتوں سے نمٹنے کے علاوہ اپنی رعایا پر یہ قوانین لاگو کرنے کیلئے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس قوم پر انتہائی سختی کریگا۔ اس نے جس طرح انوکھا اور عجیب قانون تشکیل دینے کا ارادہ کیا تھا ان کے لئے یہ ناگزیر تھا کہ وہ

ان کو عملی طور پر لاگو کر کے قوم پر زیادہ سے زیادہ رعب جمائے ۔ بعد میں اس حکمران کا جو رعب رہا ان کی چند دلچسپ واقعات یہ ہیں۔

دیر کے بزرگوں کا مشہور قول ہے کہ ایک دفعہ نواب کے سپاہی سے دریا کے پاس بندوق رہ گئی کئی روز گزرنے کے بعد یہ بندوق وہاں پڑی تھی لیکن عوام نے اٹھانے کی جرأت کرنے کی بجائے راہ بدل دی تھی اور جب تک بندوق وہاں پڑی تھی عوام دوسری طرف سے گزر کر جاتے تھے۔

ایک اور مشہور روایت کے مطابق سرکاری بس جب درجنوں سواریوں کو لے کر دارالحکومت پہنچتی تو دو سو گز دور چٹان پر واقع نواب کے محل کو یہ سواریاں خوف و دہشت سے دیکھنے کی جرأت تک نہ کر سکتے تھے۔

مشہور ہے کہ نواب کے مال مویشی پالنے والے گجر مال مویشی کو ریاست کے کسی بھی کھیت میں داخل کر سکتے تھے اور یہ کھیت جس قبائلی سردار یا خان کی ہوتی اس کی مزاحمت تو کیا اس وقت اس کھیت کے کنارے بھی نہیں چل سکتا تھا۔ جب یہ مال مویشی اور گھوڑے سارے فصل کا ستیاناس کرتے تو گاؤں کا خان یا جاگیردار آ کر اپنی کھیتوں کا افسوسناک تماشہ کیا کرتے تھے۔

(نواب کا اپنی رعایا پر رعب جمانے اور ان کے کارندوں کی سختی کی تفصیل کا ذکر آئندہ کتاب میں آئیگا)۔

نواب محمد شاہ جہان خان کا انوکھا قانون؟

نواب کا عجیب قانون پڑھ کر قارئین کے ذہین میں یہ سوالات اٹھ کھڑے ہونگے ان کا بعض عجیب قوانین لاگو کرنے میں مطلب کیا تھا جیسے جنگلات کٹائی پر پابندی، اردو انگلش الفاظ پر پابندی، ،ہسپتال کی تعمیر، سفید کپڑوں، عمدہ مکان سازی، دیوار کو چونا دینے پر پابندی وغیرہ۔ ان پابندیوں کی وجوہات نواب کا مقصد۔ تفصیل آئندہ کتاب میں دیکھئے گا۔

نواب کا عجیب طرز حکومت

علمی پابندیاں

☆ نواب نے جدید تعلیم پر مکمل پابندی عائد کی جو لوگ اپنے بچوں کو ریاست سے باہر پڑھانے بھجواتے انھیں سخت سرزنش کی جاتی اور ریاست بدر کیا جاتا۔

☆ اردو اور انگلش الفاظ بولنے پر بھی پابندی لگائی گئی۔ نواب کے سامنے جو لوگ "کنڑ کوڈ بلے" کو

ماچس اور ''ٹوکے'' کو کپڑا کہتا تو انھیں کافی ڈانٹ پلانے کے ساتھ برا بھلا کہا جاتا تھا۔

☆ دیر کے عوام کو بیرونی دنیا سے بے خبر رکھنے کیلئے نواب نے ریڈیو رکھنے والے سے بھی سخت نفرت کی۔نواب کے عزیز یہ تسلیم کرتے ہیں کہ پوری ریاست میں صرف نواب کے پاس ریڈیو تھا۔نواب کی گرفتاری سے چند سال پہلے اس کے ایک تحصیلدار ادین زئی فضل غفور نے ریڈیو خریدا تھا۔وہ جب یہ عجیب آلہ اوچ قلعہ کے سامنے میدان میں لایا تو آس پاس اتنے لوگ جمع ہوئے کہ کسان کی فصل پاؤں تلے روندی گئی۔

☆ چھتیس سالہ دور اقتدار میں شعر وشاعری پر پابندی تھی اور اس زمانے میں دیر کے ایک فلسفی شاعر بھٹئی جان کو حکمران دیر نے ریاست سے بے دخل کر دیا تھا۔

☆ ریاستی دور میں ایسے ڈاکٹر جن کا تعلق دیر سے تھا ان پر بھی پابندی تھی کہ وہ اپنے دیس کی عوام کی خدمت کریں کیونکہ نواب نے جدید دوائی بیچنے یا علاج معالجہ کے لئے ہسپتال بنانے پر بھی پابندی لگائی تھی۔

☆ دیر کے ایک مشہور ڈاکٹر شعیب کہتے ہیں کہ ''پشاور میڈیکل کالج میں مجھے دو سال تک اسلئے داخلہ نہیں ملا کہ مجھے نواب کی طرف سے ڈومیسائل نہیں مل رہا تھا دو سال بعد جب وہ گرفتار ہوئے تو مجھے داخلہ ملا''۔

☆ ڈومیسائل سرٹیفیکیٹ نہ دینے کے علاوہ دیر حکومت اپنے باشندوں کو اخلاقی سند (Character certificate) بھی نہیں دیا کرتی تھی۔جس کی وجہ سے ریاست سے پڑھنے والوں کو بغیر اس سند کے حکومت پاکستان کی طرف سے نوکری بھی نہیں مل سکتی تھی۔

☆ دیر کے بارعب حکمران کے ڈر سے جو طلباء چوری چھپے تھانہ یا درگئی کے مقامات پر پڑھتے تھے ان کے غریب والدین نواب کی طرف سے چھ روپیہ ماہانہ تنخواہ میں سے تو کچھ نہیں بھیج سکتے تھے البتہ جب فصل تیار ہوتی تو ان طلباء کے لئے اناج بھیجنے کی کوشش کی جاتی جب کوئی چکدرہ چونگی پر پہنچتا تو وہاں نواب کے سپاہی اناج قبضہ میں لے کر خالی بوری واپس کرتے۔

☆ نواب محمد شاہ جہان خان کے اکثر تحصیلدار یا عہدیدار، ان پڑھ تھے یا انھیں صرف زبانی طور

فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔ ریاست دیر کے نو تحصیلوں کا تحصیلدار اعلیٰ گل زرین تحصیلدار بھی سرکاری کاغذات پر دستخط کی بجائے انگوٹھا لگاتا تھا۔ ان سارے تحصیلداروں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ تحصیلدار فضل غفور تھے جن کی تعلیمی اہلیت صرف چھٹی جماعت تک تھی۔ یہ تحصیلدار ہونے کے ساتھ ریاست دیر کے وزیر خارجہ بھی تھے۔ یاد رہے کہ ان کو نواب دیر کی طرف شاہ ایران کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے علاوہ ریاست دیر کا پاکستان سے الحاق کے سلسلے میں قائداعظم سے دو مرتبہ ملاقات کی بھی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

معاشی پابندیاں

☆ نواب نے جنگلات کی کٹائی پر مکمل پابندی عائد کر لی تھی اور ریاست کے بیشتر جنگلات کو ریاستی حکومت نے اپنے تحویل میں لے لیا۔

☆ نواب نے ریاست کے ہر علاقے کے بازار کی جائیداد خرید کر اسے ذاتی جائیداد بنائی اور ہر دکاندار سے ماہانہ چھ روپیہ کرایہ وصول کرنے لگا۔

☆ ریاست میں نیا کاروبار شروع کرنے یا دکان بنانے کیلئے نواب سے اجازت لینا لازمی قرار دیا گیا۔

☆ سرکاری طور پر دکانداروں کے نہ صرف نرخنامے مقرر کئے بلکہ مصنوعات بھی نواب کی مرضی سے لائی جانے لگیں۔

☆ نواب نے آزادانہ تجارت ختم کر کے ٹھیکداری نظام قائم کیا جس کے مطابق مختلف مصنوعات کے ٹھیکے اور ریاست کی معیشت نواب کے علاوہ ایک درجن لگ بھگ ٹھیکداروں کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔

☆ چکدرہ میں ایک بڑی محصول چونگی قائم کی گئی یہاں ریاست کو باہر سے آنے والی اشیاء پر بھاری ٹیکس لیا جاتا تھا جبکہ ریاست سے جب کوئی قافلہ باہر جاتا تو یہ پھاٹک والے ان سے مرغی کا بھی ٹیکس لیتے تھے۔

☆ کاروبار کو آزادانہ فروغ نہ دینے اور ٹھیکہ داری نظام سے ریاستی کاروبار چلانے کا اندازہ اس

بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ریاست میں انڈوں کے بھی مخصوص تاجر ہوا کرتے تھے۔ ان ٹھیکداروں کے علاوہ ریاست میں کسی بھی شخص پر یہ کاروبار کرنے پر بھاری جرمانہ لگایا جاتا تھا۔

☆ حکومت دیر نے ریاست میں کسانوں کو اس بات کا پابند بنایا کہ کوئی کسان تجارت کی غرض سے اناج دوسرے علاقے کو لے جا کر نہیں بیچے گا۔

☆ ریاست کی ٹرانسپورٹ کے کاروبار کو قبضہ میں لے کر نواب نے اپنی بسیں خریدیں اور ان کے لئے پٹرول پمپ بھی ذاتی تعمیر کئے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ریاست میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی ذاتی بسیں ہوتی تھیں لیکن کامرانی سر (وادی تالاش سے دیر وادی داخل ہونے کی ایک پہاڑی) کے اس طرف سواری اٹھانا تو درکنار اس طرف بس لانے کیلئے بھی تحصیلدار نوے قلعہ (تیمرگرہ) سے پیشگی اجازت لینا پڑتی تھی۔

تعمیراتی پابندیاں

☆ نواب نے دارالحکومت کے چاروں اطراف میں تقریباً پانچ کلومیٹر تک ایسے مقامات پر عوامی تعمیرات پر پابندی لگا رکھی تھی۔ جہاں سے اس کے محل کا اندرونی حصہ نظر آ سکتا ہو۔

☆ ریاست میں ٹین کے چادر یا سیمنٹ والی آبادی پر پابندی لگائی گئی تھی۔

☆ نواب نے عمدہ مکان بنانے، کندہ کاری کرنے، دو منزلہ عمارت بنانے، شیشہ لگانے، قلعہ نما مکان بنانے یا مکان پر برج وغیرہ تعمیر کرنے پر سخت پابندی عائد کی تھی۔ دیر کا ہر سفید ریش اس بات پر گواہ ہے کہ بلامبٹ (چرگوڑئی) نامی مقام پر ملک گل باز خان اور ملک نوشیر خان کے قلعے مسمار کئے گئے تھے۔

☆ دیر حکومت کی طرف سے یہ فرمان بھی جاری کیا گیا تھا کہ کوئی بھی شخص اپنے گھر کی دیوار کو چونا نہیں دیگا۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن نواب نے اپنے محل دارالحکومت کے کچی آبادی کا نظارہ کرتے ہوئے ایک سفید دیوار دیکھی تو اس گھر کے مالک پر پچاس روپیہ جرمانہ لگانے کا حکم دیا۔ اسی طرح ''دیر و باجوڑ'' نامی ایک کتاب کے حوالے کے مطابق جب گندیگار گاؤں کے ایک امیر تاجر المعروف گندیگار میاں نے گھر کو چونا دیا تو نواب نے خبر پا کر ان کے سارے خاندان کو ریاست دیر سے بے دخل کر دیا۔

رہن سہن کی پابندیاں

☆ نواب نے ریاست سوات کی مصنوعات پر بھی پابندی لگائی تھی مشہور ہے کہ نواب کے خوف سے کوئی خان سوات کا بنا کھسا (پٹزہ) یا کمبل تک نہیں پہن سکتا تھا۔

☆ فیشن اور بناؤ سنگار پر بھی مکمل پابندی عائد کی گئی تھی۔

☆ سفید کپڑوں کے پہننے پر پابندی لگائی گئی تھی۔

☆ ریاست میں ٹوپی پہننا لازمی قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح چشمہ لگانے والا خان یا ملک نواب سے ملاقات کے دوران چشمہ جیب میں رکھتا تھا۔

☆ نوجوانوں کیلئے بڑے بال رکھنے، فیشن کرنے، ٹوپی یا پکول ترچھی رکھنے یا بالوں کو تیل دیکر ننگے سر گھومنے پر پابندی لگائی تھی۔

قوم کو ریاست دیر تک محدود رکھنا

نواب اگر ایک طرف اپنی قوم کو جدید تعلیم نہیں دینا چاہتا تھا تو دوسری طرف اس کا مشن یہ بھی تھا کہ وہ دیر میں ایک پسماندہ کلچر کو فروغ دے کر عوام کو ریاست سے باہر جانے کیلئے کسی نہ کسی طریقے سے روکے رکھے اور ریاست سے باہر لوگوں کو بھی اندر آنے کی آزادانہ اجازت نہ ہو۔ تاکہ باہر کے لوگ (خلکینی) اس قوم کو نہ بہکا سکیں کہ تمہارا حکمران تمہارے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے یا یہ کہ ریاست سے باہر کیا ہو رہا ہے۔

ایک مشہور روایت کے مطابق لاہور نظر بندی کے دوران نواب شاہ جہان نے ایک بار کہا تھا کہ ریاست دیر ایک شال (دلہن کی اوڑھنی) کی مانند تھا جسے میں نے اخروٹ کی گٹھلی میں بند کیا تھا اور دیر کی حیاء عزت دیر تک محدود تھی۔ نواب نے یہ بات مندرجہ ذیل اقدامات سے ثابت کی تھی۔

☆ نواب محمد شاہ جہان خان نے قوم کو دیر تک محدود رکھنے کیلئے سب سے پہلے دیر کو مواصلاتی طور پر پسماندہ رکھا، دیر کی سڑک جو 1895ء میں انگریزوں نے پشاور سے چترال تک بنوائی تھی یہ 1960ء تک انگریز اور پاکستان حکومت کے بارہا مطالبوں کے باوجود صرف اتنی چوڑی رکھی گئی کہ جس پر بمشکل ایک گاڑی گزر سکتی تھی۔ اسی طرح ریاست کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جو جرنیلی سڑک

دارالحکومت تک پہنچی تھی نواب نے اپنا تختہ الٹنے تک اس قومی شاہراہ سے کسی بھی علاقے یا دڑے تک سڑک نہیں بنائی تھی۔

☆ نواب نے ریاست چترال، ریاست سوات یا باجوڑ کے آس پاس علاقوں سے مواصلاتی نظام اپنی گرفتاری تک منقطع رکھا۔

☆ عقلمند حکمران نے 1960ء تک ریاست کی مرکزی شاہراہ پر صرف دو بسیں چلانے کا پروگرام بنایا۔ ایک بس ریاست کے ایک سرے صبح روانہ ہوجاتی اور دوسری مخالف جانب یعنی ریاست کے دوسرے سرے سے اور یہ بسیں صبح سے چلتی چلتی شام تک اپنی منزل پر پہنچتی۔ ان بسوں میں کافی رش ہونے کے ساتھ ساتھ اٹھ گھنٹے کا یہ سفر بدن کو چکنا چور کردیتا۔

☆ نواب نے دیر کے چند تاجروں کو جن کی ذاتی بسیں تھیں انھیں ریاست میں ٹرانسپورٹ کے کاروبار سے منع کررکھا تھا۔

☆ ریاست کی زرعی پسماندگی اور مشینی نظام نہ ہونے کی وجہ سے لوگ کھیتی باڑی تک محدود رہے۔ نواب اپنی فوج کو ماہانہ چھ روپیہ، تین روپیہ یا دو روپیہ تنخواہ دیتا جبکہ بس کا کرایہ تیمرگرہ سے دارالحکومت تک دو روپیہ مقرر کیا گیا تھا۔

ریاست سوات جانے سے اپنے عوام کو روکنا

1926ء میں ریاست سوات کی حکومت تسلیم ہونے پر والی سوات نے تیزی سے سوات کو ایک جدید اور ترقی یافتہ ریاست میں تبدیل کرنے پر کام شروع کیا۔ یہ ریاست چونکہ دیر کے پہلو میں واقع ہے اسلئے اس سے آزادی، شہری حقوق، معیشت اور دیگر تضادات کا درس لینا ایک فطری امر تھا۔ نواب اپنی ریاست کو پسماندہ رکھنا چاہتا تھا چونکہ نواب اور والی سوات کے ہر قانون میں تضاد تھا اسلئے نواب کو خدشہ تھا کہ اگر میری رعایا ریاست سوات جائی گی تو وہاں کی ترقی، سہولیات اور والی سوات کی نرم مزاجی دیکھ کر دیر کے عوام بھی مجھ سے اس طرز کے مراعات اور طرز حکومت کا مطالبہ کرینگے۔

نواب کے لئے بعض قوانین براہ راست لاگو کرنا مشکل تھے اسلئے اس نے اپنے رعایا کو سوات جانے سے روکنے کیلئے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ ریاست سوات کے عوام ہمارے ازلی دشمن

ہیں۔ ہمارے باپ دادا ان سے لڑے تھے ہم کو بھی ان سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ اس نے اپنی قوم کو یہ بھی باور کرایا کہ یہ لوگ غیرت اور پختون ولی کے قاعدے سے بالاتر ہو کر جدید تعلیم اور جدید روایات اپناتے ہیں جو کہ غیرت کے برخلاف ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ نواب شاہ جہان کے دور اقتدار میں سوات کا کوئی بندہ دیر آتا تو پہلے اس کو چکدرہ پھاٹک پر نواب کے سپاہی بس سے اتار کر دیر داخل نہیں ہونے دیتے تھے لیکن جب کبھی سوات کا کوئی بندہ پہاڑی راستے سے دیر آتا تو نواب کے خوف سے کوئی اسکو اپنے حجرے میں ایک رات کے لئے بھی نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ اس طرح دیر سے کوئی بااثر شخص سوات جاتا تو اس پر نواب والی سوات کے جاسوس اور ریاست دیر سے غداری کا الزام لگایا جاتا۔

سوات کے باشندے تو درکنار مردان و پشاور کا کوئی شخص دیر آتا تو اس سے چکدرہ میں نواب کے سپاہی پیچیدہ سوالات کرتے اور بعض اوقات تو سواریوں سے بھرا بس روک کر فون کر کے نواب کے تحصیلدار کی اجازت کے بعد ایک معروف شخص کو دیر داخل ہونے کی اجازت ملتی تھی۔

(ان پابندیوں کے مثبت اثرات اور تنقیدی جائزہ)

دیکھئے آئندہ کتاب